یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ہیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں.

منجانب.

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان

۷۸۶

۹۲_۱۱۰

یا صاحب الزماں ادرکنیؑ

DvD Version

لبیک یا حسینؑ

خصوصی تعاون: نذر عباس

رضوان رضوی

اسلامی کُتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری ۔

www.ziaraat.com

SABIL-E-SAKINA
Unit#8,
Latifabad Hyderabad
Sindh, Pakistan.
www.sabeelesakina.page.tl
sabeelesakina@gmail.com

NOT FOR COMMERCIAL

امیر معاویہ کی حیات و کردار

طلیق ابن طلیق

علی اکبر شاہ

عنوانات

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۔ ○	حرفِ آغاز	۷
○	نواصب	۹
○	غزالی	〃
○	ابن العربی	۱۰
○	ابنِ تیمیہ	〃
○	ابنِ کثیر	〃
○	ابنِ خلدون	〃
○	برصغیر کے نواصب	۱۱
○	انبیاء کی توہین اور ابوبکر کی تعظیم	۱۳
○	حضرت علیؑ سے بغض وحسد کا اظہار	〃
○	ابوسفیان اور ہندہ سے عقیدت	۱۵
○	مرزا حیرت دہلوی اور نواصب پاکستان	۲۰
۲۔	خاندانِ بنی امیہ	۲۴
○	حضرتِ معاویہ کے والد محترم	۲۷
○	حضرتِ معاویہ کی والدۂ محترمہ	۳۲
۳۔	ابتدائی حالات	۳۶
	پیدائش اور جوانی	〃
	ازواج و اولاد	۳۷
۴۔	قبولِ اسلام کے بعد معاویہ کی حیثیت	۳۹
	دورِ رسالتؐ میں	〃
	دورِ ابوبکر میں	۴۰
	دورِ عمر بن خطاب میں	〃
	دورِ عثمان میں	۴۳
۵۔	علیؑ ابن ابیطالبؑ اور معاویہ بن ابی سفیان	۴۷
	جنگِ جمل	۵۰

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
○	معاویہ کی تیاریاں	۵۰
○	جنگ صفین	۶۰
○	عمار یاسر کا جوش و خروش	۶۶
○	عبیداللہ بن عمر کا قتل	۶۸
○	لیلۃ الہریر	۶۹
○	تحکیم کی تجویز	۷۲
○	حکمین کا انتخاب	//
○	عہدنامہ تحکیم	۷۳
○	مراجعت	۷۵
○	حکمین کا اجتماع	۷۶
○	حکمین کی گفتگو	//
○	خوارج کی بربریت	۸۰
○	شام پر حملہ کی تیاری اور نہروان روانگی	۸۱
○	جنگ نہروان	۸۲
○	شام پر حملہ سے اہل لشکر کی معذرت	۸۴
○	کوفہ واپسی	۸۵
○	مصر کی صورتحال	//
○	مالک اشتر کی شہادت	۸۷
○	اشتر کی شہادت کے بارے میں	۸۸
○	ابن کثیر کی روایت	

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
○	ڈاکٹر طٰہٰ حسین کا بیان	۸۸
○	معاویہ کا مصر پر قبضہ	//
○	مصر کے بعد بصرہ کی باری	۹۰
	۳۹ھ معاویہ کی دہشت گردی کا سال	۹۱
○	عین التمر پر حملہ	//
○	انبار و مدائن	۹۲
○	تیما پر حملہ	//
○	ثعلبیہ واقصہ پر حملہ	۹۳
○	امارت حج اور معاویہ کا نمائندہ	//
○	بسر بن ارطاۃ کی دہشت گردی	۹۴
○	معاویہ سے فیصلہ کن جنگ کا ارادہ	۹۵
○	حضرت علیؑ کی شہادت	۹۷
○	حضرت امام حسنؑ کی بیعت	۹۲
۶	**حضرت حسنؑ ابن علیؑ اور معاویہ بن ابی سفیان**	۱۰۰
○	صلح امام حسن علیہ السلام	۱۰۱
○	صلح کے بعد امام حسن مجتبیٰؑ کا خطبہ	۱۰۳
۷	**معاویہ بحیثیت خلیفہ غاصب**	۱۰۵
○	معاویہ اور خوارج	//

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
○	گورنروں کی تقرریاں	۱۰۷
○	بصرہ	〃
○	کوفہ	۱۰۸
○	تقرری سے قبل مغیرہ کو نصیحت	〃
○	مدینہ	۱۱۰
○	زیاد بن ابیہ	۱۱۳
○	معاویہ کا زیاد کو اپنے نسب میں داخل کرنا	۱۱۴
○	استلحاق زیاد کے بارے میں مودودی کی رائے	۱۱۶
○	شاہ عبدالعزیز کی رائے	۱۱۷
○	جسٹس تقی عثمانی	۱۱۹
○	ایام جاہلیت کے نکاح اور سمیہ اور ابوسفیان کا تعلق	۱۲۱
○	زیاد کا تقرر بصرہ پر	۱۲۴
○	خطبہ بترا	〃
۸	عبدالرحمن بن خالد بن ولید کا قتل	۱۳۰
۹	شہادت امام حسن علیہ السلام	۱۳۱
۱۰	جنگ قسطنطنیہ	۱۳۷
۱۱	زیاد کا کوفہ پر تسلط	۱۳۹
○	زیاد کے نائب سمرہ بن جندب کے مظالم کی جھلکیاں	〃
○	زیاد اور حجر بن عدی	۱۴۰
○	عمرو بن الحمق کا قتل	۱۴۳
○	حجر بن عدی کے خلاف گواہیاں	۱۴۴
○	حجر کی شام روانگی	۱۴۵
○	حجر کا قتل	۱۴۷
○	حجر کے دو ساتھیوں کا انجام	۱۴۸
○	حجر کے قتل پر ردعمل	۱۴۹
○	بی بی عائشہ رض ناراض ہوگئیں	۱۵۰
○	عبداللہ بن عمر کو صدمہ	〃
○	ربیعہ بن زیاد حارثی والی خراسان چل بسے	〃
○	حجر بن عدی کی عظمت	۱۵۱
۱۲	زیاد کی موت	۱۵۵
۱۳	یزید کی ولی عہدی	۱۵۷
○	وفود کی آمد	۱۶۰
○	احنف بن قیس کی مخالفت	〃
○	بیعت یزید کے لئے معاویہ کی حجاز روانگی	۱۶۱
۱۴	معاویہ کی وفات	۱۶۸
○	وقت آخر جذباتی کیفیت	۱۶۹
۱۵	معاویہ کی منقبت	۱۷۱
۱۶	مولانا مودودی اور معاویہ	۱۸۱
○	بدعت کا الزام	۱۸۲
○	چند اور سنگین الزامات	〃
	میں کافروں مطمئن	۱۸۸

یہ اجتہاد عجب ہے کہ ایک دشمنِ دیں
علیؑ سے آ کے لڑے اور خطا کہیں اس کو

علیؑ کے بعد حسنؑ، اور حسنؑ کے بعد حسینؑ
کرے جو ان سے برائی بھلا کہیں اس کو؟

نبیؐ کا ہو نہ جسے اعتقاد، کافر ہے
رکھے امامؑ سے جو بغض کیا کہیں اس کو؟

مرزا غالب

حرفِ آغاز

جنابِ معاویہ کی حیات و کردار پر یہ کتاب "طلیق ابنِ طلیق" حاضر ہے، انکے سلسلے میں ہمارا کوئی ارادہ نہ تھا۔ ان کا نام تو گوشۂ گمنامی میں پڑا ہوا تھا اور ان کا نام لیوا کوئی بھی نہ تھا کہ معاویہ فورس کا قیام عمل میں آیا، اس نے معاویہ کے نام کو اخبارات کے ذریعے زندہ کرنیکی کوشش شروع کردی۔ یہ چاہتے ہیں کہ انہیں بھی ایک معتبر صحابی کی حیثیت سے سمجھو ہیں حالانکہ انکی حیثیت ایک ظالم اور غاصب حکمران کی ہے ان کی وجہ سے اسلام میں ایسا فساد پھیلا کہ نواسۂ رسولؐ کو بے نظیر قربانی دینا پڑی۔

معاویہ فورس کا قیام چند برس قبل عمل میں آیا تھا، اسکے سربراہ کا نام عبدالغفور ہے۔ انہوں نے جب معاویہ فورس قائم کی اور اس کے کمانڈر انچیف کا عہدہ سنبھالا تو انہیں "معاویہ" لاحق ہوگیا اور یہ عبدالغفور معاویہ ہوگئے۔ یہ مرض انہیں اس بُری طرح لپٹا کہ انہوں نے اپنی کابینہ کے ہر ممبر کا نام بدل دیا، علی معاویہ، حسن معاویہ، حسین معاویہ ــــ اور اسطرح انہوں نے حضرت علیؑ اور انکی پاک اولاد کی توہین کا ایک نیا انداز اختیار کیا۔

معاویہ فورس ــ واقعی معاویہ فورس ہے بالکل وہی مکروفریب جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طرۂ امتیاز تھا۔ ان کی زیادہ تر "سرگرمیاں" کاغذ پر ہوتی ہیں ــ اور پریس ریلیز کے ذریعے عوام مطلع ہوجاتے ہیں صرف یہی نہیں انکے تو بڑے بڑے جلسے کاغذ پہ ہوجاتے ہیں وہ بھی شیعہ بستیوں میں۔ اخبار والے بھی پریس ریلیز کی بنیاد پر خبر لگاکر اس مکروفریب کے کاروبار میں اُن کا ساتھ دیتے ہیں ــ کیا وہ نہیں جانتے کہ رضویہ سوسائٹی اور

جعفرِ طیار سوسائٹی کس کی بستیاں ہیں؟ یہ کس کی ماں نے اتنے جرات مند فرزند پیدا کر دیئے کہ جو خالص شیعہ بستیوں میں یومِ معاویہ منا سکیں!۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کاغذی شیر کی اصطلاح انہی کے لئے وضع ہوئی ہے۔

معاویہ فورس کے جلسے برمی کالونی اور بھینس کالونی میں ہوتے ہیں یہاں کے جاہل عوام معاویہ کے نام پر اسی طرح بے وقوف بنتے ہیں کہ جس طرح معاویہ نے شام کے بدوؤں کو جو کہ نر و مادہ میں تمیز نہ کر سکتے تھے بے وقوف بنا رکھا تھا۔ کتنی بھرپور مشابہت ہے معاویہ اور معاویہ فورس میں!

حضرت علی علیہ السلام اور دیگر آئمہ اہلبیتؑ و سادات صوفیائے کرام سے گہری عقیدت صرف شیعہ ہی کو نہیں بلکہ تمام مسلمان حسبِ توفیق ان کا احترام کرتے ہیں اس سلسلے نے اپنی عظمت کو اچھی طرح سے منوا لیا ہے حالانکہ ایک دور وہ تھا کہ علیؑ پر سب و شتم کیا جاتا تھا اور ان کے ماننے والوں کو جائے پناہ نہ ملتی تھی۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ ہر دور میں ان عظیم ہستیوں کا مخالف طبقہ موجود رہا ہے گو کہ اب اسکی تعداد کم ہو گئی ہے، انھیں نواصب کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔

نواصب

ناصبی کی اصطلاح سے بہت کم لوگ واقف ہیں یہ عربی زبان کا لفظ ہے اس کے معنی دائمی بغض و حسد کے ہیں۔ ناصبی کی اصطلاح ان نام نہاد مسلمانوں کے لئے استعمال کی جاتی ہے جو کہ حضرت علیؑ اور انکی اولاد سے بغض رکھتے ہیں، اس اصطلاح کی زد میں تو رسول اللہؐ کے دور کی وہ شخصیتیں بھی آجاتی ہیں کہ جنھیں بہت معتبر سمجھا جاتا ہے لیکن اس دور کا کھلا ناصبی مروان بن حکم تھا جو کہ اعلانیہ علیؑ اور آلِ علیؑ سے بغض کا اظہار کرتا تھا۔ اور باقاعدہ سب و شتم کرتا تھا۔ مروان سے مروی بخاری کی ایک روایت کے سلسلے میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں:

ہاں بخاری میں البتہ مروان سے روایت آئی ہے باوجودیکہ وہ نواصب میں سے

تھا بلکہ اس بدبخت گروہ کا سرغنہ اور سرکردہ لیکن اس روایت کا مدار زین العابدین پر رکھا ہے
اور انہیں پر روایت کو ختم کیا ہے (تحفہ اثنا عشریہ کید ہفتاد و چہارم)
مروان بن حکم، معاویہ بن ابوسفیان اور آلِ مروان اور پھر انکی اولادیں ہر دور میں رہی ہیں ۔
غزالی، ابنِ عربی، ابنِ تیمیہ، ابنِ کثیر اور ابنِ خلدون۔ یہ سب کے سب ناصبی تھے۔ پہلے غزالی
کے افکار ملاحظہ فرمائیے۔

غزالی (متوفی ۵۰۵ھ)

یہ شخص شافعی فقہ سے تعلق رکھتا تھا، لعنت کے عنوان سے لکھتا ہے کہ:

رہا یزید کی لعنت کا حال، اگر اس نے حضرت امام حسینؑ کو قتل کیا یا اجازت دی تو
اس کو لعنت کہنا درست ہے یا نہیں؟ تو اس کا حال یہ ہے کہ قتل و اجازت دونوں
پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچیں لعنت کا تو کیا ذکر ہے جب تک اس کا قتل و اجازت کا ثبوت نہ
ہو تب تک اس کو قاتل اور اجازت دہندہ بھی نہ کہنا چاہیئے اس لئے کہ قتل گناہ کبیرہ ہے
اس کی نسبت مسلمانوں کی طرف بلا ثبوت کامل نہیں ہو سکتی .....

اب اگر کوئی یوں کہے کہ یہ بھی کہنا جائز ہے یا نہیں کہ قاتلِ امام حسین علیہ السلام یا قتل
کی اجازت دہندہ پر خدا کی لعنت ہو، تو اس کا جواب یہ ہے کہ بہتر یہ ہے کہ یوں کہے کہ اگر
قاتل یا اجازت دہندہ قبل توبہ مرا ہو تو اس پر خدا کی لعنت ۔ کیونکہ یہ احتمال ہے کہ شاید بعد
توبہ مرا ہو ..... اور ہم نے جو یزید کی لعنت کا یہاں ذکر کیا ہے اس لئے کہ لوگ لعن کے باب میں
جھٹ پٹ زبان کھول دیتے ہیں حالانکہ حدیث شریف میں آچکا ہے کہ مومن لعنت کنندہ نہیں ہوتا۔

(احیاء العلوم جلد سوم عنوان "لعنت کرنا")

ابن العربی متوفی ۵۴۳ھ

یہ شخص غزالی کا شاگرد تھا، اس نے اپنی کتاب "العواصم من القواصم" میں لکھا ہے کہ
حسینؑ اپنے نانا کی تلوار سے قتل ہوئے، اس کا قول تھا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا قتل

شعوراً جائز تھا کیونکہ وہ یزید کے بالمقابل مدعی خلافت تھے۔

(خلافت وملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ)

ابنِ تیمیہ (متوفی ۷۲۸ھ)

امام ابنِ تیمیہ، حنبلی فقہ سے تعلق رکھتا تھا، وہابی فرقہ کا بانی محمد بن عبدالوہاب اسی کا خوشہ چین تھا۔ ہر دور کے ناصبی ابنِ تیمیہ سے بڑی عقیدت رکھتے ہیں کہ وہ حضرت علیؓ کی شان میں گستاخ کرتا تھا۔

ابنِ کثیر

مؤرخ ابنِ کثیر، جس کی مشہور کتاب 'البدایہ والنہایہ' ہے ابنِ تیمیہ کا شاگرد اور دمشق کا رہنے والا تھا۔ یہ شہر حضرت علیؓ اور ان کی اولاد سے دشمنی میں بے مثل تھا۔ امام نسائی کہ جن کی کتاب 'سنن نسائی' اہلسنت کی صحاح ستہ میں سے ایک ہے حضرت علیؓ سے عقیدت رکھتے تھے۔ جب آپ نے دیکھا کہ دمشق کے زیادہ تر لوگ حضرت علیؓ سے منحرف ہیں تو آپ نے ان کے فضائل میں ایک کتاب لکھی "خصائل علیؓ" اور اسی جرم میں اہل دمشق نے انہیں قتل کر دیا۔ اب ابنِ کثیر کی ناصبیت کا اندازہ لگائیے کہ ایک تو وہ ابنِ تیمیہ کا شاگرد اور پھر دمشق جیسے شہر کا باشندہ۔

ابنِ کثیر اپنی تحریروں میں بنی امیہ کا حامی نظر آتا ہے، بنی امیہ کی جھوٹی فضیلتیں بیان کرنے کے سلسلے میں اُسے امتیاز حاصل ہے، خاندانِ نبوت پر ہونے والے مظالم کے سلسلے میں خاصی بے حسی کا ثبوت دیا ہے۔ یزید کو قتلِ حسین علیہ السلام سے بری الزمہ قرار دیتا ہے، پاکستان کے مشہور ناصبی محمود احمد عباسی نے اپنی کتاب خلافت معاویہ ویزید میں زیادہ تر اسی کے حوالوں پر انحصار کیا ہے۔

ابنِ خلدون (متوفی ۸۰۸ھ)

مؤرخ ابنِ خلدون اندلس کا رہنے والا تھا مالکی فقہ سے تعلق رکھتا تھا کہ جہاں

بنی امیہ کی حکومت رہی ہے۔ یہ بھی امویوں کا نمک خوار تھا۔
اس نے امویوں کی حمایت میں امام حسین علیہ السلام کے لئے گستاخانہ انداز اختیار کیا۔

برِ صغیر کے نواصب:

برصغیر کے ناصبیوں میں مرزا حیرت دہلوی، بابائے اردو مولوی عبدالحق، محمود احمد عباسی، عزیز احمد صدیقی صفِ اوّل کے ناصبی تھے۔

مرزا حیرت دہلوی برصغیر میں ناصبیت کی جڑ تھا، چنانچہ ہم اسکے بارے میں ذرا تفصیل سے لکھیں گے۔ اس نے "کتابِ شہادت" کے نام سے کئی جلدیں لکھیں اسکی پہلی اشاعت آج سے تقریباً ۸۰ برس قبل ۱۹۱۳ء میں ہوئی اور پھر پاکستان میں اسکے ایک حصہ کی اشاعت پہلی بار ۱۹۷۶ء میں ہوئی۔ اسکے پاکستانی ناشر کا دعویٰ ہے کہ بابائے اردو مولوی عبدالحق پاکستان آتے وقت "کتابِ شہادت" کی چھ جلدیں (جو ہندوستان کے کونے کونے سے خرید کر تلف کی جارہی تھیں) اپنے ساتھ لائے اور اپنے دوست محمود احمد عباسی کو دیں کہ ان کا خلاصہ تیار کرو، یا انہیں دوبارہ چھپوادو۔ چنانچہ "خلافت معاویہ و یزید" نامی کتاب نے برصغیر میں خوب شہرت پائی۔

یہ مرزا حیرت دہلوی کی انہی چھ جلدوں کے چیدہ چیدہ مضامین ہیں کہ جنھیں محمود احمد عباسی نے اپنی زبان دیکر مرتب کیا۔ یہ صفِ اوّل کے ناصبی مرتضیٰ علیؑ اور اولادِ علیؑ سے ہی بغض نہیں رکھتے اور نہ صرف شیعہ دشمن ہیں بلکہ یہ تو علماء اہلسنّت کو بھی نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اہلسنّت کے مجموعۂ احادیث یعنی بخاری شریف کی بھی تحقیر کرتے ہیں۔ کتابِ شہادت کے پاکستانی ایڈیشن میں اس کا ناشر لکھتا ہے

"بالآخر مرزا نے زچ آکر مولوی کے خزینۂ خرافات پر ہاتھ مارا یعنی اسکی بخاری شریف کا اردو ترجمہ کر ڈالا۔ اور اس کے طلسم کو توڑ دیا۔ اس ترجمہ سے دینِ ملّا کا تار و پود بکھر گیا۔

موصوف آگے چل کر لکھتے ہیں

"اب مرزا نے قرآن کی طرف توجّہ دی تو دیکھا کہ شانِ نزول کی روایتوں کے تحت کئے جانے والے ترجمہ مفسدہ انگیز اور گمراہ کُن ہیں..... انہوں نے اپنا خود مختار ترجمہ پیش کیا، اور توحید کی تعلیم کو اُجاگر کرنے پر اپنا زور صرف کر دیا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ مرزا نے نہ صرف بخاری شریف پر ہاتھ مارا بلکہ علماء اہلسنّت کے ترجموں کو بھی گمراہ کُن قرار دیکر قرآن پر بھی ہاتھ مارا، مگر نتیجہ کیا نکلا، خود اسی ناشر کی زبانی سُنیئے۔

"لیکن افسوس، مسلمانوں کی ناقدری کا شکوہ کیا کریں! انکی اکثریت جاہل اور قرآن سے لا تعلق ہے۔ خود مرزا کی اولاد نے اپنے باپ کے کام کی قدر نہ کی، نہ ان کے نام کو زندہ رکھنے کی کوشش کی۔ سُنا ہے کہ یہ ان کی تمام کتابیں ردّی کے بھاؤ کباڑی کے ہاتھ بیچ آئے اور ان کا مترجم قرآن کوڑے کی طرح بوریوں میں بھر کر پاکستان لائے اور یہاں کسی ادارے یا کتب خانہ کو دینے کے کسی کتب فروش کو دے دیا جس نے انھیں تلف کر دیا۔"

اب ہم کتاب شہادت کے اس حصّہ سے چند اقتباسات پیش کر رہے ہیں کہ جسے "مکتبہ جادۃ الحق" کراچی نے ۱۹۷۶ء میں شائع کیا تھا۔

کتاب کے ناشر کی گفتگو:

"رونا جلانا تو ہندی مسلمان کے مقسوم میں ہے یہ خود پر نہ روئیں گے تو حسین پر روئیں گے یا پھر معاویہ اور یزید کی جان کو رو پیٹ کر صبر کر لیں گے۔"

"تو بہ کیجئے وہ ہندی مسلمان ہی کیا جو کفر و ایمان کا فرق سمجھے جبکہ اسکی رگوں میں ہندو مسلم مخلوط خون ہو اور اس کے کانوں میں پنجتن اور کربلا کی لوریاں گونجی ہوں وہ توحید کی رمز کو کیا سمجھے۔؟"

"مرزا نے حق گوئی کا سبق امام ابن تیمیہ سے لیا تھا۔"

"ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنے خلیفہ بلا فصل (بلے موسم) اور شیر خدا (دشنوجی) کے

مرتبہ کے بزرگ حضرت علیؓ کے گفتنی حالات بھی پیش کر دیں جو مرزا حیرت دہلوی نے بڑی محنت سے جمع کئے تھے۔"

یہ تو اس ناصبی ناشر کی علیؓ اور اولادِ علیؓ سے بغض کی جھلکیاں تھیں۔ اب اصل کتاب کی چند جھلکیاں ملاحظہ ہوں۔

انبیاء کی توہین اور ابوبکر کی تعظیم

ہزاروں موسیٰ اور ہزاروں عیسیٰ اس طرح اور بہت سے پیغمبر گذر گئے، جن کے زبانی یا معتقدوں کی تعداد لاکھوں سے گذر کر کروڑوں تک پہنچی ہوئی ہے مگر سوال یہ ہے کہ ان میں سے کس موسیٰ اور کس عیسیٰ نے مخلوقِ خدا کے ساتھ کیا کیا؟ موسیٰ کی تو تمام عمر بنی اسرائیل سے تو تُو میں میں اور جنگ و جدل میں مصروف رہنے میں گذر گئی ..... پھر عیسیٰ بن مریم پیدا ہوئے جنھیں لوگوں نے انکی ماں کے نام سے پکارا کیونکہ یوسف انکے والد کی شخصیت معدوم قرار دی گئی۔ جو کچھ انہوں نے تعلیم پائی یحیٰی سے، ان کے وعظ سننے اور اسی سے جذبات دلی کا ابھار ہوا۔ چونکہ مطلق تعلیم یافتہ نہ تھے اس لئے کوئی سی شریعت یا نیا قانون نہیں بنا سکتے تھے۔ کئی سال تک وہ اپنے باپ کی دکان پر بسولے کی آواز سنتے رہے اور پھر عیسیٰ کے وعظوں سے پورے متاثر ہو کے علیحدہ منادی کرنے لگے، چونکہ سمجھدار آدمی تھے انہوں نے موسیٰ کی شریعت پر گردن جھکا دی۔"

"ایک ابوبکر میں کل انبیاء کا خلاصہ موجود ہے نہ موسیٰ اسکی برابری کر سکتے ہیں نہ عیسیٰ خداوند قدوس نے خود اس سے باتیں کیں اور مصیبت و تکلیف میں اسکی تسکین فرمائی.... اگر دنیا نے آنکھ کھول کے محمد بن عبداللہ کو کامل اور عظیم انسان دیکھا یا ابوبکر کو اگرچہ جلوۂ فاروقی اپنی جگہ پر خوب چمکا اور اس نے بھی بنی اسرائیل کے انبیاء کی بہت سی روشنیوں کو ماند کر دیا"

حضرت علیؑ سے بغض و حسد کا اظہار اس طرح کرتا ہے:

انسانی صفات سے خالی شیعوں نے جب دیکھا کہ حضرت علیؑ کی ذات انسانی صفات سے خالی ہے (ہم نے یہ الفاظ دل پر پتھر رکھ کر نقل کئے ہیں) نہ انہوں نے اپنی زندگی میں ایسے

کارِ نمایاں کیئے کہ وہ بیان کرنیکے قابل ہوں تو انہوں نے مجبوراً حضرت علیؓ کو ایک ایسی ہستی تسلیم کیا جس ہستی میں انسانیت کا وہم وگمان بھی نہ ہو سکے اور جو ہستی آخر جا کے خداوند قدوس کی ذات وصفات کے ساتھ ٹکر کھائے۔"

بہادری

حضرت علیؓ مثل اور عربوں کے بہت بہادر اور شمشیر باز تھے اور تن تنہا ان سے دشمن نے مقابلہ کیا تو اکثر اوقات آپ ہی غالب رہتے تھے۔ آپ شمشیر بازی کے فن میں اچھی مہارت رکھتے تھے اور آپ میں تنہا لڑنے کی پوری قوت تھی جس طرح رسول اللہؐ کے اور صحابہ کو شجاعت اور بے جگری کا حصہ ملا تھا مگر کثیر تعداد تو ایک طرف رہی آپ میں قلیل التعداد فوج کے کمان کرنے کی بھی صلاحیت نہ تھی اور اس وجہ سے بعض جنگوں میں جو آپکی خلافت کے زمانے میں ہوئیں آپکو کامیابی نہیں ہوئی۔"

فتحِ خیبر

"خیبر چند گڑھیوں کا نام تھا مگر ہر گڑھی علیحدہ علیحدہ نام سے پکاری جاتی تھی۔ کئی دن تک حملوں کے بعد گڑھی پر گڑھی فتح ہوتی چلی گئی، آخر ایک گڑھی رہ گئی جس کا کچومر صدیق اکبر اور عمر فاروق کے حملوں نے نکال دیا تھا۔ جب وہ بالکل ادھ موئے ہو گئے اور حضور انورؐ کو بھی یہ علم ہو گیا کہ اب آسانی سے اہلِ قلعہ اطاعت قبول کر لینگے تو آپ نے محض دلدہی کے لئے حضرت علیؓ کو بھیج دیا کیونکہ ایسے موقعوں پر حضرت علیؓ کو خواہ مخواہ ایک وجہ شکایت پیدا ہو جاتی تھی کہ مجھے کچھ بھی نہ سمجھا گیا۔ اور کسمپرسی کی حالت میں ڈال رکھا ہے حضور انورؐ کو یہ بہت بڑا اندیشہ تھا کہ کہیں علیؓ کی دل آزاری فاطمہ زہراؓ کی تکلیف دہی کا باعث نہ بن جائے اسی لئے بعض اوقات ایسی باتیں کر کے حضرت علیؓ کو خوش کر دیا کرتے تھے۔"

ہجرت:

"حضور انورؐ کو آپکے محفوظ رہنے کا پورا یقین تھا اور اسی یقین کی وجہ سے آپ نے

حضرت علیؓ سے صاف کہہ دیا تھا کہ تمہیں کسی قسم کی گزند نہیں پہنچے گی، تم آرام سے بستر پر سو رہنا اور صبح اٹھ کر جن لوگوں کی امانتیں ہیں انہیں تقسیم کر دینا۔ یہ حکم اور یہ فیصلہ اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ سننے والا اپنی جان سے پورا مطمئن ہو گیا تھا اور اسے اپنی جان کے ضائع ہونے یا اسکے خطرہ میں پڑنے کا مطلق اندیشہ نہ رہا تھا، ایسی حالت میں وہ قصائد جو انسانوں فرشتوں اور خود خداوند تعالیٰ کی زبانی شیعی احباب نے موضوع کئے ہیں اور اسے حضرت علیؓ کی ایک زبردست فدائیت اور قربانی قرار دی ہے، وہ بالکل کالعدم ہو جاتے ہیں۔

بہر حال ہماری رائے میں حضرت علیؓ تعریف کے مستحق ضرور ہیں، کیونکہ انہوں نے اپنے مہربان بھائی کے نمک کا پورا پاس کیا۔ مانا کہ حضرت علیؓ اس بات کو سمجھ چکے تھے کہ مجھے اپنی جان کا مطلق خطرہ نہیں، مگر پھر بھی ایسے نازک موقع پر حضورؐ کے حکم کی اطاعت کرنا اور پاسِ نمک کا خیال کم تعریف کے قابل نہیں۔"

ابوسفیان اور ہند سے عقیدت:

ہندہ نے مردوں کے کان اور ناکیں لیں اور ان سے اپنی خلخالیں اور ہار بنائے اور جو اپنی خلخالیں اور ہار تھے وہ نکال کر وحشی کو دے دیئے حمزہؓ کا کلیجہ چیرا اور اسے منہ سے چبایا مگر اس کو نگل نہ سکی اس لئے تھوک دیا۔ اگرچہ یہ ایک بہت ہی بری حرکت تھی مگر جب اسکے ساتھ ہی یہ بھی ذہن میں جما لیا جائے کہ ہند کا بیٹا حنظلہ حمزہؓ کے بھتیجے حضرت علیؓ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا تو اس برائی کا وزن ہلکا ہو جاتا ہے۔"

جلیس بن زبان سید الاحابیش کہیں پھر رہا تھا، اس نے ابوسفیان کو دیکھا کہ وہ حمزہؓ کے منہ پر نیزے کی نوکیں مار رہا ہے اور کہتا ہے کہ عاق بیٹے مزہ چکھ۔ جلیس نے بنی کنانہ سے کہا کہ دیکھو یہ قریش کا سید ہے اور اپنے ابن عم سے کیا کر رہا ہے۔ ابوسفیان نے کہا مجھ سے غلطی ہوئی، کسی سے کہنا نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوسفیان انتقام کے جوش میں دشمن کی لاش سے بھی اسقدر گستاخی کو ناجائز سمجھتا تھا یہ اس کی کمالِ شرافت پر دلالت کرتا ہے۔

ہم نے "کتاب شہادت" اور اسکے ناشر کی جو تحریریں پیش کی ہیں وہ اس لائق نہیں کہ ان کا کوئی باقاعدہ جواب لکھا جائے ہر جملے سے جہالت اور عداوتِ آلِ رسولؐ ٹپک رہی ہے ابو سفیان اور ہندہ جیسی دشمنِ رسولؐ و آلِ رسول کی وحشیانہ حرکات کے بیچ میں سے ان کی شرافت ڈھونڈھ نکالنا ناصبیت ہی کا کمال ہے اور عداوتِ آلِ رسول کا ثبوت بھی۔

خلیفہ بلافصل پر "بے موسم" کی پھبتی کسنے والا بیچارہ یہ سمجھا کہ اس نے علیؑ کی اچھی توہین کی اس نے تو توہین کرنا چاہی تھی لیکن ہوگئی توصیف۔

بیشک حضرت علیؑ بے موسم کے ہیں وہ موسم کے پابند نہیں۔ وہ محض چودہ سو سال قبل کی شخصیت نہیں وہ آج کی شخصیت ہیں اور مستقبل کی بھی۔ مزدور، سپاہی، عدالت کی کرسی پر بیٹھنے والا حکمران اور دانشور، چاہے ماضی کا ہو یا آج کا۔ علی اس کے آئیڈیل ہیں۔

کربلا والوں کی لوریاں تو خوش بختوں کے کانوں میں گونجتی ہیں ناصبی جیسے بدبختوں کے کانوں کے لئے تو کھوکھلی اذانیں اور بے روح نمازیں ہیں پنجتن اور کربلا والوں کی لوریوں کے طفیل ہی ہندی مسلمانوں نے دعوتِ توحید کو سمجھا۔ یہ سادات ہی تھے کہ جنھوں نے مظلومیت کے سہارے توحید کے پیغام کو عام کیا۔ یہ کوئی محمد بن قاسم یا محمود غزنوی جیسے لیڈروں یا سلاطینِ دہلی اور مغل شہنشاہوں کا کام نہیں تھا۔

حضرت علیؑ کی انسانی صفات سے تو تمام تاریخیں اور اہلِ سنت کی مذہبی کتب بھری پڑی ہیں، اگر اہلِ تشیع کا سارا لٹریچر ضائع کر دیا جائے تو وہ پھر اہلِ سنت کی کتابیں اسے مرتب کرلیں گی مشکل میں تو ابوسفیان معاویہ اور یزید کے ماننے والے مبتلا ہیں کہ سینکڑوں برس گذر گئے یہ کوشش کرتے ہوئے کہ کسی صورت سے ان تینوں کو انسانی صفات کا حامل بنادیں لیکن کامیاب نہیں ہوسکے۔ ظاہر ہے کہ سیاہ کو سفید کر دینا آسان تو نہیں۔

حضرت علیؑ علیہ السلام ہمیشہ انفرادی مقابلوں میں بھی کامیاب رہے اور بحیثیت سپہ سالار بھی۔ انفرادی مقابلوں میں عام طور سے یہی ہوتا ہے کہ دو میں سے ایک مارا جاتا ہے اس کے علاوہ ایک اور صورت بھی ہوتی ہے لیکن یہ بھی کبھی واقع ہوتی ہے کہ ایک فریق

دورانِ مقابلہ موت سے خوف زدہ ہو کر زندگی کی بھیک مانگتا ہے اور دوسرا فریق اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیتے ہوئے دشمن کو معاف کر دیتا ہے۔ نہ تو حضرت علیؓ کسی انفرادی مقابلے میں مارے گئے اور نہ ہی حضرت علیؓ کے لئے دوسری بات کا تصوّر کیا جا سکتا ہے۔ حضرت علیؓ نے اپنے دورِ خلافت میں تین جنگوں کی کمان کی۔ جمل صفین اور نہروان۔ جمل میں بی بی عائشہ کو فیصلہ کن شکست دی۔ صفین میں معاویہ نے اپنے سر پر شکست منڈلاتے دیکھی تو اپنے مکر و فریب سے قرآن نیزوں پر اٹھوا دیئے۔ اس نے بھولے بھالے مسلمانوں کی قرآن کے ساتھ عقیدت سے فائدہ اٹھایا اور یقینی شکست سے بچ گیا (تفصیل آگے آئیگی) نہروان میں خارجیوں کو ایسی بری طرح شکست ہوئی کہ صرف چند آدمی بچ سکے۔

اب ذرا اس ناصبی مرزا حیرت کی تحریر کو دوبارہ پڑھیئے اسکے ایک ایک لفظ سے بغض و حسد جھلک رہا ہے کہتا ہے کہ انفرادی مقابلوں " اکثر اوقات آپ ہی غالب رہے " جبکہ آپ ہمیشہ غالب رہے۔ اسکے علاوہ کوئی صورت ممکن ہی نہیں جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ ممتاز سنّی عالم دین شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تو جہاں حضرت علیؓ کی بات شروع کرتے ہیں تو اس طرح : امام الاشجعین اسد الغالب علیؓ ابن ابی طالب " کاش کہ یہ ناصبی کسی گمنام سے گمنام راوی کے حوالے سے کوئی ایک واقعہ بھی ایسا لکھ دیتا کہ جس میں علیؓ نے شکست کھائی ہو۔ اب اس کا ایک اور فقرہ " جس طرح رسول اللہؐ کے اور صحابہ کو شجاعت اور بے جگری کا حصہ ملا تھا " حالانکہ حضرت علیؓ کی شجاعت بے مثل تھی جیسا کہ شاہ ولی اللہ نے آپ کو امام الاشجعین یعنی بہادروں کا امام لکھا ہے اور اس کا یہ کہنا کہ آپ میں قلیل التعداد فوج کی کمان کرنے کی بھی صلاحیت نہیں تھی۔ نیز یہ کہ بعض جنگوں میں آپ کو کامیابی نہیں ہوتی تاریخ کے ساتھ مذاق کرنے کے مترادف ہے۔ اس نے ایسی خلافِ واقعہ باتیں لکھی ہیں کہ جن کے ذریعے وہ کسی کو دھوکا نہیں دے سکتا۔

کون ایسا شخص ہے جسے یہ نہیں معلوم کہ زمانۂ خلافتِ علیؓ میں صرف تین جنگیں ایسی ہیں کہ جن میں علیؓ نے بڑی فوجوں کی کمان کی اور کامیاب ہوئے اور تینوں موقعوں پر کثیر التعداد فوجوں نے شرکت کی۔

اس شخص نے خیبر کی تاریخ کو جس طرح مسخ کیا ہے وہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔ اس کے تخیل کی پرواز قابلِ داد ہے کہ اس نے ابوبکر و عمر کے فرار (خیبر سے فرار کے واقعات مستند تاریخوں میں موجود ہیں) کے واقعات کو کس خوبصورت ڈھٹائی سے نبھانے کی کوشش کی ہے پہلے تو اس نے خیبر کی اہمیت کو کم کرنے کیلئے اسے "گڑھی" کہا ہے۔ اور پھر ارشاد ہوا کہ آخر گڑھی کا کچومر تو ابوبکر و عمر نے پہلے ہی نکال دیا تھا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اگر خیبر ایک معمولی گڑھی تھی تو یہ ابوبکر اور عمر دو دن جنگ کرنے کے بعد صرف کچومر ہی نکال سکے۔ پہلے دن ایک صاحب گئے اور کچومر نکال کر واپس آ گئے، دوسرے دن دوسرے حضرت گئے اور نہ معلوم کیا نکال کر واپس آ گئے فتح کی تکمیل کوئی نہ کر سکا۔

تاریخ کے کسی متنازعہ مسئلہ پر جب بات کی جاتی ہے تو اپنے موقف کی سچائی ثابت کرنے کیلئے مستند سے مستند تاریخی حوالے پیش کئے جاتے ہیں اور یہ مسئلہ تو سرے سے متنازعہ نہیں، لہٰذا اس ناصبی کو علیؑ دشمنی نے مجبور کیا کہ وہ بغیر کسی حوالہ اور دلیل کے محض تخیل کی پرواز کے سہارے مستند تاریخی واقعات کو ایک نئی اور مضحکہ خیز شکل دے۔ لہٰذا کسی قسم کی علمی بحث کی کیا گنجائش ہے ہم صرف اتنا کہہ دینا مناسب سمجھتے ہیں کہ یہ امر تاریخی مسلمات میں سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جتنے غزوات ہوئے ان میں بنیادی کردار حضرت علیؑ نے ہی ادا کیا اور خیبر کی جنگ کا تو فیصلہ ہی علیؑ کے ہاتھوں ہوا۔ اب اگر کوئی شخص امام الاشجعین کی شجاعت کے واقعات کو توڑنے مروڑنے کی کوشش کرے تو اسے سوائے سٹریے پن کے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

فاطمہؑ بنت رسول اللہ پر ستم ڈھانے والوں کے نام صرف تاریخ ہی میں نمایاں نہیں بلکہ صحیح بخاری میں درج ہے کہ فاطمہؑ فرزند ابو قحافہ سے ناراض دنیا سے رخصت ہوئیں۔ اور وصیت کر گئیں کہ وہ اور ان کا ساتھی میرے جنازے کے قریب بھی نہ آئیں۔

ابن ابو قحافہ اور ابن خطاب کے مظالم کی پردہ پوشی نظر آئی تو مرزا جیرت نے تخیل کے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور علیؑ کو فاطمہؑ پر ظلم کرنے والا ثابت کرنے کی کوشش میں انہیں ایک گھٹیا انسان کی ذہنی سطح پر لے آیا یعنی علیؑ بھی معاذ اللہ ایسے ہی ایک عام

آدمی کہتے کہ اگر خسر صاحب نے داماد کا خیال نہ کیا تو فوراً اس کی بیٹی پر ظلم ڈھا کر بدلے لیا۔
ہجرت کے حوالے سے مرزا نے جو کچھ کہا ہے اس سے بھی سوائے بغض علیؑ کے اور کچھ ثابت نہیں ہوتا۔ یہ شخص اپنے مخصوص لب لہجہ میں کہتا ہے کہ رسول اللہؐ نے علیؑ سے کہہ دیا تھا کہ تم کو کسی قسم کا گزند نہیں پہنچے گا تم آرام سے بستر پر سو رہنا، لہٰذا علیؑ کو اپنی جان کے خطرے میں پڑنے کا مطلق اندیشہ نہ تھا، لہٰذا وہ آرام سے سو گئے۔ اس صورتحال کے پیش نظر علیؑ اس قصیدہ خوانی کے مستحق نہیں کہ جو شیعہ کرتے ہیں۔"

یعنی اگر علیؑ یہ سمجھتے ہوئے کہ انکی جان کو خطرہ ہے اور اپنی جان خطرے میں ڈال کر بستر نبیؐ پر سو جاتے تب قصیدہ خوانی کی بات تھی۔ حالانکہ یہ ناصبی جس یقین کا تذکرہ کرتے ہوئے قصیدہ خوانی کا مذاق اڑا رہا ہے وہی یقین تو قابل صد تعریف ہے کہ گھر کے چاروں طرف تلواریں کھنچی ہوئی ہیں اور جس کیلئے کھنچی ہیں وہ بستر پر چھوڑ جاتا ہے اور آنکھ لگی اس کا بھائی تلواروں کی چھاؤں میں گہری نیند سو جاتا ہے۔ ــــــ اور یہ نیند صرف پیغمبر کی ذات پر یقین کی وجہ سے آئی ـــ

مرزا حیرت نے ہجرت کے موقع پر بستر رسولؐ پر سونے کے حوالے سے جس حق نمک کی بات کی وہ اس ناصبی کے خبث کی ایک اور دلیل ہے اس نے یہ بات کچھ اس انداز سے کی کہ جیسے کسی غلام کے سلسلہ میں کی جاتی ہے کہ اس پر آقا کا حق نمک ہوتا ہے۔ جبکہ رسول اللہ نے اپنے چچازاد بھائی علی ابن ابیطالب علیہ السلام کو اسی طرح پالا تھا کہ جس طرح علیؑ کے والد محترم نے رسول اللہ صلعم کی پرورش کی تھی۔ اگر اس ناصبی کے نزدیک علیؑ کی تعریف صرف یہی تھی کہ انھوں نے پاس نمک کا خیال رکھا۔ تو یہی ہی کم از کم علیؑ نے یہ خیال تو رکھا، لیکن اس ناصبی کی آئیڈیل شخصیتوں نے رسول اللہؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی نمک حرامی کی انتہا کر دی۔ وہ شخص کہ جس کا باپ عبداللہ ابن جدون کے دسترخوان کی مکھیاں اڑاتا تو اسے روٹی نصیب ہوتی اور اس کا ساتھی کہ جو بچپن میں ایک مٹھی کشمش کے عوض اپنی خالاؤں کا پانی بھرا کرتا اور بڑا ہوا تو دلالی کرنے لگا۔ ان دونوں نے رسولؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی رسولؐ کی بیٹی اور ان کے بھائی کے ساتھ جو سلوک کیا اس سے تاریخ کے اوراق سیاہ ہیں۔ یہ علیؑ ہی

کی تلوار تھی کہ جس نے بھوکے مسلمانوں کو خیبر فتح کرکے دیا تو انہیں پیٹ بھر کھانا نصیب ہونے لگا۔ ورنہ فتح خیبر سے قبل پیٹ پر پتھر بندھے نظر آتے تھے۔ وہ حکومت جس پر ابوبکر اور عمر نے زبردستی قبضہ کیا تھا، علیؑ ہی کے زورِ بازو کا نتیجہ تھی اور ان کے بھائی کی حکومت تھی کہ جس پر عرب کے یہ نچلے خاندان کے افراد بادشاہ بن بیٹھے، اس نمک حرامی کا سلسلہ آج تک جاری ہے اور آج ان کی سپاہ نمک حرامی کا ثبوت دیتے ہوئے سادات کو کافر قرار دے رہی ہے حالانکہ انہی سادات کے آباؤ اجداد کے فیض سے برصغیر کے وہ شودر مسلمان ہوئے تھے کہ جن کی اولاد سپاہ صحابہ کا ٹھٹھے کھلا ہوئی ہے۔

مرزا حیرت دہلوی اور نواصب پاکستان

مرزا حیرت دہلوی برصغیر ہندو پاک کے ناصبیوں کا مرجع ہے مولوی عبدالحق (بابائے اردو) نے مرزا کے ذخیرۂ خرافات کو ہندوستان سے لاکر یہاں ناصبیت کا بیج بو دیا کہ یہ اسکے ناصبی ہونے کی روشن دلیل ہے۔ بابائے اردو کے بارے میں یہ بات کوئی ڈھکی چھپی نہیں ہے، کہ وہ لا مذہب آدمی تھا ''لا مذہبیت اور بات ہے'' آلِ رسولؐ سے بغض و حسد اور بات ہے علامہ نیاز فتحپوری جیسے صاحب علم و ادب کہ جو بابائے اردو سے زیادہ کھلے ہوئے لا مذہب تھے انہوں نے ہمیشہ صحیح تاریخ میں دلچسپی لی، باوجود اسکے کہ ان کا رسمی تعلق سنی فرقہ سے تھا انہوں نے ہمیشہ بنو ہاشم کی عظمت کو تسلیم کیا علیؑ اور حسینؑ ابن علی کا تذکرہ کیا تو ان کے برحق ہونے کا اعتراف کیا۔ ''خلافت معاویہ و یزید'' پر ان کا تبصرہ جو کہ ایک کتابچے کی صورت میں شائع ہوا ہے پڑھنے کے قابل ہے۔

ناظم آباد کراچی میں قائم ایک اشاعتی ادارے ''مکتبہ جامد الحق'' نے پاکستان میں ناصبیت کو فروغ دینے کا بیڑہ اٹھایا اور کھل کر اپنی ناصبیت کا اعتراف کیا ہم اس کی اخلاقی جرات کی داد دیتے ہیں کہ وہ اپنی ہر کتاب پر باقاعدہ سلسلۂ ناصبیہ کے نشانات ڈالتا تھا۔ چنانچہ مرزا حیرت دہلوی کی کتاب ''شہادت'' پر فخریہ انداز سے یہ تحریر ہے ''سلسلۂ مطبوعاتِ ناصبیہ نمبر ۱ ''

یہ ادارہ عزیز احمد صدیقی ناصبی کی کتابیں شائع کرتا رہا ہے، اس ناصبی نے اہلبیت اور مذہب اہلبیت کے ماننے والوں کے خلاف انتہائی بے ہودہ کتابیں لکھی ہیں۔ نام یہ ہیں سبائی سبز باغ، ارمغان عجم، رام راج، حیات سیدہ سکینہ وغیرہ ۔ ان کتابوں میں اہلبیت کی جو توہین کی گئی اسے دہرانا ہمارے لئے ممکن نہیں ۔ بس یوں سمجھ لیجئے کہ ان کا اسلوب "کتاب شہادت" جیسا ہے کہ جس کی جھلکیاں ہم دکھا چکے ہیں یہ کتابیں برسوں لکھی جاتی رہیں مگر کسی سنی کے کان پر جوں نہ رینگی ۔ پھر ایک صاحب کراچی میں پیدا ہو گئے "نذیر احمد شاکر" انہوں نے ۱۳۸۲ھ میں "شمائل علیؑ" لکھی ۔ اس میں بھی حضرت علیؑ کی توہین کے لئے حیرت دہلوی کی باتیں دوہرائی گئیں اور کچھ نئی باتیں بھی ہیں لیکن انداز مرزا حیرت جیسا ہے ۔ یہ تمام ناصبی اب دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں، کچھ ناصبی پنجاب میں بھی ہیں کہ جو اہلبیتؑ دشمنی پر مبنی پمفلٹ اور کتابچے شائع کرتے رہتے ہیں، انہی میں سے ایک صاحب ہیں کہ جنھوں نے اپنی کنیت ابو یزید رکھی ہے اور "ابو یزیدیٹ" کے نام سے پہچانے جاتے ہیں ۔

مقررین میں سے جس ناصبی نے نام پیدا کیا وہ شاہ بلیغ الدین ہیں ہم نے ان کی بہت سی تقریریں سنی ہیں ایسا لگتا تھا کہ انہوں نے صرف مرزا حیرت دہلوی او محمود احمد عباسی کو پڑھا ہے جو کچھ کہتے ہیں اسی کے چیلنے ہوئے نوالے ہیں ۔ لوگوں کو یہ باتیں نئی لگیں ۔ لہذا انھوں نے بہت شہرت حاصل کی ۔ یہاں تک کہ قومی اسمبلی کے ممبر بن گئے ـــ اور پھر خاموش ہو گئے۔

ابھی تک تو اُن ناصبیوں کا تذکرہ تھا کہ جو اہلبیتؑ اور خاص طور سے حضرت علیؑ کی توہین کو بہت بڑا کارنامہ سمجھتے تھے ۔۔۔ انھیں ہم صفِ اول کے ناصبی کہہ سکتے ہیں ۔۔۔ دوسرے درجے کے ناصبی وہ ہیں کہ جو علیؑ اور ان کی اولاد کو براہِ راست بُرا نہیں کہتے ۔ لیکن ان کے کھلے دشمنوں کی تعریف میں غلو کرتے ہیں ۔۔۔ یہ اُن لوگوں کی بھی حمایت کرتے ہیں کہ جنھیں جمہور مسلمان اچھا نہیں سمجھتے ۔ اس گروہ میں ڈاکٹر اسرار احمد سب سے آگے بڑھے ہوئے ہیں ۔ یہ صرف یزید کی حمایت نہیں کرتے بلکہ کربلا کی یزیدی فوج کے سپہ سالار عمر بن سعد اور شمر بن ذوالجوشن کو بھی بُرا کہو تو بُرا مانتے ہیں ۔ خاصے بُرا سرار ہیں ۔ ایک اور صاحب حکیم محمود احمد ظفر ہیں کہ جنھوں نے معاویہ کی حمایت میں ضخیم جلدیں لکھی ہیں ۔۔۔ ان کے علاوہ جس

شریعت کورٹ) تقی عثمانی صاحب ہیں کہ جنھوں نے مولانا مودودی کی کتاب " خلافت و ملوکیت
کے جواب میں معاویہ کا بھرپور دفع کیا ہے' انہوں نے معاویہ کے ہر جرم کی صفائی پیش کی ہے
اور یہی انکی ناصبیت کی دلیل ہے۔

علیؑ اور ان کی اولاد کی براہِ راست توہین کرنے والے تو مرکھپ گئے' کچھ باقی ہیں تو وہ بے وقعت لوگ ہیں' آج کل ہمارا سابقہ ان دوسرے درجے کے ناصبیوں سے ہے۔

ناصبیت کوئی باقاعدہ الگ فرقہ نہیں ہے یہ عجیب غریب سوچ کا نام ہے۔ اس قسم کے لوگ عام طور سے دیوبندی مسلک اور فرقہ اہلحدیث (وہابی) میں پائے جاتے ہیں ـــ ہر دیوبندی اور اہلحدیث ناصبی نہیں ہوتا جماعت اسلامی میں اکثریت دیوبندی اور اہلحدیث مسلک کے پیروکاروں کی ہے لیکن جماعتِ اسلامی کے مجموعی کردار سے ناصبیت ظاہر ظاہر نہیں ہوتی' اس جماعت کے بانی و امیر جناب مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے تو خلافت و ملوکیت تحریر کر کے تمام اہلسنت کو پریشان کر دیا۔ قاری محمد طیب جیسے دیوبندی عالم نے ممتاز ناصبی محمود احمد عباسی کی کتاب " خلافت معاویہ و یزید" کا ایسا جواب لکھا کہ لوگ حیران ہوئے کہ صفِ اوّل کے ایک دیوبندی عالم نے حمایتِ حسینؑ میں یوں قلم اٹھایا۔

ناصبیت سے اہلِ تشیع کو کوئی نقصان نہیں ہے ـــ نہ فکری سطح پر نہ عملی سطح پر۔ اگر نقصان ہے تو عوام اہلسنت کا کیونکہ یہ علیؑ اور آلِ علیؑ سے گہری عقیدت نہیں رکھتے۔ اور نہ ہی تاریخ کا علم رکھتے ہیں' ایسے لوگ اگر ناصبیوں کی کتابیں پڑھ لیں تو آسانی سے انکے بارے میں سوءِ ظن کا شکار ہو سکتے ہیں۔

ناصبیت کے اس تفصیلی تعارف کے بعد سنی حضرات سے ہماری گذارش ہے کہ وہ معاویہ کو زندہ کرنے کی ناصبیوں کی مہم میں شریک نہ ہوں۔ بلکہ انہیں حد سے بڑھنے سے روکیں اگر معاویہ جیسے شخص کو اسلام کا نمائندہ بنا کر پیش کیا گیا تو یہ اسلام اور انسانیت کے ساتھ ظلم عظیم ہوگا۔

ہم نے اس کتاب میں معاویہ کی زندگی کے صحیح خدوخال پیش کرنے کی کوشش کی ہے یہاں آپ کو معاویہ بن ابوسفیان ایک ایسے شخص کی صورت میں نظر آئے گا جو حصولِ اقتدار

کے لئے مکر و فریب کی راہ سے گذرتا ہے اور پھر اقتدار حاصل کر لینے کے بعد اسلامی لبادے میں ایک ایسا بادشاہ نظر آئے گا جو اسلامی تعلیمات اور تمام اخلاقی اصولوں کو نظر انداز کر کے بادشاہت کو اپنے اور اپنی اولاد کے لئے مستحکم کرتا ہے۔ چنانچہ اسکی مدح سرائی کا کوئی جواز نظر نہیں آئے گا اور ان کا مشہور زمانہ حلم و تدبر اور سخی جود بھی محض مکاری و عیاری معلوم ہوگا کہ وہ اسلامی و اخلاقی محور سے ہٹ کر تھا۔

علی اکبر شاہ

۱۰ر جنوری ۱۹۹۳ء

خاندانِ بنو امیہ

اس کے خاندان کا سلسلہ امیہ بن عبدالشمس بن عبد مناف سے چلا ہے، یہ اپنے چچا ہاشم بن عبد مناف کا ہمعصر تھا۔

اس خاندان کی دو شاخیں بہت مشہور ہوئیں۔ ایک کا سلسلہ امیہ کے بیٹے حرب سے چلا جس میں ابوسفیان بن حرب، معاویہ بن ابوسفیان۔ یزید بن معاویہ اور معاویہ بن یزید مشہور ہوئے۔ دوسری کا سلسلہ امیہ کے ایک اور بیٹے ابوالعاص سے چلا جس میں عفان بن ابوالعاص، عثمان بن عفان (خلیفہ سوم) تھے ابوالعاص کے دوسرے بیٹے حکم بن ابوالعاص سے یہ سلسلہ چلا۔ مروان بن حکم، عبدالملک بن مروان، ولید بن عبدالملک۔ سلمان بن عبدالملک، یزید بن عبدالملک، ہشام بن عبدالملک، عبدالعزیز بن مروان اور عمر بن عبدالعزیز۔

بیان کیا گیا ہے کہ ہاشم اور عبدالشمس جڑواں پیدا ہوئے تھے جو پہلے پیدا ہوا تھا، اسکی ایک انگلی دوسرے کی پیشانی سے چمٹی ہوئی تھی اس لئے کاٹ کر دونوں کو علیحدہ کیا گیا اس قطع سے خون بہا، اس پر یہ شگون لیا گیا کہ ان کے درمیان خونریزی ہوگی۔ اپنے باپ عبد مناف کے بعد ہاشم، کعبہ کے متولی ہوئے اور حاجیوں کیلئے پانی اور قیام کا انتظام ان سے متعلق ہوا۔

جب ہاشم نے اپنی قوم کی دعوت کی تو اس پر امیہ بن عبدالشمس بن عبد مناف کے دل میں ان کی طرف سے حسد پیدا ہوا۔ یہ بھی دولت مند تھا، اس نے بڑے اہتمام سے اگرچہ اپنی قوم کی ویسی ہی دعوت کی مگر وہ بات نہ ہو سکی جو ہاشم سے بن آئی، قریش کے بعض لوگوں نے

اس کا مضحکہ اڑایا۔ وہ سخت برہم ہوا۔ اور ہاشم کا دشمن ہوگیا۔ اور مطالبہ کیا کہ اسکے متعلق پنچایت سے فیصلہ لیا جائے، ہاشم نے اپنی بزرگی اور عزت کی وجہ سے اس بات کو بُرا سمجھا مگر قریش نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا اور انہیں جوش دلاکر اس بات پر آمادہ کرلیا۔ ہاشم نے کہا میں اس شرط پر اس معاملے کو پنچایت کے سپرد کرتا ہوں کہ تم کو سیاہ گردن کی پچاس اونٹنیاں مکہ کی تلہٹی میں ذبح کرنا پڑیں گی اور دس سال کے لئے مکہ سے سکونت ترک کرنا پڑے گی۔ امیہ نے یہ شرط مان لی۔ اور اب دونوں نے کاہن الخزاعی کو اپنے درمیان حکم بنایا۔ اس نے ہاشم کے حق میں فیصلہ دیا۔ ہاشم نے امیہ سے اونٹنیاں لے کر ان کو ذبح کیا اور حاضرین کی اس سے دعوت کی۔ امیہ شام چلا گیا۔ ہاشم اور امیہ میں عداوت کا یہ پہلا واقعہ تھا۔

یہ بھی واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ عبدالمطلب بن ہاشم اور حرب بن امیہ نے اپنے تعلقات کے لئے نجاشی الحبش سے کہا، مگر اس نے دخل دینے سے انکار کردیا۔ تب ان دونوں نے نفیل بن عزیٰ کو پنچ بنایا۔ اس نے حرب سے کہا۔ "اے ابوعمرو تم اس شخص سے تنافر اور تنازعہ کرتے ہو جو تم سے قد میں بڑا ہے، اس کا سر تم سے بڑا ہے۔ تم سے زیادہ وجیہہ ہے۔ تم سے کم بُرا ہے جس کی اولاد تم سے زیادہ ہے جو تم سے زیادہ سخی ہے اور زیادہ طاقتور ہے" یہ کہہ کر اس نے عبدالمطلب کے حق میں فیصلہ کردیا۔ حرب نے کہا یہ بھی شومئی قسمت ہے کہ ہم نے تجھے حکم بنایا۔

(تاریخ طبری جلد اول سیرت النبیؐ)

عبدالمطلب کے بعد ان کے فرزند حضرت ابوطالب ان کے جانشین ہوئے عبدالمطلب نے اپنی سب سے وزنی امانت یعنی اپنے پوتے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حضرت ابوطالب کے سپرد کیا۔ ادھر حرب کا وارث ابوسفیان ہوا۔ حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت کے بعد ابوسفیان نے ان کی کھلی مخالفت شروع کردی۔ جناب ابوطالب نے اپنے بھتیجے کی حمایت سے دستبردار ہونے سے انکار کردیا تو یہ شخص ان کی دشمنی میں اور شدید ہوگیا۔ پھر نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ جناب ابوطالب کو اپنے کنبہ کے ساتھ ایک گھاٹی "شعب ابی طالب" میں پناہ گزیں ہونا پڑا۔ جناب ابوطالب کے انتقال کے بعد رسول اللہؐ کے

ساتھ اس کی دشمنی انتہا کو پہنچ گئی ۔ یہاں تک کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش تیار کی اور آنحضرت اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ ہجرت کے بعد بھی اس نے پیچھا نہ چھوڑا۔ اور مسلسل برسر پیکار رہا۔ فتح مکہ کے بعد بچنے کی کوئی صورت نظر نہیں آئی تو اسلام قبول کر لیا۔ ظاہری اسلام کے بعد بھی بنو ہاشم سے دشمنی جاری رہی ۔ ابوسفیان کا بیٹا معاویہ جناب ابو طالب کے فرزند علی علیہ السلام اور ان کے فرزند امام حسنؑ کے ساتھ دشمنی پر کمر بستہ رہا ۔ بالآخر امام حسنؑ کو زہر دلوا کر شہید کیا اور پھر معاویہ کے بیٹے یزید نے حضرت علیؑ کے چھوٹے فرزند حضرت امام حسینؑ اور اٹھارہ جوانان بنو ہاشم کو کربلا میں شہید کر دیا۔ بنی امیّہ کی یہ دشمنی کا سلسلہ پھر بھی ختم نہیں ہوا، خلفائے بنو امیّہ اپنے دورِ حکومت کے خاتمے تک اولاد علیؑ اور ان کے شیعوں پر ظلم ڈھاتے رہے اور آج بھی بنو امیّہ کی معنوی اولادیں اسی کام میں لگی ہوئی ہیں ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بخوبی آگاہ تھے کہ اسلام قبول کر لینے کے باوجود بنو امیّہ کی دشمنی ختم نہیں ہوئی ہے" آپ اس خاندان کی شیطنت کو بھی اچھی طرح جانتے تھے آپ کو اچھی طرح سے اندازہ تھا کہ مستقبل میں یہ خاندان آپکی اولاد کے لئے خطرہ بنا رہے گا ۔ چنانچہ ایک مرتبہ بحالت خواب آپ نے دیکھا کہ بنو امیّہ بندروں کی طرح آپ کے منبر پر اچھل رہے ہیں ۔ اس سلسلہ میں قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی ۔

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ فِي الْقُرْآنِ وَنُخَوِّفُهُمْ فَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا طُغْيَانًا كَبِيرًا ۝

(سورۂ بنی اسرائیل آیت ۔ ۶۰)

ترجمہ :۔ اور یہ جو کچھ ابھی ہم نے تمہیں دکھایا اس کو اور اس درخت کو جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے ۔ ہم نے ان لوگوں کے لئے بس ایک فتنہ بنا کر رکھ دیا ہے ہم انہیں تنبیہ پر تنبیہ کئے جا رہے ہیں مگر ہر تنبیہ ان کی سرکشی ہی میں اضافہ کئے جاتی ہے ۔

تفسیر کبیر، تفسیر درمنثور، اور تفسیر ابن جریر طبری کے مطابق شجرِ ملعونہ سے مراد خاندان بنو امیہ ہے۔

تاریخ الخلفاء سیوطی میں ہے کہ ابن جریر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ رسول کریمؐ نے خواب میں بنی حکم بن عاص کو بر سرِ منبر بندروں کی طرح اچھلتے کودتے دیکھا۔ یہ امر آپ کو ناگوار گذرا چنانچہ اس کے بعد رحلت تک آپ کو کسی نے ہنستے ہوئے نہیں دیکھا اور اس موقع پر آیت نازل ہوئی (جو خواب ہم نے آپ کو دکھایا.....) اس حدیث کی اسناد اگرچہ ضعیف ہیں لیکن اسکے شواہد میں عبداللہ ابن عمرؓ یعلی بن مرہ اور حسینؑ بن علیؑ وغیرہ کی احادیث موجود ہیں اور جلال الدین سیوطی نے بھی اس حدیث کو مختلف طریقوں سے کتاب التفسیر میں تحریر کیا ہے اور کتاب اسباب نزول میں بھی اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

(اردو ترجمہ تاریخ الخلفاء از علامہ جلال الدین سیوطی)

حضرت معاویہ کے والد محترم

معاویہ کے والدِ محترم ابوسفیان تھے۔ کیونکہ آپ کی ولادت انہیں کے بستر پر ہوئی تھی لیکن آپ کا نسب خاصا مشکوک ہے۔

معاویہ کے متعلق مشہور تھا کہ وہ قریش کے ان چار افراد میں سے کسی کا نطفہ ہے؟

۱۔ عمارہ بن ولید بن مغیرہ مخزومی (۲) مسافر ابن ابی عمرو (۳) ابو سفیان۔

۴۔ عباس بن عبد المطلب۔ یہ لوگ ابوسفیان کے ندیم تھے۔ مسافر بن ابی عمرو کے متعلق کلبی کا بیان ہے کہ عام لوگوں کا نظریہ یہ ہے کہ معاویہ اسی کے نطفہ سے پیدا ہوا۔ کیونکہ اسے ہند سے بڑی محبت تھی۔

ایک مرتبہ اسحاق بن عبید اور یزید بن معاویہ کے درمیان تلخ کلامی ہوئی اور ایک نے دوسرے کی ماں کو متہم کیا، اسحاق نے معاویہ کی ماں کے عباس بن عبد المطلب کے ساتھ تعلق کی طرف اشارہ کیا جسے یزید نہیں سمجھا، جب اسحٰق اٹھ کر چلا گیا تو معاویہ نے یزید سے کہا کہ تو کس طرح لوگوں سے گالم گلوچ کی بات کرتا ہے تجھے نہیں معلوم کہ وہ کیا کہہ گیا، تجھے نہیں معلوم کہ بعض قریش کا زمانہ جاہلیت میں یہ گمان تھا کہ میں عباس سے ہوں۔

(تذکرۃ الخواص الامۃ ص ۲۵۲-۲۵۳ مکتبہ نینوا لاہور سن اشاعت ۱۹۶۵ء)

معاویہ کے مشکوک النسب ہونے کو ان باتوں سے بھی تقویت ملتی ہے کہ ہندہ ایک معروف زانیہ تھی۔ ہشام بن محمد کلبی نے کتاب مثالب میں ذکر کیا ہے کہ ہندہ بڑی شہوانی عورت تھی'' (تذکرۃ الخواص ص ۲۵۳) اور ابو سفیان میں کوئی مردانہ وجاہت نہ تھی۔ ''یہ چھوٹے قد کے آدمی تھے'' (اسد الغابہ) اور دل کے بھی چھوٹے تھے، بیوی کو ہاتھ روک کے دیتے تھے۔ ان چھوٹے قد کے کنجوس سردار پہ ایک اور ظلم یہ ہوا کہ انکی ایک آنکھ طائف کی جنگ میں ضائع ہوگئی۔ اور وہ کانے ہوگئے۔ جنگ یرموک میں دوسری آنکھ بھی ضائع ہوگئی۔ اور وہ اندھے ہوگئے۔

ابوسفیان رسول اللہ کی ایذا رسانی میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ یہ وہی شخص ہیں کہ جنہوں نے جنگ بدر کا انتقام لینے کے لئے قریش میں انتقام کی ایسی آگ بھڑکائی کہ ایک سال کی مدت میں تین ہزار کا لشکر اسلام کو نیست و نابود کرنے کے لئے تیار ہوگیا۔

ابوسفیان مشرکوں کو گریہ و زاری سے منع کرتے اور کہتے ''جب تم ان (مقتولین بدر) پہ نوحہ کروگے تو تمہارا غم زائل ہوجائے گا، انتقام کی آگ ٹھنڈی ہو جائے گی، محمد اور ان کے اصحاب کی دشمنی سے رک جاؤگے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ جب تک میں محمد سے جنگ نہ کرلوں سر میں تیل نہ ڈالوں گا۔ اور نہ ہی عورت کے پاس جاؤں گا۔

ابوسفیان بدر میں شکست کھانے کے ایک سال بعد ۳ھ میں تمام قبیلوں کو احد میں لے آئے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید جنگ کی۔ اسی جنگ میں آنحضرتؐ کے چچا حضرت حمزہؓ شہید ہوتے۔ اور مسلمانوں کو ہزیمت اٹھانا پڑی۔ اس جنگ کے بعد بھی ابوسفیان کی آتش انتقام سرد نہیں ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ و سلامت تھے۔ اسلام پھل پھول رہا تھا تو وہ کیسے چین سے بیٹھ سکتے تھے۔ چنانچہ ایک اور جنگ کی تیاری شروع کردی اس جنگ میں ابوسفیان نے قریش مکہ کے علاوہ باہر کے مشرک قبائل کو بھی اکٹھا کرلیا، اور دس ہزار کا لشکر لے کر مدینہ پر چڑھائی شروع کردی۔ غرض کہ آغاز اسلام سے لے کر اس وقت تک جب تک وہ بالکل مجبور نہ ہوگئے۔ اسلام دشمنی پر کمربستہ رہے۔ جب کوئی راہ فرار نظر نہ آئی تو فتح مکہ کے موقع پر جناب عباس بن عبدالمطلب کے ساتھ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور بادل ناخواستہ

اسلام قبول کرلیا۔

اسلام قبول کر لینے کے بعد بھی ابوسفیان کے قول و فعل سے اسلام دشمنی کا اظہار ہوتا فتح مکہ کے فوراً بعد رسول اللہ کو حنین میں جنگ لڑنا پڑی۔ وہاں بھی مسلمانوں نے حسب عادت جب راہ فرار اختیار کی تو ابوسفیان کی زبان پہ بے اختیار یہ کلمات جاری ہو گئے" اب تو یہ مسلمان سمندر تک بھاگ کر جائیں گے" (طبری ج ۱۰ جنگ حنین) جنگ یرموک کے موقع پر ابوسفیان کا یہ حال تھا کہ رومیوں کا غلبہ دیکھتے تو کہتے کہ شاباش! روم کے بہادرو ــ اور جب مسلمانوں کا غلبہ دیکھتے تو کہتے روم کے بادشاہوں کا نام مٹتا ہوا نظر آتا ہے عبداللہ نے اس بات کا ذکر اپنے باپ زبیر سے کیا تو انہوں نے کہا، خدا اس کا برا کرے یہ نفاق سے باز نہ آئے گا۔ (الاستیعاب)

حضرت ابوبکر نے اپنے پرانے رفیق جناب عمر فاروق کی مدد سے دھونس اور دھاندلی کے ذریعے خلافت پر قبضہ کر لیا تو ابوسفیان کی عصبیت جاگ اٹھی اور وہ حضرت علیؑ کے پاس آئے اور کہا

"قریش کے سب سے چھوٹے قبیلے کا آدمی کیسے خلیفہ بن گیا۔ تم تیار ہو تو میں وادی کو سواروں اور پیادوں سے بھر دوں۔ حضرت علیؑ نے اسے ڈانٹ کر کہا کہ تو ہمیشہ اسلام اور اہل اسلام کا دشمن رہا ہے۔ ہمیں تیری نصیحت کی ضرورت نہیں۔

(طبری جلد اول۔ سیرت الحلبیؒ)

اور جب حضرت عثمان خلیفہ بنے تو ابوسفیان اُن کے پاس آئے اور کہا یہ خلافت ابوبکر و عمر کے بعد آپ کو ملی ہے اسے گیند کی طرح اچھال لو اور اس کی میخیں بنی امیہ کو بناؤ۔ یہ خلافت نہیں بادشاہی ہے، میں نہیں جانتا کہ جنت و دوزخ بھی کچھ ہے۔

(ابن عساکر ج ۶۔ ذکر صخرہ بن حرب)

ابوسفیان کی اسلام اور بانیٔ اسلام کے ساتھ کھلی دشمنی اور ایذا رسانی کا مسلسل عمل کہ جو آغاز اسلام سے لیکر فتح مکہ تک جاری رہا اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ لیکن نواصب نے ابوسفیان کی بھی تعریف کا کام سنبھالا ہوا ہے یہ بد باطن لوگ ابوسفیان کے قبولِ اسلام کا سہارا لیکر اسکے ماضی کو یکسر فراموش کر دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ وہ ایام جاہلیت میں بھی بڑے محترم سردار تھے اور اسلام لانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انکا

بہت احترام کیا، انہیں اور دیگر بنی امیہ کو عہدے دیئے اور کچھ فرائض سونپے۔

یہ لوگ ان باتوں کا تذکرہ کچھ اسطرح کرتے ہیں کہ گویا یہ بڑی شان بڑھانے والی باتیں ہیں۔ حالانکہ البیان تھا۔ رسول اللہ صلعم کا تو مزاج ہی یہ تھا کہ آپ نو مسلموں کی تالیف قلوب فرماتے مشہور روایت ہے کہ جب فتح مکہ کے نو مسلموں کو رسول اللہ صلعم نے قدیم مسلمانوں کے مقابلہ میں مال غنیمت میں سے زیادہ حصہ دیا تو ایک انصاری نوجوان ناراض ہو گیا۔ مدینہ کے قرب و جوار کے بعض سرکشوں کی تالیف قلوب کے لئے باقاعدہ حصہ بندھا ہوا تھا، چنانچہ جب حضرت عمر کا دور آیا تو آپ نے یہ کہہ کر اسے بند کر دیا کہ اب اسلام کو اتنی قوت حاصل ہو چکی ہے کہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ قریش میں بنو امیہ کو بنو ہاشم کے بعد سب سے زیادہ باعزت سمجھا جاتا تھا اور ابو سفیان اس خاندان کا سردار تھا، چنانچہ اس نے اسلام قبول کر لیا تو یہ رسول اللہ صلعم کا حسنِ اخلاق تھا کہ انہوں نے فتح مکہ کے موقع پر اس کی معاشرتی حیثیت کو برقرار رکھتے ہوئے اعلان فرمایا کہ جو شخص ابو سفیان کے گھر میں پناہ لے گا اسے امان دی جائے گی۔ ناصبی رسول اللہ صلعم کے اس حسن اخلاق میں ابو سفیان کے ایمان کو تلاش کرتے ہیں، یعنی ان کے خیال میں رسول اللہ کا یہ سلوک اس وجہ سے تھا کہ ابو سفیان سچے مسلمان ہو گئے تھے۔ ناصبی اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ کسی صورت سے یہ ثابت کر دیا جائے کہ ابو سفیان صدق دل سے اسلام لائے تھے اور ساری زندگی ایک سچے اور مخلص مسلمان کی طرح گذاری، لہذا وہ ابو سفیان کو وقتاً فوقتاً دی جانے والی چھوٹی چھوٹی ذمہ داریوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔ حالانکہ ان میں سے کوئی ایسی ذمہ داری نہیں کہ جس سے ان کی ایمانی فضیلت ثابت ہو سکے بعض ذمہ داریاں تو اتنی بے وقعت ہیں کہ ان کا تذکرہ بھی نہ ہونا چاہیئے تھا۔

کہتے ہیں کہ قبیلہ بنو ثقیف نے اسلام لانے کے بعد یہ خواہش ظاہر کی کہ ان میں جو بت ہے اسے نہ گرایا جائے۔ لیکن رسول اللہ صلعم نے اسے توڑنے کا ارادہ کیا اور اس کام کے لئے ابو سفیان اور مغیرہ کا انتخاب کیا۔ دوسری قابل ذکر ذمہ داری یہ بتائی جاتی ہے کہ رسول اللہ

نے ابوسفیان کو نجران کا والی بنایا تھا لیکن طبری کے مطابق ابوسفیان کی ولایت صرف صدقات وصول کرنے تک تھی۔ جب کہ عمرو بن حزم نماز کے لئے امام مقرر کئے گئے تھے۔

یہ دونوں روایتیں ابوسفیان کے ایمان کو ثابت کرنے میں کارآمد ثابت نہیں ہوسکتیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اچھی طرح سمجھتے تھے کہ ابوسفیان جیسے باطنی مشرک کے دل سے بتوں کی عظمت زائل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ خود اسکے ہاتھ سے بت توڑوائے جائیں۔ لہٰذا بت شکنی کا یہ واقعہ ابوسفیان کے صاحبِ ایمان ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔

دوسری روایت کے مطابق ابوسفیان کو ولایت نجران دینے کے باوجود امامت نماز سے دُور رکھا گیا۔ حالانکہ عام قاعدے کے مطابق امامت کے فرائض بھی والی انجام دیتا تھا چنانچہ یہ روایت بھی ابوسفیان کا ساتھ نہیں دے سکتی۔

ابوسفیان کی تعریف اسلام کے حوالے سے تو ممکن ہی نہیں ہے۔ لیکن بچارے ناصبیوں کی یہ مجبوری ہے کہ وہ معاویہ کے باپ ہیں۔ اور معاویہ علیؑ کے دشمن۔ لہٰذا وہ ابوسفیان کی مدح سرائی کی کوشش کرتے نظر آتے ہیں۔ ابوسفیان کہ جس کی آدھی سے زیادہ زندگی بُتوں کے آگے سجدہ کرتے گذری۔ اسلام اور بانیٔ اسلام کی دشمنی جس کا طرۂ امتیاز رہا۔ جو آغاز ہی سے اسلام کو ختم کرنے کی سرتوڑ کوششیں کرتا رہا۔ اور پھر جب مقابلہ کی سکت ہی نہ رہی، موت اور بربادی صاف نظر آنے لگی تو مجبوراً کلمہ پڑھا اور رسول اللہ کی اطاعت قبول کرلی۔ کیا ان حالات میں اسلام قبول کرنے والے ابوسفیان کے اسلام کو تحسین و آفرین کی نظر سے دیکھا جاسکتا ہے اور یہ سوچا جاسکتا ہے کہ اسکے دل سے رسول اللہؐ اور ان کے بھائی علی ابن ابی طالبؑ جنکی تلوار نے بڑے بڑے عزت دار امویوں کے سر کاٹ کر رسول اللہ کے قدموں میں پھینک دیئے تھے) کا بغض و کینہ دُور ہوگیا ہوگا

اب ذرا اس ابوسفیان کے لئے ایک ناصبی مولانا محمد نافع کی عقیدت ملاحظہ ہو۔

"بہارِ نبوت کے جو پھول آخر میں کھلے ان میں حضرت ابوسفیانؓ کی شخصیت بہت نمایاں اور ممتاز ہے۔"

"مالک کریم نے اگر آپ کو صحیح فہم بخشا ہے اور صحابہ کرامؓ کیلئے دل میں دریغ نہیں

ہے تو حضرت سفیانؓ کی دیانت، امانت، اخلاص اور کمالِ ایمان روزِ روشن کی طرح نظر آئے گا۔"

حضرت معاویہ کی والدہ محترمہ

ھندہ بنتِ عتبہ معاویہ بن ابوسفیان کی والدہ محترمہ تھیں، مسلمان انکے نام سے اچھی طرح سے واقف ہیں کہ انہوں نے احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ کا کلیجہ چبایا۔ اور بعض اعضائے جسمانی قطع کرکے ان کا ہار بنا کر پہنا۔

ہندہ بنت عتبہ بھی اپنے شوہر ابوسفیان کی طرح بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ اسلام اور بانیٔ اسلام کی دشمن تھی۔ یہ دشمنی آغازِ اسلام سے تھی۔ اور اس کا آخری اور بھرپور مظاہرہ اسوقت دیکھنے میں آیا کہ جب ابوسفیان اسلام قبول کرنے کے بعد واپس اپنے گھر آیا اور اسکی اطلاع ہندہ کو ہوئی تو اس نے ابوسفیان کی مونچھیں پکڑ لیں اور کہا اس تیز چربی والے بھونڈی پنڈلیوں والے کو قتل کردو۔ (زاد المعاد جلد ۲، ص ۲۳۰)

ایک دوسری روایت کے مطابق: ہندہ نے ابوسفیان کی داڑھی پکڑلی اور کہا کہ اے آلِ غالب اس شیخ الحمقاء کو قتل کردو۔ (تاریخ کامل ابن الاثیر جلد ۲)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاتحانہ مکہ میں داخل ہو گئے تو ہندہ کو بھی اپنی بے بسی کا یقین آگیا اور پھر جب عورتوں سے بیعت کا سلسلہ شروع ہوا تو یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیعت کے لئے حاضر ہوئیں، لیکن یہاں بھی اپنی چرب زبانی اور بے حیائی سے باز نہ آئیں انہوں نے دورانِ بیعت رسول اللہؐ کو جس طرح جلے کٹے جواب دیئے اس سے ان کی چھپی ہوئی نفرت کا اظہار ہوتا ہے

مولانا شبلی لکھتے ہیں کہ بیعت کے وقت انہوں نے نہایت دلیری بلکہ گستاخی سے باتیں کیں جو حسبِ ذیل ہیں (بحوالہ طبری جلد ۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم :- خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔

ھندہ :- یہ اقرار آپ نے مردوں سے لیا ہے، لیکن

سب حال ہم کو منظور ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:۔ چوری نہ کرنا

ہند :۔ میں اپنے شوہر (ابوسفیان) کے مال میں سے دو چار آنے کبھی کبھی لے لیا کرتی ہوں معلوم نہیں یہ بھی جائز ہے یا نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :۔ اولاد کو قتل نہ کرنا

ہند :۔ ہم نے تو اپنے بچوں کو پالا تھا۔ بڑے ہوئے تو جنگ بدر میں آپ نے انھیں مار ڈالا، اب آپ اور وہ باہم سمجھ لیں۔

(سیرۃ النبیؐ جلد اوّل)

یہ خاتون انتہائی زبان دراز، بیباک اور سفاک ہی نہ تھیں بلکہ زناکار بھی تھیں شاید اسی وجہ سے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بیعت لیتے وقت اقرار لے لیا تھا کہ وہ زنا نہیں کریگی اور نہ ہی کسی پر بہتان لگائیں گی اس بات کا تذکرہ بھی طبری نے کیا ہے لیکن مولانا شبلی نعمانی شاید مصلحتاً نظر انداز کر گئے۔

ان کی زناکاری کے سبب معاویہ کی ولدیت مشکوک ہے، جس کا تذکرہ ہم شروع میں کر چکے ہیں اب ہم ایک اور روایت نقل کرتے ہیں جس سے ان کا کردار مشکوک نظر آتا ہے ملاحظہ ہو۔

خرائطی نے ہواتف میں حمید بن وہب کی زبانی لکھا ہے ہندہ بنت عتبہ بن ربیعہ کی شادی نوجوان قریشی فاکہ بن ربیعہ سے ہوئی تھی اسکے کمرہ طعام میں لوگ بغیر پوچھے آجاتے تھے۔ ایک دن یہ میاں بیوی اس کمرے میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ فاکہ کسی ضرورت گھر کے اندر گیا اور اسکے فوراً ہی بعد ایک غیر شخص کمرہ میں داخل ہوگیا۔ اس شخص نے اس کمرہ میں صرف ایک تنہا عورت کو بیٹھے دیکھا تو فوراً ہی الٹے پاؤں بھاگ نکلا اس شخص کو بے تحاشا دوڑتے ہوئے فاکہ نے دیکھکر اپنی بیوی کو ٹھوکر ماری ماتنے ہوئے پوچھا "تیرے پاس یہ کون بیٹھا تھا۔ بیوی نے جواب دیا میں نے

کسی کو آج تک نہیں دیکھا البتہ تمہارے کہنے پر یاد آیا کہ کوئی آیا تھا۔ چنانچہ فاکہ نے اسے میکے بھیج دیا۔ اس واقعہ کی لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں اس پر ایک دن ہند کے والد نے ہند سے کہا " بیٹی تمہارے متعلق لوگوں میں بڑا چرچا ہو رہا ہے اصل واقعہ مجھ سے بیان کر دو۔ اگر تمہارا خاوند سچا ہے تو میں خفیہ طور پر اسے قتل کرا دوں گا۔ پھر لوگ خاموش ہو جائیں گے۔ اگر وہ جھوٹا ہے تو یمن کے کسی نجومی کے پاس چلو وہ تمہاری صداقت کا اعلان کر دیگا۔ یہ سن کر ہند نے زمانہ جاہلیت کی طرح جھوٹی قسمیں کھائیں جب پر عتبہ کو اپنی بیٹی کی برأت و صداقت کا یقین ہو گیا۔ اسکے بعد فاکہ سے عتبہ نے کہا تم نے میری بیٹی پر بہت بڑا بہتان باندھا ہے، اس لیے یمن کے نجومی کے پاس چلو۔

غرضکہ فاکہ اپنے خاندانی لوگوں کو اور عتبہ اپنی بیٹی ہند اور اسکی سہیلیوں وغیرہ، دوسری عورتوں اور قبیلہ عبد مناف کے کچھ لوگوں کو لے کر یمن کی طرف روانہ ہوئے جب حدود یمن میں پہنچے تو ہند کی حالت غیر دیکھ کر اسکے والد عتبہ نے کہا " بیٹی تم پریشان کیوں ہو، تمہاری یہ گھبراہٹ تمہارے جرم کو واضح کر رہی ہے۔ ہند نے کہا " ابا جان آپ مجھے نجومی کے پاس لے جا رہے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ نجومی کبھی درست کہتے ہیں اور کبھی غلط۔ میں اس چیز سے ڈر رہی ہوں کہ اگر اس نجومی نے مجھ کو بلا وجہ مجرم کہہ دیا تو میری پیشانی پر ایک دھبہ لگ جائے گا اور مملکت عرب مجھے شرمسار کریگی۔ اس پر عتبہ نے کہا بیٹی! میں تمہارا معاملہ پیش کرنے سے پہلے ہی اس کا امتحان کر لوں گا۔

عتبہ نجومی کے پاس پہنچا ہے، اس کا امتحان لیتا ہے اور اسے سچا پاتا ہے)
نجومی ہر عورت کے پاس جاتا اور اسکے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہتا کھڑی ہو جاؤ، یہاں تک کہ ہند کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا " کھڑی ہو جاؤ تم بالکل پاک و صاف ہو، تم نے زنا وغیرہ کچھ نہیں کیا۔ کسی ملامت کرنے والی کی ملامت کا خیال نہ کرو اور تم ایک بادشاہ کی ماں بنو گی۔ جن کا نام معاویہ ہوگا۔ یہ دیکھ کر فاکہ نے اپنی بیوی ہند کا ہاتھ پکڑا، لیکن بیوی نے اپنے خاوند کے ہاتھ کو جھٹکا دیکر اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ اور کہا " دور ہو۔ میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ نجومی کی یہ بات کہ میری قسمت میں بادشاہ کی ماں بننا ہے تو وہ تیری

پیٹھ سے نہ ہوگا۔ الحاصل ہندہ نے ابوسفیان سے شادی کی اور امیر معاویہ پیدا ہوئے۔

(تاریخ الخلفاء ص۱۹۹۔ نفیس اکیڈمی کراچی)

اس روایت کا موضوع ہونا بالکل ظاہر ہے۔ عرب معاشرے میں زنا کوئی اتنا زیادہ غیرت کا مسئلہ نہیں تھا کہ شوہر بیوی پر شک کرے اور قیامت آجائے کینے والے اپنی بیٹی کی پاکبازی ثابت کرنے کے لئے ہفتوں کا سفر طے کرکے یمن جا پہنچیں۔ اس زمانہ کی سفری صعوبتوں کا بھی آسانی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے

ہم نے جب اس روایت پر غور کیا تو ہمیں اس میں بھی ہند کی بدکاری کی بو آئی اس روایت کو وضع کرنیکی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ ہندہ کی بری شہرت کے اثرات کو زائل کیا جاسکے۔ راوی نے نجومی سے ہندہ کے لئے سندِ پاکبازی حاصل کرنے کے لبعد ہندہ کو ایک بادشاہ بیٹے کی ولادت کا مژدہ بھی سنادیا۔ روایت کا یہ آخری ٹکڑا اسکے موضوع ہونے پر ایک اور دلیل ہے' اس کا صاف مطلب یہ نکلتا ہے کہ یہ روایت محض اس لئے گھڑی گئی کہ حضرت معاویہ ایک پاکباز ماں کے فرزند ہیں کہ جنکی بادشاہت مشیت ایزدی میں پہلے سے تھی۔

وحشی جس نے حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا' کہا جاتا ہے کہ اس کا یہ فعل ہندہ کے وعدۂ وصل کے نشہ کی وجہ سے تھا۔ اس سلسلے میں طبری میں یہ روایت موجود ہے۔

ہندہ بنت عتبہ بن ربیعہ کا یہ حال تھا کہ جب وہ وحشی کے پاس سے گذرتی یا وہ اس کے پاس سے گذرتا' کہتی۔ "اے ابو دسمہ (یہ وحشی کی کنیت تھی) تم میرا دل ٹھنڈا کرا اور اپنا دل بھی ٹھنڈا کر (تاریخ طبری۔ جلد اوّل)

"اپنا دل بھی ٹھنڈا کر" اسی فقرہ میں وعدۂ وصل پوشیدہ ہے کہ وحشی کو رسول اکرمؐ کے چچا حضرت حمزہؓ سے ہندہ کی طرح کوئی ذاتی دشمنی نہ تھی کہ انھیں قتل کرکے اس کا کلیجہ بھی ٹھنڈا ہوتا۔

اب ذرا ہندہ کی بےحیائی کا اندازہ لگانے کے لئے اسکا ایک فقرہ سن لیں۔ جنگ یرموک کے موقع پر اس نے مسلمانوں کو جوش دلاتے ہوئے کہا "اے مسلمانو! ان غیر مختونوں کا اپنی

تیغ سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو۔"

اس فقرہ کو ڈھنگ کے ایک ناصبی مولانا محمد نافع نے اپنی کتاب "حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ" میں بڑے فخریہ انداز سے لکھا ہے۔ ہم نہیں سمجھتے کہ کوئی شریف عورت خواہ کسی زمانہ کی ہو، مردانہ عضو تناسل کے حوالے سے مجمع عام میں کوئی بات کرسکتی ہے۔ سوائے زن فاحشہ کے۔

آخر میں ہم اسی ناصبی کی کتاب سے چند اور کلمات نقل کر رہے ہیں تاکہ مسلمان عبرت حاصل کریں۔

"ہندہ قریش کی سردار عورتوں میں سے تھیں، صاحب الرائے، زیرک، ہوشمند، خوددار اور بڑی عقلمند عورت تھیں۔ اپنی قوم میں اپنی صنف کے لئے رئیس سمجھی جاتی تھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں انہوں نے بڑے اخلاص کے ساتھ اظہار مودّت کیا۔ آپ نے احادیث نبویؐ کو نقل کیا اور اشاعت دین و تبلیغ مذہب کے ثواب میں شامل ہوئیں حضرت ہندہ بنت عتبہ میں دیانت و امانت، صداقت و شرافت اور ایمان کی پختگی کی واضح علامات تھیں۔ (حضرت ابوسفیان۔ از مولانا محمد نافع)

ابتدائی حالات

پیدائش اور جوانی:

معاویہ بن ابوسفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے ۵ برس قبل پیدا ہوئے آپ کے بچپن اور جوانی کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں ملتی۔ صرف قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ہندہ جیسی ماں کی آغوش میں پلنے والا بچّہ کیسا ہوگا.... اس کے بچپن اور جوانی کے بارے میں حضرت علیؑ ابن ابی طالب صفین کے میدان میں فرماتے ہیں: "معاویہ کی

فوج نے مکر و فریب سے قرآن نیزوں پر بلند کیا ہے میں خوب جانتا ہوں کہ معاویہ اور عمرو بن عاص وغیرہ دیانت دار اور اہلِ قرآن نہیں ہیں۔ میں ان کے بچپن اور جوانی کو خوب جانتا ہوں، یہ بچپن میں شریر لڑکے تھے اور جوانی میں بدکردار تھے۔ پس ان کے فریب میں کوئی نہ آئے۔"

ازدواج و اولاد :

ان کی ایک زوجہ میسون بنتِ بحدل تھیں، یزید انہی کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ یہ بھی منقول ہے کہ ایک لڑکی بھی اس سے پیدا ہوئی اس کا نام امہ رب المشارق تھا۔ وہ بچپن ہی مرگئی، ایک اور زوجہ فاختہ بنتِ قرظہ بن عبد عمرو بن نوفل بن عبد مناف تھی۔ اس سے عبد اللہ اور عبد الرحمٰن دو لڑکے پیدا ہوئے، عبد اللہ احمق تھا، ابو الخیر اس کی کنیت تھی۔ ایک دفعہ اس کا گذر ایک چکی والے کی طرف ہوا۔ اس نے چکی میں خچر کو باندھا تھا اور خچر کے گلے میں گھنٹی باندھ دی تھی، عبد اللہ نے پوچھا "تم نے اس کے گلے میں گھنٹی کیوں باندھی ہے۔ اس نے کہا "اس لئے گھنٹی باندھی ہے کہ یہ کھڑا ہو جائے اور چکی رک جائے تو مجھے معلوم ہو جائے۔ عبد اللہ بن معاویہ نے کہا اگر خچر کھڑے کھڑے سر ہلاتا رہے اور چکی نہ چلائے تو پھر تمہیں کیونکر خبر ہوگی ـــ چکی والے نے کہا، "خدا آپ کا بھلا کرے، میرے خچر میں آپ جیسی عقل نہیں۔" (تاریخ طبری ۶۰ھ کے واقعات)

قبولِ اسلام

یہ امر یقینی ہے کہ معاویہ نے بھی اپنے باپ کی طرح فتح مکہ کے موقع پر بدرجہ مجبوری اسلام قبول کیا، مگر اسے کیا کیجئے کہ ناصبیوں نے یہ پروپیگنڈہ شروع کر رکھا ہے کہ آپ ظاہری طور پر تو فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے مگر در اصل آپ اس سے قبل ہی اسلام قبول کر چکے تھے لیکن بعض مجبوریوں کی بنا پر ظاہر نہ کیا تھا اور مجبوری خود معاویہ کی زبانی یہ بیان کی گئی ہے کہ معاویہ فرمایا کرتے تھے کہ میں عمرۃ القضا سے پہلے اسلام لے آیا تھا مگر

مدینہ جانے سے ڈرتا تھا کیونکہ میری والدہ کہا کرتی تھیں کہ اگر تم گئے تو ہم ضروری اخراجات زندگی دینا بند کردینگے۔ خود یہ عذر ہی ایسا ہے کہ جو معاویہ کے بیان کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ اگر معاویہ اسلام کی خاطر مدینہ جاتے تو دوسرے مہاجرین کی طرح انہیں بھی اخراجاتِ زندگی میسر آجاتے جبکہ ان قریبی عزیز عثمان بن عفان جیسے دولتمند آدمی موجود تھے۔

بات دراصل یہ ہے کہ جب سے معاویہ نے خلیفۂ برحق حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام سے خلاف بغاوت کی تھی ان کے لئے طلقا اور "مولفۃ القلوب" کی اصطلاح کا استعمال عام ہو گیا تھا۔ خاص طور سے امام حسن کی دست برداری کے بعد جب معاویہ خلیفہ بنے تو لوگوں نے کہنا شروع کردیا کہ معاویہ طلقا میں سے ہے اسکے لئے خلافت جائز نہیں۔ حضرت علیؑ نے بھی اپنے خطوط میں معاویہ کو یاد دلایا ہے کہ وہ طلقا میں سے ہیں۔ ان حالات میں معاویہ کا یہ دعویٰ (اگر اس روایت کو درست سمجھ لیا جائے کہ انہوں نے فتح مکہ سے قبل اسلام قبول کر لیا تھا اور اسکا اظہار فتح مکہ کے موقع پر کیا) محض طلقاء کی سُبکی سے بچنے کی کوشش کے سوا کچھ نہ تھا۔

طلقاء کے بارے میں مؤرخ طبری لکھتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے قریش اہل مکہ! جانتے ہو میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں گا۔"

انہوں نے کہا — "آپ اچھا ہی سلوک کرینگے، کیونکہ آپ شریف ہیں اور شریف کے بیٹے ہیں۔"

آپؐ نے فرمایا — "اچھا جاؤ۔ تم سب آزاد ہو۔"

رسول اللہ نے تمام اہل مکہ کو آزاد کیا، حالانکہ زور بہ شمشیر اللہ نے ان کو آپ کے لئے مسخر کیا تھا اور وہ بمنزلہ فئے کے تھے اسی وجہ سے اہل مکہ کو طلقا کہا جانے لگا (آزاد شدہ)

(طبری جلد اول سیرت النبیؐ)

★

قبولِ اسلام کے بعد معاویہ کی حیثیت

دورِ رسالت میں:

اس بات کا شدت سے پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ اسلام لانے کے بعد معاویہ بن ابی سفیان کتابتِ وحی جیسا فریضہ انجام دیا کرتے تھے، اسکی حقیقت صرف اتنی سی ہے کہ رسول اللہ صلعم معاویہ سے کبھی کتابت کا کام لیا کرتے تھے۔ مولانا شبلی نعمانی کاتبینِ وحی کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"قریش میں سب سے پہلے کاتبِ وحی عبداللہ بن ابی سرح تھے مدینہ میں اسکی اولیت کا شرف حضرت ابی بن کعب کو حاصل ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عامر بن فہیرہ، حضرت عمرو بن العاص، حضرت عبداللہ بن ارقمؓ، حضرت ثابت بن قیس بن شماس، حضرت حنظلہ بن الربیع الاسدی، حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت عبداللہ بن رواحہ، حضرت خالد بن ولید، حضرت خالد بن سعید العاص، حضرت علاء بن حضرمی، حضرت حذیفہ بن یمانؓ، حضرت معاویہ بن ابی سفیان، حضرت زید بن ثابتؓ، مختلف اوقات میں اس منصب پر مامور رہے۔ اگرچہ تمام بزرگوں کو کبھی کبھی یہ خدمت انجام دینی پڑتی تھی چنانچہ صلح نامہ حدیبیہ حضرت علیؓ نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا۔ امراء اور سلاطین کے نام خطوط حضرت عامر بن فہیرہ لکھتے تھے۔ اور امرائے عمان کے نام آپ نے جو مکتوب بھیجا تھا۔ وہ حضرت ابی بن کعب کا لکھا تھا۔ قطن بن حارثہ کو جو خط بارگاہِ نبوتؐ سے بھیجا گیا تھا وہ حضرت ثابت بن قیس نے لکھا تھا، لیکن عام طور پر یہ خدمت حضرت زید بن ثابتؓ سے متعلق تھی۔ اور صحابہ کے گروہ میں ان کا نام اسی حیثیت سے نمایاں ہے۔"

(سیرت النبیؐ، شبلی نعمانی جلد دوم)

معاویہ بن ابی سفیان تقریباً ۱۹ کاتبوں میں سے ایک تھے، ان کے بارے میں یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ آپ نے کس قسم کی کتابت کی۔ لیکن ان کے ہمدردوں نے انہیں کاتبِ وحی کا لقب اس طرح عطا کیا کہ جیسے صرف یہی کاتبِ وحی تھے۔ اور یہ صورتحال اس لئے پیش آئی کہ معاویہ کا دامن اسلامی فضیلتوں سے خالی تھا۔

دورِ ابوبکر میں :

حضرت ابوبکر کے دورِ حکومت میں فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا۔ چنانچہ ابوبکر نے معاویہ کے بھائی یزید کو شام کی طرف امیرِ لشکر بنا کر بھیجا۔ معاویہ بھی ان کے ساتھ ساتھ تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ابوسفیان کی اولاد کو فوجی امارت دی گئی۔ اور اس طرح بنو امیہ کے لئے حصولِ اقتدار کا دروازہ کھول دیا گیا۔

دورِ عمر بن خطاب میں :

حضرت عمر نے یزید بن ابی سفیان کی وفات کے بعد معاویہ بن ابی سفیان کو دمشق کی ولایت عطا کی۔ یعنی معاویہ بن ابی سفیان کے اقتدار کی بنیاد حضرت عمر بن خطاب نے رکھی شروع شروع میں معاویہ نے محتاط روش اختیار کی۔ لیکن جیسے جیسے اس کی اقتدار پر گرفت مضبوط ہوتی گئی۔ احتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوٹتا چلا گیا۔ اور جلد ہی وہ وقت آگیا کہ آپ نے قیصر و کسریٰ کی شان اختیار کر لی یہاں تک انہیں عرب کا کسریٰ کہا جانے لگا ...... اور حضرت عمر بن خطاب خاموش تماشائی بنے رہے۔

حضرت عمر جب ملکِ شام آئے تو معاویہ نے حشم و خدم کے ساتھ ان سے ملاقات کی۔ اور اسی طرح کے حشم و خدم کے ساتھ ان کے پاس گئے۔ عمر نے کہا "اے معاویہ! تم صبح و شام اسی حشم و خدم کے ساتھ پھرتے ہو اور میں نے یہ بھی سنا ہے کہ تم گھر میں موجود ہوتے ہو اور اہلِ حاجت تمہارے دروازے پر رہتے ہیں۔

معاویہ نے کہا "اے امیرالمومنین دشمن یہاں سے بہت قریب ہے۔ اسکے جاسوس

مجبر ہیں، میں چاہتا ہوں کہ وہ جب شوکتِ اسلام کو دیکھیں ___ امیرالمومنین آپ جیسا فرمائیں میں اسی حکم کو بجا لاؤں۔ عمر نے کہا میں نے جب کسی بات پہ تمہیں ٹوکا ہے تم نے ہمیشہ اسے ترک کر دیا ہے اس باب میں نہ میں تم کو حکم دیتا ہوں نہ منع کرتا ہوں۔

(تاریخ طبری ۴۱ھ تا ۶۶ھ)

حضرت عمر بن خطاب کا دوسرا رُخ :

حضرت سعد نے محل کا دروازہ بند کر دیا کیونکہ اسکے سامنے بازار لگتا تھا اور اس کا شور و غوغا انہیں بات نہیں کرنے دیتا تھا۔ جب انہوں نے دروازہ لگوایا تو لوگوں نے ان کی طرف ایسی باتیں منسوب کیں جو انہوں نے نہیں کہی تھیں۔ وہ کہتے تھے سعد کہتے ہیں "یہ آوازیں بند کر دو" لوگ اسے قصرِ سعد کے نام سے پکارتے تھے۔ حضرت عمر کے کانوں میں بھی یہ آوازیں پہنچیں تو انہوں نے محمد بن مسلمہ کو بلوا کر کوفہ روانہ کیا اور فرمایا "تم وہاں جا کر محل کے دروازے کو جلا دو اور اس کے بعد فوراً لوٹ لو۔" (تاریخ طبری، خلافتِ فاروقی)

یہ بات حضرت عمر کو اچھی طرح سے معلوم تھی کہ معاویہ طلقاء میں سے ہیں۔ اور سعد بن ابی وقاص سابقون راولون میں سے۔ معاویہ ہر وقت کسروی شان سے خدم و حشم کے ساتھ رہتے تھے اور سعد نے صرف ایک ڈیوڑھی تعمیر کرلی تھی، معاویہ کا خدم و حشم خود دیکھا تھا۔ اور سعد کے بارے میں باتیں سُنی سنائی تھیں، لیکن جنابِ عمر معاویہ کے سامنے بے بس بن گئے تھے اور سعد کے لئے دہشت ناک.... سعد ہی پر کیا منحصر تھا ان کا جس پر بس چلتا اس کے لئے عذابِ الٰہی بن جاتے۔ تاریخ میں ایسی بہت سی مثالیں ہیں۔

معاویہ کا عذر بہت کمزور تھا۔ لیکن وہ شہ زور تھے، لہٰذا عمر نے ان کا عذر قبول کر لیا۔ حضرت عمر یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ اسلام کی شان و شوکت خدم و حشم میں نہیں تقویٰ اور پرہیزگاری میں ہے ___ یہی اسلام کی شناخت تھی۔ دشمن اسی سے متاثر ہو سکتا تھا کہ جس سے خود وہ محروم تھا۔ نہ کہ اس شان و شوکت سے جو خود اس کے پاس معاویہ سے زیادہ تھی۔

حضرت عمر معاویہ کو بچپن سے جانتے تھے ان کی مکاریاں کوئی ان سے ڈھکی چھپی نہیں تھیں۔ حضرت عمر لوگوں سے کہتے تھے کہ تم قیصر و کسریٰ کے عیار اور مکار ہونے کا ذکر کرتے ہو تمہارے یہاں بھی تو معاویہ موجود ہیں۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۲۱۶)

ناصبیوں کے نزدیک معاویہ کا عذر معقول تھا لہٰذا جناب عمر خاموش ہو گئے اگر اس بات کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر حضرت عمر کو خاموش نہیں ہونا چاہیئے تھا بلکہ معاویہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے یہ کہنا چاہیئے تھا کہ تم نے مجھے اچھی راہ سمجھائی تم تو صرف ایک صوبے کے سیدی گورنر ہو میں تو پوری مملکتِ اسلامیہ کا والی ہوں پہلے تو مجھے قیصر و کسریٰ کی سی شان و شوکت اختیار کرنا چاہیئے تھی، چلو جو ہوا سو ہوا۔ اب میں بھی اپنی رہائش کے لئے ایک عظیم الشان محل بنواؤں گا کہ جو صحیح معنوں میں اتنی بڑی اسلامی مملکت کے فرمانروا کے شایانِ شان ہو۔ مجھے تو دوسرے ممالک کے سفیروں کا سامنا کرنا پڑتا ہے ہو سکتا ہے کہ کبھی قیصر روم مجھ سے ملاقات کے لئے آ جائے۔

بات یہ ہے کہ جناب عمر کی سیاست کہ جس کی کامیابی کا بہت چرچا ہے مکمل طور سے خدا و رسولؐ کے فرمان کے تابع نہ تھی۔ اس میں ان کے مزاج اور مصلحتوں کو بہت دخل تھا۔۔۔۔ اسلام کا یہ مزاج نہ تھا کہ کمزور غلط راہ چلے تو اسے دُرّے کے ذریعے سیدھا کر دو اور اگر طاقتور ہو تو نظر انداز کر دو۔ حضرت عمر معاویہ سے خائف تھے کہ وہ بنو امیہ کے چشم و چراغ ہیں، شہ زور قبیلے کی مخالفت مول لیتے ہوئے گھبراتے تھے، اس گھبراہٹ کا ایک نفسیاتی سبب بھی تھا کہ بنو امیہ قریش کا (بنو ہاشم کے بعد) سب سے معزز خاندان سمجھا جاتا تھا اور جناب عمر کا تعلق ایک چھوٹے خاندان سے تھا اور حضرت عمر یہ بھی جانتے تھے کہ بنو امیہ کے اکثر افراد کا اسلام محض ظاہری ہے اگر ان کے اقتدار پر آنچ آئی تو وہ خلیفۂ وقت کے خلاف بغاوت کر دیں گے۔ یا سازشوں میں لگ جائیں گے یہ تو محض حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام کا حوصلہ تھا کہ انہوں عوام کے حقوق غصب کرنے والے ظاہری مسلمان کو خلیفہ بنتے ہی گورنری سے معزول کر دیا۔

دورِ حاضر کے مشہور مفکر مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے اسلام میں ملوکیت کی تلاش

نہایت احتیاط کے ساتھ کی ہے ۔۔۔ ان کے مسلک کا تقاضہ بھی یہی تھا' اگر ان میں یہ کہنے کا حوصلہ نہ تھا کہ ملوکیت کی ابتدا تو سقیفہ بنو ساعدہ کی بے مثال دھاندلی سے ہو گئی تھی تو کم از کم اتنا تو کہہ دیتے کہ معاویہ بن ابی سفیان (جسے مودودی صاحب خلافت کو ملوکیت میں بدل دینے کا مجرم سمجھتے ہیں) کی قیصریت و کسرویت کو گوارہ کر کے عمر بن خطاب نے اسلام میں ملوکیت کی راہ ہموار کی۔

عثمان کے دور میں:

عمر بن خطاب ایک قوم پرست ایرانی فیروز ابولولو (جسے غلامی کی چکی میں پیسا جارہا تھا) کے ہاتھوں سے زخمی ہوئے ۔ زخم مہلک تھا' زندگی سے مایوس ہو گئے تو ایک ایسی شوریٰ تشکیل دی کہ خلافت کا رُخ بنو امیہ کی طرف مڑ جائے' چنانچہ یہی ہوا — عثمان بن عفان (اموی) خلیفہ بنا دیئے گئے ۔ خلیفہ نے تو بنی امیوں کی بن آئی — بیشتر صوبوں پر بدکار و اوباش اموی نوجوان مسلط کر دیئے گئے ۔ معاویہ بن ابی سفیان تو پہلے ہی شام کے والی تھے ان کی ولایت میں توسیع کر دی گئی ۔

مولانا مودودی خلافت و ملوکیت میں لکھتے ہیں:

حضرت عثمان نے حضرت معاویہ کو مسلسل بڑی طویل مدت تک ایک ہی صوبے کی گورنری پر مامور کیئے رکھا۔ وہ حضرت عمر کے زمانہ میں چار سال سے دمشق کی ولایت پر مامور چلے آ رہے تھے ۔ حضرت عثمان نے ایلہ سے سرحد روم تک اور الجزیرہ سے ساحل بحر ابیض تک کا پورا علاقہ ان کی ولایت میں جمع کر کے اپنے پورے زمانۂ خلافت (۱۲ سال) میں ان کو اسی صوبے پر برقرار رکھا۔ یہ وہ علاقہ ہے جس میں اب شام لبنان' اردن اور اسرائیل کی چار حکومتیں قائم ہیں ۔ (حضرت عمر کے زمانہ میں ان علاقوں پر معاویہ سمیت چار گورنر مقرر تھے) یہی چیز ہے جس کا خمیازہ آخر کار حضرت علیؑ کو بھگتنا پڑا' شام کا یہ صوبہ اس وقت کی اسلامی سلطنت میں بڑی اہم جنگی حیثیت کا علاقہ تھا اس کے ایک طرف تمام مشرقی صوبے

تھے اور دوسری طرف تمام مغربی صوبے، بیچ میں وہ اسطرح حائل تھا کہ اگر اس کا گورنر مرکز سے منحرف ہو جائے تو وہ مشرقی صوبوں کو مغربی صوبوں سے بالکل کاٹ سکتا تھا۔
حضرتِ معاویہ اس صوبے کی حکومت پر اتنی طویل مدّت تک رکھے گئے کہ انہوں نے یہاں اپنی جڑیں پوری طرح جمالیں اور مرکز کے قابو میں نہ رہے بلکہ مرکز ان کے رحم وکرم پر ہو گیا۔"
(خلافت و ملوکیت)

معاویہ نے حضرت عمر کے دور ہی میں شاہانہ انداز اختیار کر لئے تھے لیکن شاید یہ عمرؓ کا خوف تھا کہ معاویہ میں ابھی سینہ زوری نہیں آئی تھی۔ وہ من مانی کرتے ہوئے ڈرتے تھے، ابھی ان میں زیادہ ہاتھ پیر پھیلانے کا حوصلہ نہ تھا۔ لیکن عثمان کے دور میں وہ اپنے آپ کو مکمّل آزاد اور خود مختار سمجھنے لگے۔ کچھ تو اس وجہ سے کہ خلیفہ ان کا قریبی رشتہ دار تھا۔ اور کچھ اس وجہ سے کہ خود خلیفہ اسلامی اصولوں کو نظر انداز کر رہا تھا، بیت المال اس کا ذاتی خزانہ تھا جس کو جو چاہتا عطا کر دیتا۔ اس نے برگزیدہ اصحابِ نبیؐ کی موجودگی میں اپنے بدکردار رشتہ داروں کو تمام اہم صوبوں کا والی بنادیا تھا۔ ایسے ماحول میں معاویہ کی خود مختاری اور طاقت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ مولانا مودودی نے بالکل سچ کہا کہ وہ مرکز کے قابو میں نہ رہے تھے بلکہ مرکز ان کے رحم وکرم پر ہو گیا تھا۔"

حضرتِ عثمان کا یہ طریقہ تھا کہ جب کوئی شخص ان کے یا ان کے گورنروں کے خلاف آواز اٹھاتا اور ان کے لئے ناقابلِ برداشت ہو جاتا تو وہ اسے معاویہ کے پاس دمشق بھیج دیتے۔ چنانچہ سب سے پہلے ان کے عتاب کا شکار انتہائی برگزیدہ صحابی جناب ابوذر غفاریؓ ہوئے وہ مسجدِ نبوی میں بیٹھ کر عثمان کی بیجا داد و دہش پر تنقید کرتے اکثر قرآن کی وہ آیت تلاوت کیا کرتے کہ جس میں سونا چاندی جمع کرنے والوں کو جہنم کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔ آپ اسی جرم پر جلاوطن کر کے دمشق بھیج دیئے گئے۔ دمشق پہنچے تو وہاں آپ نے معاویہ کا یہ حال دیکھا کہ بادشاہ بنے ہوئے ہیں۔ بیت المال کو اپنا ذاتی خزانہ سمجھتے ہیں، مسلمانوں کے حقوق غصب کئے جا رہے ہیں تو آپ نے وہاں بھی صدائے احتجاج بلند کی، تھوڑے ہی عرصے میں لوگ آپ کے گرد اکٹھا ہونے لگے۔

ابوذرؓ مسجد میں ہوتے یا شہر کے کوچہ و بازار میں، اپنا کلام جاری رکھتے۔ آپ نے دولت مندوں کے خلاف اپنی تقریریں جاری رکھیں، یہ تقریریں کیا تھیں قرآنی آیات اور ان کی تفسیریں تھیں آپ کی ان باتوں سے وہاں بغاوت کے آثار نمودار ہونے لگے۔

مورخ طبری لکھتا ہے:

"ابوذرؓ اس قسم کی تقریریں کرتے رہے یہاں تک کہ غریب طبقہ پر ان کی باتوں کا بہت اثر ہوا اور انھوں نے دولت مندوں کو بھی اس بات پر مجبور کیا اور دولت مند طبقہ عوام کے اس سلوک کی شکایت کرنے لگا یہ حالت دیکھ کر معاویہ نے عثمان کو لکھا "ابوذرؓ میرے لئے مشکلات کا باعث بن گئے ہیں اور ایسی ویسی باتیں کرتے پھر رہے ہیں۔" (تاریخ طبری۔ خلافتِ عثمانی و فاروقی)

معاویہ میں اس محدود بادشاہت پر قناعت کا جذبہ نہ تھا۔ وہ پوری مملکتِ اسلامیہ کے خلیفہ بننے کا خواب دیکھ رہے تھے۔ خلیفہ کے خلاف بغاوت کے آثار نمودار ہوئے تو ان کے دل کی کلی کھلنے لگی جب بات حد سے بڑھ گئی اور خلیفہ کی زندگی کو خطرات لاحق ہوئے تو انھوں نے خلیفہ سے کہا کہ آپ میرے ساتھ چلئے اور وہاں قیام کیجئے۔ اور اسطرح انھوں نے درپردہ دارالخلافہ شام منتقل کرنے کی تجویز پیش کی۔ اس بات پر حضرت عثمان تیار نہ ہوئے تو معاویہ نے کہا کہ اگر آپ حکم دیں تو مدینہ میں آپکی حفاظت کیلئے شامی دستے تعینات کر دیئے جائیں۔ مگر عثمان اس پر بھی راضی نہ ہوئے۔ معاویہ کی ان تجاویز کی حقیقت پر تاریخ دانوں کا اتفاق ہے لیکن ان تجاویز میں معاویہ کی کیا غرض پوشیدہ تھی اس بھید کو نہیں کھولا جاتا۔

اگر عثمان مدینہ میں رہتے ہوئے طبعی موت مرتے تو خلافت کا معاویہ کی طرف آنا تقریباً ناممکن تھا، اہلِ مدینہ ہی خلیفہ کا انتخاب کرتے۔ اور وہ اچھی طرح سے جانتے تھے کہ معاویہ طلقاء میں سے ہیں اور ان کا اسلام مجبوری کا ہے قدیم دشمنانِ رسول کے ہوتے ہوئے انکی کوئی حیثیت نہ تھی۔

اگر عثمان معاویہ کے جال میں آجاتے، دارالخلافہ شام میں لے جاتے تو معاویہ ان کے جیتے جی خلافت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لیتے اور دھونس دھاندلی اور لالچ کے ذریعہ اپنی خلافت کی راہ ہموار کرتے۔ پھر خلیفہ کی آنکھ بند ہوتے ہی اپنی خلافت کا اعلان کر دیتے۔ اسلامی مملکت کے ایک وسیع و عریض علاقہ (شام، فلسطین، حمص اور لبنان) میں معاویہ کی خلافت بغیر کسی کاوٹ

کے تسلیم کرلی جاتی۔ باقیماندہ علاقہ یا تو دھونس ولالچ کے ذریعے سے لیتے یا ان سے باقاعدہ جنگ کرتے۔

اگر حصولِ خلافت کی دوسری تدبیر یعنی شامی فوجوں کی تعیناتی کی مدینہ میں اجازت مل جاتی تو عثمان کی طبعی یا غیر طبعی موت کی صورت میں شامی تلواریں خلافت کا رُخ معاویہ کی طرف موڑ دینے کی بھرپور کوشش کرتیں۔

معاویہ جناب عثمان کو یہ تجاویز پیش کرنے میں ہرگز مخلص نہ تھے، یہ بات اس وقت بالکل واضح ہوگئی تھی کہ جب حضرت عثمان انقلابیوں کے نرغہ میں آگئے اور انہوں نے اپنے صوبائی گورنروں کو مدد کے لئے خط لکھے۔ آپ نے معاویہ کو لکھا۔

اما بعد :- میں ایک ایسی قوم میں محصور ہوں جس میں عصر دراز سے رہتا ہوں۔ انہوں نے جلدی میرے بارے میں فیصلہ کرلیا ہے۔ وہ یا تو مجھے بھاگے ہوئے اونٹ کے پالان پر سوار کردیں یا میں وہ چادر اتار کر انھیں دے دوں جو اللہ تعالیٰ نے مجھے پہنائی ہے یا قید کی حالت میں قتل کردیا جاؤں جو شخص حکومت کرتا ہے فیصلہ کبھی ٹھیک کرتا ہے کبھی غلط۔

فریاد ہے، فریاد ہے...... میرے سوا تمہارا کوئی خلیفہ نہیں ہے اے معاویہ! جلدی میرے پاس آؤ۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میری مدد کے لئے نہیں آؤ گے۔

(الامامت والسیاست عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ
اردو ایڈیشن)

عثمان قتل کردیئے گئے مگر معاویہ نے کوئی مدد نہ بھیجی

علیؑ بن ابیطالب اور معاویہ بن ابی سفیان

قتل عثمانؓ کے بعد انقلابیوں نے حضرت علیؑ کو بیعت کے لئے گھیر لیا۔ آپ فرماتے ہیں "اس وقت لوگوں کے ہجوم نے مجھے دہشت زدہ کر دیا جو میری جانب بجو کے عیال کی طرح ہر طرف سے لگاتار بڑھ رہا تھا یہاں تک کہ عالم یہ ہوا کہ حسنؑ اور حسینؑ کچلے جا رہے تھے اور میری ردا کے دونوں کنارے پھٹ گئے تھے سب میرے گرد بکریوں کے گلے کی طرح گھیرا ڈالے ہوئے تھے مگر اس کے باوجود جب میں امر خلافت کو لے کر اٹھا تو ایک گروہ نے بیعت توڑ ڈالی اور دوسرا دین سے نکل گیا۔ اور تیسرے گروہ نے فسق اختیار کر لیا۔" (تذکرۃ الخواص الامۃ، خطبہ شقشقیہ)

حضرت علیؑ کے ہاتھ پر عام بیعت ہو چکی تو آپ نے منبر رسولؐ سے ایک فصیح و بلیغ خطبہ دیا اور ابتدا اس فقرے سے کی "اللہ کے احسان کا شکر ہے کہ حق اپنی جگہ لوٹ آیا۔

(روضۃ الاحباب جلد ۳ ص ۴)

خطبہ ختم کرنے کے بعد حضرت علیؑ علیہ السلام اپنے مکان میں تشریف لے گئے وہاں مغیرہ بن شعبہ ملاقات کیلئے آئے اور کہا کہ اے امیر المومنینؑ میں آپ کو کچھ نصیحت کرنا چاہتا ہوں۔

آپؑ نے فرمایا "وہ کیا۔؟"

مغیرہ نے کہا کہ اگر آپ اپنی خلافت کا استحکام چاہتے ہیں تو طلحہ ابن عبید اللہ کو کوفے کا اور زبیر بن العوام کو بصرہ کا گورنر بنا دیجئے اور معاویہ بن ابی سفیان کو بدستور شام میں رہنے دیجئے یہاں تک کہ ان پر آپ کی اطاعت لازم ہو جائے اور وہ آپ کے تابع ہو جائیں جس وقت آپ کی خلافت مستحکم ہو جائے تو آپ کو اختیار ہے جسے چاہیں معزول کر دیں جسے چاہیں برقرار رکھیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا "طلحہ اور زبیر کے معاملہ میں تو میں جلد غور کرونگا" رہے معاویہ... تو خدا مجھے وہ دن دکھلائے جو میں اپنے کسی معاملے میں ان سے مدد لوں۔ البتہ میں انہیں اپنی بیعت کی دعوت دیتا ہوں اگر انہوں نے قبول کر لی تو فبہا ورنہ

میں ان سے جنگ کروں گا۔ یہ سُن کر مغیرہ خفا ہو کر اٹھ گئے۔

حضرت علیؑ نے عثمان بن حنیف کو بصرہ، عمارہ بن حسان کو کوفہ، عبداللہ بن عباس کو یمن، قیس بن سعد انصاری کو مصر اور سہیل بن حنیف کو شام کا والی بنا کر بھیجا۔ سہیل تبوک کے قریب پہنچے تھے کہ معاویہ کے سپاہیوں نے انہیں واپس لوٹ جانے پر مجبور کر دیا۔

پھر حضرت علیؑ نے معاویہ کو عبداللہ ابن رافع سے یہ خط لکھوایا۔

امیرالمومنین حضرت علیؑ کی طرف سے معاویہ کے نام خط

امابعد

پس خدا تعالیٰ نے مہاجرین والانصار کی رائے سے مجھے خلیفہ بنایا ہے اور یہ بھی سمجھ لو کہ رائے، عمل اور پسندیدگی و ناپسندیدگی میں عام لوگ انہیں کی پیروی کرتے ہیں لہٰذا تمہیں چاہیئے کہ فوراً میرے پاس حاضر ہو جاؤ۔ کیونکہ میں نے تمام گورنروں کو طلب کیا ہے تاکہ ان سے اپنی خلافت اور فرمانبرداری کا اقرار لوں اور جو بار میری گردن پر آپڑا ہے انکی گردن پر بھی ڈالوں اور یہ ذمہ داری وہ ہے جس سے میں نے اپنے دین اور امانت کو خریدا ہے اور جسے قبول کئے بغیر میرے لئے کوئی چارۂ کار نہ تھا —

پس اس خط کو دیکھتے ہی تم انشاء اللہ اپنے اشراف اصحاب کے ساتھ میرے پاس چلے آؤ۔

(کفایت المطالب ص ۔ ۵۸ مکتوبات حضرت علیؑ اسلامک پبلیکیشنز لمٹیڈ۔ کراچی لاہور)

معاویہ کو جب حضرت علیؑ کا یہ خط ملا تو انہوں نے جواب میں ایک خط لکھا اور اپنے فضائل تحریر کئے، اس پر حضرت علیؑ نے انھیں ایک منظوم خط لکھا، اس کا ترجمہ مکتوبات حضرت علیؑ مرتبہ حکیم نبی احمد خان سے پیش کیا جاتا ہے۔

محمد مصطفےٰ پیغمبرِ حق! میرے بھائی بھی تھے میرے خسر بھی
جنابِ حمزہؓ سردارِ شہیداں چچا تھے میرے (ہے یہ کس سے مخفی)
جو ہمراہ ملائک محوِ پرواز رہا کرتے ہیں صبح و شام (جسکی
خبر دی مخبرِ صادق نے سب کو) وہ جعفر تھے میرے ماں جائے بھائی
محمد مصطفےٰ کی قرۃ العین میری ہمنشیں زوجہ تھیں میری
میرے اور انکے خون و گوشت و پوست ملے اس طرح ہیں کہ گویا ایک ہیں
انھیں سے دو نواسے مصطفےٰ کے مرے فرزند راحت میری جاں کی
جسے حاصل ہو میری سی فضیلت بتاؤ تو بھلا ہے تم کوئی ؟
مہیں اسلام لایا تم سے پہلے تھا بچہ ہی، نہ آئی تھی جوانی
حبیبِ کبریا سے اور مجھ سے ہوئی جس روز قائم رشتہ داری
اسی دن سے انھوں نے فرض کے مثل اطاعت میری واجب تم پہ کی تھی
(یہ رکھو یاد) ہے افسوس اس پہ خرابی واسطے اس کے تباہی

جو میدانِ قیامت میں ہو حاضر
عداوت سے ہو وہ منسوب میری

اصل عربی متن۔ تذکرۃ الخواص الائمہ

(ص ۷۷)

معاویہ کے علاوہ دوسرے اموی گورنر جن کو کہ حضرت علیؓ نے معزول کر دیا تھا بیت المال سمیٹ کر مکہ آ گئے جہاں بی بی عائشہؓ طلحہ اور زبیر خونِ عثمانؓ کا قصاص لینے کے لئے

لوگوں کو بھرتی کرانے میں مصروف تھے۔ معزول گورنر جو خزانے اپنے ساتھ لائے تھے انہیں حضرت علیؓ کے خلاف جنگی تیاریوں پر صرف کیا گیا۔

جنگِ جمل

بی بی عائشہؓ مکمل جنگی تیاریوں کے ساتھ ہزاروں مسلمانوں کو لئے خلیفۂ وقت کے خلاف جنگ کرنے کے لئے نکلیں۔ اس غرض سے انہوں نے اپنا مرکز بصرہ کو بنایا۔ حضرت علیؓ بھی ان باغیوں کی سرکوبی کے لئے ۳۶ھ ربیع الاوّل کے اواخر میں بصرہ کے لئے روانہ ہوئے وہاں پہنچ کر پہلے تو آپ نے ان لوگوں کو سمجھانے کی بہت کوشش کی اور قرآن کو بھی درمیان میں لائے لیکن ان پر کسی بات کا اثر نہ ہوا کہا جاتا ہے کہ زبیر بن العوام کو حضرت علیؓ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سنائی جس پر انہوں نے بی بی عائشہؓ سے علیحدگی اختیار کی اور میدانِ جنگ سے واپس جانے لگے تو راستہ میں انہیں قتل کر دیا گیا۔

باغیوں نے امن کی تمام راہیں مسدود کر دیں تو حضرت علیؓ نے ان کے خلاف زبردست جنگ کی جسے تاریخ میں جنگِ جمل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اس جنگ کے نتیجے میں ہزاروں مسلمانوں کے علاوہ طلحہ بن عبید اللہ اور زبیر بن العوام قتل ہوتے۔ بی بی عائشہؓ کو شکست فاش ہوئی وہ پچھتاوے اور شرمندگی کے احساسات لئے واپس مدینہ چلی گئیں۔ یہ جنگ جمادالثانی (۳۶ھ) کا تقریباً آدھا مہینہ گذرنے پر واقع ہوئی۔

حضرت علیؓ اس جنگ سے فارغ ہو کر مدینہ جانے کے بجائے کوفہ تشریف لے گئے۔ اور وہیں قیام فرمایا تاکہ معاویہ کی بغاوت کو آسانی سے کچلا جا سکے۔

معاویہ کی تیاریاں

حضرت علیؓ ابن ابیطالب ان حالات میں الجھے ہوئے تھے اور معاویہ اس صورتحال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جنگی تیاریوں میں مصروف تھے۔ سب سے بڑی تیاری یہ تھی کہ عمائدینِ شام کو حضرت علیؓ کے خلاف برانگیختہ کیا جائے اور اصحاب رسول کی زیادہ سے زیادہ امداد کر

اپنا ہمنوا بنایا جائے۔

عوام میں ہیجانی کیفیت پیدا کرنے کے لئے معاویہ نے نائلہ (زوجۂ عثمانؓ) کی کٹی ہوئی انگلیاں اور خون آلود کرتا منبر پر لٹکوا دیا۔ لوگ اسے دیکھ کر زارو قطار روتے لوگوں کو یہ بتایا جاتا کہ عثمان کو مظلوم شہید کیا گیا اور اس کے ذمہ دار علیؑ ابن ابیطالب ہیں۔

معاویہ کا قاصد جس کا تعلق بنی عبس سے تھا، حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس سے خط لینے کے بعد زبانی حالات دریافت کئے۔ فرمایا

"کیا خبر لائے ہو۔؟"

اس نے کہا شامی حضرت عثمان کے خون کا قصاص لینے کا پکا ارادہ کر چکے ہیں انہوں نے حضرت عثمان کا خون آلود پیراہن عوام کے لئے لٹکایا ہے جس کے گرد لوگ جمع ہیں اور زارو قطار رو رہے ہیں۔ پھر اس نے کہا شامی آپ کو حضرت عثمان کے خون کا ملزم قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں آپ کے خون کے سوا انہیں کوئی بات منظور نہیں۔"

حضرت علی نے فرمایا۔ "اے اللہ! میں عثمان کے خون سے بری ہوں۔

(تاریخ طبری سوم)

یہ کرتا ایک سال منبر پر رکھا رہا اور انگلیاں ٹنگی رہیں لوگ اس کرتے کو دیکھ کر زارو قطار روتے تھے۔ لوگوں نے قسمیں کھائی تھیں کہ وہ نہ تو اپنی بیویوں کے پاس جائینگے نہ احتلام کے بغیر غسل کریں گے نہ بستروں پر سوئیں گے، نہ ٹھنڈا پانی پئیں گے تا وقتیکہ قاتلین عثمان کو قتل نہ کر دیں اور جو شخص ان کی راہ میں حائل ہو گا اسے فنا کے گھاٹ اتار دینگے یا خود ختم ہو جائینگے کبھی کبھی معاویہ خود اس کرتے کو پہن لیتے اور گلے میں نائلہ کی انگلیاں ڈال لیتے سب کے سب عثمان کے کرتے کو دیکھ کر روتے اور کہتے کہ علیؑ نے عثمان کو قتل کیا۔ (البیان)

یہ صورتحال اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ معاویہ نے عمائدین شام کو یقین دلانے کے لئے کہ عثمان کے قاتل علیؑ ہیں باقاعدہ مہم چلائی اور ان کے سامنے جھوٹی گواہیاں پیش کیں اور جب انہیں یقین آگیا تو ان سے کہا کہ آپ لوگ عوام میں اس بات کو مشہور کر دیں اور انہیں خون عثمان کا قصاص لینے کے لئے جوش دلائیں۔ یہ ساری کارروائی عمرو بن العاص جیسے

عیّار و مکار کے مشورے سے عمل میں آئی۔ عمرو بن العاص نے معاویہ کو مشورہ دیا کہ

"آپ شام کے روسا کو مدد کے لئے لکھئے اور خونِ عثمان کا الزام ان کے (حضرت علیؑ)

کے سر منڈھ کر ان سے جنگ شروع کر دیجئے۔" (طبری جلد سوم)

معاویہ اہلِ شام کو بھڑکانے میں اس لئے کامیاب ہو گئے تھے کہ

ان کے علاقے مسلمانوں کے مرکز مدینہ سے بہت دور واقع تھے۔ چنانچہ ان علاقوں کے مسلمانوں کو تو اسلام اور پیغمبر اسلام کی صحیح معرفت حاصل نہیں تھی وہ علیؑ کو کیا جانتے وہ تو اسی رسولؐ اور اسی اسلام سے واقف تھے جسے معاویہ نے متعارف کروایا تھا۔ معاویہ مسلسل ایک طویل عرصہ سے ان علاقوں پر بلا شرکتِ غیرے مطلق العنانی سے حکومت کر رہے تھے۔ اہلِ شام معاویہ اور بنو امیہ ہی کو سب کچھ سمجھتے تھے۔

معاویہ نے اصحابِ رسولؐ کو بھی اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی، چنانچہ انہوں نے عبداللہ ابن عمر، سعد بن ابی وقاص اور محمد بن مسلمہ کو خط لکھے، لیکن منہ کی کھائی۔ عبداللہ اور سعد دونوں نے حسد کی وجہ سے حضرت علیؑ سے کنارہ کشی اختیار کی تھی لہٰذا معاویہ یہ سمجھ بیٹھے کہ یہ حضرات ان کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ ان دونوں میں تھوڑی سی شرافت اور غیرت باقی تھی کہ وہ علیؑ کے خلاف ایک طلیق باغی کے کہنے میں نہیں آئے۔ محمد بن مسلمہ بنی امیہ کے فرد تھے لیکن عثمان کے مخالفوں میں سے تھے انہوں نے مصر میں عثمان کے خلاف بغاوت پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ معاویہ نے سوچا کہ شاید یہ اسکے حامی بن جائیں اور علیؑ کے خلاف لوگوں کو بھڑکانے میں اہم کردار ادا کریں لیکن محمد بن مسلمہ نے بھی ان کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ معاویہ کے نام محمد کے خط کی چند سطریں ملاحظہ ہوں:

"وہ (عثمان) تم سے امداد کی توقع رکھتے تھے لیکن تم نے قدرت کے باوجود محض اس وجہ سے انکی مدد میں تغافل اور سستی برتی کہ تمہیں مزید حکومت کا موقع ملے۔ تم نے ان کا حق رشتہ داری بھی پسِ پشت ڈال دیا جیسے وہ تم سے کچھ تعلق ہی نہ رکھتے تھے۔ تم سمجھتے تھے کہ ان کے دشمن ان پر فتح پالیں تو تم اپنے گوہرِ مراد کو پہنچو۔ اور

اب تم خونِ عثمان کے قصاص کا بہانہ ڈھونڈ رہے ہو تاکہ حکومت
کا تاج اپنے سر پر رکھ سکو۔ اور مملکت کی انگوٹھی اپنی انگلی
میں پہن لو۔" (روضۃ الصفا جلد ۲ ص ۲۸۷ نولکشور پریس لکھنؤ)

دو پیشہ ور سیاست کے مکار عمرو بن العاص اور مغیرہ بن شعبہ کو جنہیں سُنّی مسلمان اپنی ازلی کوتاہ بینی کے سبب اصحابِ نبیؐ میں شمار کر کے ان کے لئے اللہ کی رضا کے طالب ہوتے ہیں۔ معاویہ کے ہاتھ معقول معاوضہ پر بک گئے۔ معاویہ کی کامیابی میں عمرو بن العاص کے مشوروں کو بڑا دخل ہے۔ عمرو کے بکنے کا حال مورخین نے اسطرح لکھا ہے۔

جب انہیں معلوم ہوا کہ امیر معاویہ نے حضرت علیؑ کی بیعت سے انکار کر دیا تو اپنے دونوں بیٹوں عبداللہ اور محمد سے اپنے لائحہ عمل کے سلسلے میں مشورہ طلب کیا۔ عبداللہ جو کہ نیک اور پاکباز تھے کہنے لگے آپنے اچھا وقت گذارا ہے اب اس فتنے میں پڑ کر اپنی عاقبت خراب کریں اور اس انتشار و خلفشار سے الگ ہی رہیئے آپ سے آنحضرتؐ اور شیخین راضی رہ کر دنیا سے اٹھے اس قدر و منزلت کو ضائع نہ کیجئے۔ مگر دوسرے بیٹے نے کہا آپ تو عرب کے سرداروں میں سے ایک ہیں ایسے وقت میں جبکہ معاملات کی جوڑ توڑ جاری ہے آپ کی غیر حاضری مناسب نہیں میرا مشورہ ہے کہ آپ معاویہ کا ساتھ دیجئے (طبری سوم)

عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ عبداللہ کا مشورہ میرے دین اور میری آخرت کے لئے مفید ہے اور محمد کی بابت میری دنیا کے لئے ۔۔۔ وہ رات بھر طرح طرح کے خیالات میں غلطاں و پیچاں جاگتے رہے حضرت علیؑ کی بیعت گوارہ نہ تھی اس لئے کہ بیعت سے کسی دنیاوی نفع کی امید نہ تھی۔ نہ گورنری مل سکتی تھی اور نہ حکومت میں حصہ۔ لیکن امیر معاویہ کے یہاں گورنری کی خواہش کی تکمیل کے تمام امکان موجود۔ انہوں نے بڑے سوچ بچار کے بعد دنیا پر دین قربان کر دیا۔ اور اپنے بیٹوں کے ساتھ فلسطین سے دمشق روانہ ہوئے انکی دمشق روانگی کا حال مورخین اسطرح لکھتے ہیں کہ عمرو نے یہاں سے روتے ہوئے کوچ کیا۔ وہ بالکل عورتوں کی طرح رو رہے تھے۔ "ہائے عثمان آج میں جیا اور دین دونوں کا ماتم کر رہا ہوں۔ عمرو بن العاص اسطرح روتے ہوئے دمشق پہنچے کہ ان کو اپنے تن بدن کا ہوش نہ تھا۔

غرضکہ اسی طرح مگر مچھ کے آنسو بہاتے ہوئے دمشق پہنچے۔ اور وہاں لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم واقعتاً حق پر ہو اس لئے خلیفۂ مظلوم کے قصاص کا مطالبہ کرو لیکن معاویہ نے عمرو بن العاص کے اس قول پر کوئی توجہ نہ دی۔ عمرو بن العاص نے معاویہ کی اس بے رخی پر اظہار تعجب کرتے ہوئے کہا" یہ جانتے ہوئے کہ حق پر تم نہیں ہو" حق پر تمھارا حریف ہے تمہاری کامیابی اور تمہارا ساتھ دنیا کا راستہ ہے دین کا نہیں۔ میں تمہارا ساتھ دینا چاہتا ہوں ہمیں اس سے جنگ کرنی ہوگی جس کی سبقتِ اسلام، قرابت رسولؐ اور فضیلت سے تم بھی واقف ہو۔ لیکن ہم نے دنیا اختیار کرلی۔

(طبری سوم۔ باب ۱۰)

بہ کچھ عرصہ توقف کے بعد معاویہ نے عمرو کی طرف التفات کیا۔ اور عمرو نے اس شرط پر کہ مصر کی حکومت ہمیشہ کے لئے اسکے حوالے کر دی جائے گی، معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔

(طبری سوم باب۔ ۱۸)

حضرت علی نے ان دونوں مکاروں کو خط و کتابت کے ذریعہ بہت سمجھایا بجھایا۔ تاکہ خونریزی کی نوبت نہ آئے، آپ نے عمرو بن العاص کو لکھا :-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝

بندہ خدا امیرالمومنین کیطرف سے ــــ

عمرو بن العاص کے نام

امابعد :

دنیا (انسان کو) ہر چیز سے چھڑا کر اپنی طرف مائل کر لیتی ہے اور دنیا دار ہمہ تن اسی کے درپے ہو جاتا ہے اس میں سے جتنا حاصل ہوتا جاتا ہے دنیا کی حرص بڑھتی جاتی ہے ـــ اور حاصل شدہ حصہ غیر حاصل شدہ سے بے نیاز نہیں کرتا۔ اس کے علاوہ انسان کو اپنی جمع کردہ اشیاء سے ایک دن جُدا ہونا بھی ضروری ہے پس خوش نصیب وہی ہے جو دوسروں سے

نصیحت حاصل کرے۔ لہٰذا تم معاویہ کی غلط کاری میں ان کا ساتھ
دیکر اپنے اعمال رائیگاں نہ کرو۔ کیونکہ انہوں نے حق کو چھوڑ کر
ناحق کو اختیار کر لیا ہے۔ والسلام

(الاخبار الطوال ص ۴۷، کتاب مکتوبات حضرت علیؑ)

عمرو بن العاص پر حضرت علیؑ کے سمجھانے کا کچھ اثر نہ ہوا چنانچہ آپ نے اسے ایک انتہائی سخت
خط لکھا:۔

بندۂ خدا علیؑ امیر المومنین کی طرف سے نسل بریدہ ابن نسل بریدہ[1]
عمرو بن العاص ابن وائل کے نام جو جاہلیت اور اسلام دونوں میں
محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان کا دشمن رہا۔

راہِ ہدایت پر چلنے والے کے لئے سلامتی ہو۔ امابعد! تم نے اپنی
مروت ایسے فاسق کے لئے ترک کر دی جس کا پردہ فاش ہو چکا ہے
جو اپنی مجلس میں عزت دار پر عیب لگاتا ہے اور اپنی صحبت میں
بردبار کو بے وقوف کہتا ہے۔ اب تمہارا دل اس کے لئے تابع
ہو گیا ہے جیسے ایک مثل مشہور ہے "وافق شن طبقۃ"[2] لہٰذا
اس نے تم سے تمہارا دین و امانت دنیا و آخرت سب کچھ چھین
لیا۔ اللہ تمہارے حال پر واقف ہے۔ پس تم اس بھیڑیے کی طرح
ہو جو رات کے اندھیرے میں اور دن کی روشنی میں شیر کے پیچھے لگا
اس کے چھوٹے بچے کھچے اور اس کے شکار کے بوجھ کی جستجو میں
رہتا ہے لیکن تقدیر سے نجات نہیں۔ وہ اتنا ہی ملتا ہے جتنا

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت قاسمؓ کا انتقال ہوا تو عمرو کے باپ عاص بن وائل نے
حضرت کو ابتر (نسل بریدہ) کہا جس پر یہ آیت نازل ہوئی اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَر۔ اس میں عاص کو
دشمن رسولؐ اور نسل بریدہ فرمایا گیا ہے

[2] ایک ضرب المثل ہے جو کسی کی کامل موافقت پر کہی جاتی ہے۔

تقدیر میں ہو) اگر تم حق اختیار کرتے تو اپنی آرزو ضرور حاصل
کر لیتے، بے شک جس کا قائد حق پر ہو وہ ضرور ہدایت پاتا ہے
اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے تم پر اور جگر خوار ماں (ہندہ) کے بیٹے
(معاویہ) پر قابو دے دیا تو میں تم دونوں کو قریش کے ان ظالموں
سے ملا دوں گا جن کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہؐ کے زمانہ میں
ہلاک فرمایا اور اگر تم (میرے) قبضہ میں نہ آئے اور میرے بعد
باقی رہے تو تمہیں اللہ سمجھے گا۔ اور اس کا انتقام اور عذاب
کافی ہے۔ والسلام

(مکتوباتِ حضرت علیؓ مرتبہ حکیم نبی احمد خان) اسلامی پبلیکیشنز
(لاہور، کراچی، ڈھاکہ)

معاویہ کے ساتھ بھی حضرت علیؓ کی طویل خط و کتابت ہوئی ان خطوط میں حضرت علی مرتضیٰؓ نے معاویہ کو اسلام کے حوالہ سے نصیحتیں کیں اور انہیں ان کی حیثیت یاد دلائی۔ اپنے آپ کو قتلِ عثمانؓ سے بری الذمہ ثابت کیا۔ اور انہیں جتایا کہ تم قصاص خون کے مطالبہ کے حقدار نہیں ہو یہ تو بیعت نہ کرنے کا بہانہ ہے۔

غرضکہ حضرت علیؓ نے انہیں بہت سمجھایا تاکہ خونریزی نہ ہو۔ لیکن وہ بھڑکے رہی۔ ان خطوط میں سے دو خط پہلے نقل کئے جا چکے ہیں۔ اب ہم مزید دو خط نقل کرتے ہیں۔
معاویہ نے حضرت علیؓ کو ایک سخت خط لکھا اسکے جواب میں آپ نے یہ خط تحریر فرمایا!

اما بعد! اے معاویہ! میں ہی تمہارے ماموں، نانا اور بھائی[1]
کا قاتل ہوں، میں نے جس تلوار سے انہیں قتل کیا وہ اب بھی
میرے پاس موجود ہے، میں نے نہ اپنی تلوار کسی دوسری تلوار
سے بدلی، نہ اپنے رب کو کسی دوسرے کے رب سے اور نہ اپنے نبیؐ کو

[1] - نانا عتبہ بن ربیعہ، ماموں ولید بن عتبہ، اور بھائی حنظلہ ابن ابی سفیان۔ یہ
تینوں جنگِ بدر میں حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھ سے مارے گئے۔

کسی دوسرے نبی سے بدلا۔ اب تم جو چاہو کر دیکھو (انشاءاللہ)
تم مجھے ایک بہادر سپاہی ہی پاؤ گے۔ میں ہر گمراہ اور سرکش
سے مقابلہ کرنے کو تیار رہتا ہوں۔ والسلام

(العقد الفرید جلد ۲ ص ۲۴۳ ـ مکتوبات حضرت علیؓ)

حضرت جریر ایک یمنی صحابی تھے۔ حضرت علیؓ نے انہیں معاویہ کے پاس اپنا یہ خط دیکر بھیجا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امابعد!

(اے معاویہ) اگرچہ تم شام میں تھے لیکن میری بیعت مدینہ میں تم پر لازم آ گئی تھی کیونکہ میرے ہاتھ پر انہیں لوگوں نے بیعت کی تھی جنھوں نے ابوبکر اور عثمان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ اور یہ بیعت بھی اسی خلافت پر تھی جس پر یہ لوگ پہلے خلفاء کی بیعت کر چکے تھے (اسکے بعد پھر نہ کسی حاضر کو کوئی اختیار باقی رہا نہ کسی غائب کو حق استرداد اور حقیقت میں شوریٰ کا حق بھی مہاجر اور انصار ہی کا ہے جب وہ کسی شخص پر اتفاق کر لیں اور امام بنا لیں تو اس کو خدا کی پسند اور رضا سمجھنا چاہیئے۔ اس کے بعد اگر کوئی شخص ان کی جماعت سے نکل جاتا ہے تو اول وہ اسے لانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن اگر وہ واپسی سے انکار کر دے تو مسلمانوں کے خلاف چلنے کے جرم میں اس سے جنگ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ بھی اس کی پسندیدہ چیز اسے عطا فرمائے گا۔ اور اسے دوزخ میں جو بہت بری جگہ ہے داخل فرمائے گا۔

دیکھو معاویہ! طلحہ اور زبیر نے پہلے تو میرے ہاتھ پر بیعت کی

پھر توڑ دی۔ ان کا یہ فعل ایک طرح کا ارتداد تھا۔ اس پہ ہر طرح کی کوشش کے بعد مجھے ان سے لڑنا پڑا جس میں حق بات ہو کے رہی اور اللہ تعالیٰ کا وہ حکم نافذ ہو کے رہا جسے وہ کسی طرح پسند نہیں کرتے تھے۔ (مجھے فتح ہوئی اور میری خلافت قائم رہی)

لہٰذا اب تمہیں بھی چاہیئے کہ عام مسلمانوں کی طرح تم بھی میری بیعت میں آجاؤ کیونکہ تم اور تمہارے ساتھیوں کے حق میں سب سے بہتر بات عافیت ہی ہے یہ اور بات ہے کہ تم عثمان کے قتل کے بارے میں بہت کچھ کہہ رہے ہو۔ تو دیکھو پہلے تم بیعت کرو، پھر قوم کو لے کر مجھ سے فیصلہ کرانے کے لئے آؤ تو میں کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق تمہارا ان کا فیصلہ کر دوں گا۔ رہی وہ بات جس کا تم نے تہیہ کیا ہوا ہے (قصاص حضرت عثمانؓ) تو یہ اس فریب کی طرح ہے جو بچے کو دودھ چھڑاتے وقت دیا جاتا ہے میں دعوے سے کہتا ہوں اگر تم خواہشات کے تحت نہیں بلکہ عقل سے غور کرو گے تو عثمان کے خون کے معاملے میں مجھے سب سے زیادہ بری پاؤ گے۔ معاویہ دیکھو، تم طلقاء (فتح مکہ کے دن ازراہِ کرم چھوڑے ہوئے افراد) میں سے ہو جن کو نہ خلافت جائز ہے اور جو نہ امام بن سکتے ہیں اور نہ جنھیں شوریٰ میں شرکت ہی کا حق ہے) میں تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے پاس جریر کو بھیج رہا ہوں، یہ صاحبِ ایمان اور مہاجرین و سابقین میں سے ہیں لہٰذا اب بھی بیعت کر لو اور (یاد رکھو) کہ خدا کے سوا کسی میں کوئی طاقت نہیں۔

(الامامۃ والسیاسۃ ص ۹۳ تذکرۃ خواص الائمۃ ص ۹۵ العقد الفرید ۲/۳/۲۳ ۔ اور مکتوبات حضرت علیؓ)

حضرت جریرؓ (جنھیں حضرت علیؓ نے یہ خط دے کر معاویہ کے پاس بھیجا تھا) تین مہینے تک

معاویہ کے پاس پڑے رہے۔ اس پر حضرت علیؓ نے انھیں یہ خط تحریر کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تم میرا یہ خط ملتے ہی معاویہ کو صاف اور دو ٹوک فیصلہ پر آمادہ
کرو اور کہہ دو کہ تباہ کن جنگ اختیار کرتے ہو یا انفعال کے ساتھ صلح؟
اس پر اگر وہ جنگ پسند کریں تو جنگ کا اعلان کر دو اللہ تعالیٰ خیانت
کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور صلح پسند کریں تو بیعت لے لو
اور میرے پاس چلے آؤ۔ والسلام

(العقد الفرید ۲/۲۳۲ اور مکتوبات حضرت علیؓ)

یہ خط پہنچنے پر معاویہ نے جریر سے کہا کہ میری رائے ہے کہ میں علیؓ کو لکھوں کہ وہ شام اور مصر میرے حوالے کردیں اور اپنی وفات کے بعد کسی دوسرے کی بیعت کا بار میری گردن پر نہ ڈالیں اس کے بدلے میں میں ان کی خلافت تسلیم کر لوں۔

جریر نے کہا "آپ جو چاہیں لکھیں" لہٰذا معاویہ نے حضرت علیؓ کو یہی لکھ دیا جب یہ خط حضرت علیؓ کے پاس پہنچا تو آپ نے جریر کو دوبارہ خط لکھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اما بعد!

مصر و شام طلب کرنے سے معاویہ کی غرض صرف یہ ہے کہ ان کی
گردن میں میری بیعت (کا قلادہ) نہ ہو اور وہ من مانی کارروائیاں
کریں، اور ان کا یہ بھی ارادہ معلوم ہوتا ہے کہ دلیت و لعل کر کے
تمہیں تنگ کریں اور ٹالتے رہیں تا آنکہ اہل شام (کی وفاداری)
کو جانچ لیں۔ اس کے متعلق تو جب میں مدینہ میں تھا اسی وقت
مغیرہ ابن شعبہ نے مجھے توجہ دلائی تھی کہ شام پر معاویہ کو گورنر رہنے
دوں اور میں نے انکار کر دیا تھا۔ خدا مجھے آیندہ وہ دن نہ دکھائے
کہ مجھے گمراہوں کو اپنا مددگار بنانا پڑے لہٰذا اگر معاویہ تمہاری بیعت

کرلیں تو خیر ورنہ تم چلے آؤ۔ والسلام

(الامامت والسیاست ص ۹۵ اور مکتوبات حضرت علیؑ)

جنگِ صفین (۳۶ھ ۳۷ھ)

اس خط و کتابت کا کوئی نتیجہ نہ نکلا تو امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے حکم سے وادی نخلیہ میں اطراف و جوانب سے فوجیں جمع ہونا شروع ہوگئیں، یہاں تک کہ ان کی تعداد اسی ہزار سے تجاوز کر گئی۔

حضرت علیؑ اور معاویہ کی فوجوں کی تعداد دو صفین نے علی الترتیب ۹۰ ہزار اور پچاسی ہزار بتاتی ہے (مسعودی) حضرت علیؑ نے مقدمۃ الجیش کے طور پر پہلے ۸ ہزار کا دستہ نضر حارثی کی قیادت میں اور پھر ۴ ہزار کا دستہ شریح بن ہانی کے ماتحت روانہ کیا۔ اس کی روانگی کے بعد لشکر لیکر آپ ۵ شوال ۳۶ھ کو معاویہ سے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے، مقام رقہ پر پہنچ کر دریائے فرات کو کشتیوں کے پل کے ذریعہ عبور کیا۔ وہاں آپ کی ملاقات اپنے ہراول دستوں سے ہوئی انہوں نے حضرت علیؑ کو بتایا کہ معاویہ اپنی فوجوں کے ساتھ فرات کی طرف بڑھ رہا ہے چونکہ وہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے لہٰذا امیر المومنین کے انتظار میں ٹھہر گئے۔ حضرت علیؑ نے ان کا عذر قبول فرمایا۔ اور انہیں آگے جانے کا حکم دیا۔ جب یہ فصیلِ روم کے قریب پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ ابوالاعور سلمی شامی فوج کے ساتھ پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔ چنانچہ حضرت علیؑ کو اس کی اطلاع دی گئی۔ آپ نے جناب مالک اشتر کو ان کی مدد کے لئے روانہ کیا۔ اور ہدایت فرمائی کہ انہیں سمجھانے کی کوشش کی جائے اور جنگ میں پہل نہ کی جائے۔ مالک اشتر نے وہاں پہنچ کر ایسا ہی کیا۔ لیکن ابوالاعور نے رات کو اچانک حملہ کر دیا۔ اور جنگ شروع ہوگئی۔ مالک کی فوجوں کے جوابی حملے کی تاب نہ لا کر ابوالاعور بھاگ کھڑا ہوا۔ صبح ہوتے ہی پھر جنگ شروع ہوگئی۔ مالک اشتر نے ابوالاعور کو پیغام بھیجا کہ اگر تجھ میں ذرا مردانگی ہے تو میرے مقابلے کیلئے نکل آ۔ لیکن ابوالاعور مالک سے مقابلے کی جرأت نہ کر سکا۔ شام ہوتے ہوتے وہاں سے اپنا پڑاؤ اٹھالیا اور آگے کی طرف روانہ ہوگیا۔ دوسرے

دن حضرت علیؑ فوج کے ساتھ اپنے مقدمۃ الجیش کے پاس پہنچ گئے اور پھر سارا لشکر حضرت علیؑ کی سربراہی میں صفین کی طرف روانہ ہوگیا۔ اور ذی الحجہ کا مہینہ شروع ہونے سے دو دن پہلے صفین پہنچ گیا۔ لیکن معاویہ اپنے لشکر کے ساتھ وہاں پہلے ہی سے موجود تھا۔

معاویہ نے پہلے پہنچنے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے فرات کے گھاٹ پر قبضہ کرلیا۔ حضرت علیؑ کے لشکریوں نے پانی کی شکایت کی۔ آپ نے صعصعہ بن صوحان کی معرفت معاویہ سے کہلا بھیجا کہ ہم تم سے اس وقت تک نہیں لڑتے جب تک تمہارے عذر نہیں سُن لیتے مگر تمہارے لشکریوں نے پہلے ہی لڑائی چھیڑ دی پھر بھی ہم یہ مناسب سمجھتے ہیں کہ تم کو راہِ حق کی دعوت دیں۔ اور جب تک حجت تمام نہ کرلیں لڑائی شروع نہ کریں۔ تم نے فرات پر قبضہ کرکے پانی روک دیا ہے۔ لوگوں کا پیاس سے برا حال ہے تم اپنے ہمراہیوں کو حکم دو کہ جب تک متنازعہ امور کا فیصلہ نہ ہو جائے اس وقت تک ہمیں پانی لینے سے نہ روکیں اور اگر تم یہ چاہتے ہو کہ جس غرض سے ہم آئے ہیں اس کو چھوڑ کر پانی پر لڑ پڑیں اور جو غالب ہو وہ پانی اپنے مصرف میں لائے تو ہم اس پر بھی تیار ہیں۔

معاویہ نے اپنے رفیقوں سے رائے لی عمرو بن العاص نے پانی پر سے قبضہ اٹھانے کی رائے دی۔ ابنِ ابی سرح اور ولید بن عقبہ بولے پانی سے قبضہ نہ اٹھایا جائے اور ان کو پانی نہ دیا جائے جس طرح ان لوگوں نے امیر المومنین عثمان کو پانی نہیں دیا۔ اور پیاسا شہید کیا۔ ویسے ہی ان لوگوں کو بھی پیاسا مارنا چاہیئے، صعصعہ اور ولید و ابنِ ابی سرح میں سختی سے گفتگو ہونے لگی پھر سب وشتم تک نوبت آگئی۔ بالآخر صعصعہ نے واپس آکر اشتر سے کل واقعہ بیان کیا اور امیر المومنین حضرت علیؑ کو اس سے مطلع کیا۔ ادھر معاویہ نے ابوالاعور سلمی کو حکم دیا کہ امیر المومنین حضرت علیؑ کی فوج پانی نہ لینے پائے۔

حضرت علیؑ کی فوج سے اشعث بن قیس کندی نے پانی لانے کی اجازت چاہی امیر المومنینؑ نے اجازت دیدی، اشعث چند سواروں کو لے کر آگے بڑھے، معاویہ نے ابوالاعور کی مدد پر یزید بن اسد قسری کو اور ان کے بعد عمرو بن العاص کو روانہ کیا۔ حضرت علیؑ نے اشعث کی کمک پر شبث بن ربعی کو اور بعد میں مالکِ اشتر کو بھیجا۔ پہلے دونوں کی طرف سے تیر چلے پھر نیزے چلے

آخر میں تلواریں نکل آئیں علیؑ کے لشکر نے اس تیزی سے حملے کیے کہ شامیوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اور اشتر اور ان کے ہمراہی گھاٹ پر قابض ہو گئے۔ ان لوگوں کا بھی قصد ہوا کہ معاویہ کے لشکر پہ پانی بند کردیں لیکن امیرالمومنین حضرت علیؑ نے انہیں اس ارادے سے باز رکھا۔

(ابن خلدون حصہ اوّل ۔حصّہ اوّل)

معاویہ عمرو بن العاص سے بولے ۔" اس شخص کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے جس نے ہمارے ساتھ پہلے ہی قدم پر وہ سلوک کیا ہے جو ہم اس کے ساتھ کرنے کا ارادہ کر رہے تھے؟"

معاویہ کے اس سوال پر عمرو بن العاص نے کہا ۔" اس شخص کے بارے میں میری رائے یہ ہے کہ یا تو ہم اس کی اطاعت پر مجبور ہو جائیں گے ورنہ اس کی تلوار ہم میں سے کسی فرد کی رگِ گلو تک پہنچے سے پہلے نہیں رکے گی ۔ رہی پانی کی بات تو وہ حد سے زیادہ حق پرست اور دین دار شخص ہے ' لہٰذا ہم میں سے کسی کو پیاسا رہنے پر مجبور نہیں کرے گا۔

(مروج الذہب دوم)

عمرو بن العاص کی آخری بات بالکل درست نکلی ۔حضرت علیؑ نے پوری فراخدلی کے ساتھ اپنے بدترین دشمن کے لئے گھاٹ کھول دیا۔

یہ مرحلہ طے ہو جانے کے بعد حضرت علیؑ نے بشیر بن عمرو بن محصن الانصاری ' سعید بن قیس الہمدانی ' اور شیث بن ربعی التمیمی کو معاویہ کے پاس بھیجا تاکہ انہیں نشیب و فراز سمجھائیں اور بیعت کے لئے آمادہ کریں لیکن ان لوگوں کی گفتگو کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔

(طبری ۔ ابن الاثیر)

اس سفارت کی ناکامی کے بعد جنگ کا سلسلہ شروع ہو گیا اور ذی الحجہ ۳۶ھ کے پورے مہینے جنگ جاری رہی طبری لکھتا ہے کہ حضرت علیؑ روزانہ ایک ممتاز شخص کو معاویہ کے مقابلے پر روانہ فرماتے اسی طرح معاویہ کی جانب سے بھی ایک دستہ میدان میں نکلتا ۔دونوں میں جنگ ہوتی اور کچھ دیر کے بعد دونوں واپس لوٹ جاتے ۔اس جنگ میں سوار بھی شریک ہوتے اور پیدل بھی ' اور دونوں لشکر کھل کر جنگ کرنا نہیں چاہتے تھے ۔کیونکہ اس میں زبردست تباہی کا سامنا ہوتا اور بڑی بربادی ہوتی۔

حضرت علیؑ ' اشتر ' حجر بن عدی الکندی ' شیث بن ربعی ' خالد بن المعمر ' زیاد بن النضر الحارثی

زیاد بن خصفتہ التیمی، سعید بن قیس، معقل بن قیس اور قیس بن سعد میں سے ایک ایک کو امیر بنا کر بھیجتے۔ اور اکثر و بیشتر اشتر کو روانہ کیا جاتا۔

معاویہ کی جانب سے عبدالرحمٰن بن خالد ابوالاعور سلمی، حبیب بن مسلمہ الفہری۔ ابن ذی الکلاع الحمیری، عبیداللہ بن عمر خطاب، شرحبیل بن السمط الکندی، اور حمزہ بن مالک الہمدانی لشکر لیکر نکلتے، یہ جنگ ماہ محرم (۳۷ھ) کی حرمت میں روک دی گئی۔

ماہ صفر کی پہلی تاریخ کو صبح ہوتے ہی شامی اور عراقی لشکر ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہو گئے عراقی لشکر کی کمان اشتر کر رہے تھے اور شامی لشکر کی کمان حبیب بن مسلمہ الفہری کر رہے تھے۔ دونوں لشکروں میں گھمسان کی جنگ ہوئی، یہ سلسلہ غروب آفتاب تک جاری رہا۔

دوسرے دن حضرت علیؑ نے سعد بن ابی وقاص کے بھتیجے ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص عرف مرقال کو آگے بڑھایا۔ وہ حضرت علیؑ کے طرفداروں میں سے تھے۔ اور تیز رفتاری کی وجہ سے مرقال کے نام سے مشہور ہوئے۔ جنگ یرموک میں ان کی ایک آنکھ جاتی رہی تھی انہوں نے اس جنگ میں بڑی استقامت کے ساتھ داد شجاعت دی تھی۔

ادھر سے معاویہ نے ابوالاعور سلمی کو جو معاویہ کے طرفداروں اور حضرت علیؑ کے مخالفین میں سے تھا، آگے بڑھا۔ اس روز بھی گھمسان کا رن پڑا، اور دونوں فریق رات کو اپنے اپنے ٹھکانوں پر لوٹ آئے۔

تیسرے دن حضرت علیؑ نے جناب عمار یاسرؓ کو کچھ بدری صحابہؓ اور دوسرے مہاجرینؓ انصار کے ساتھ آگے بڑھایا۔ عمار یاسر نے ایسے جوش و خروش سے حملے کئے کہ عمرو بن العاص تاب نہ لا سکے اور اپنی فوج کے ساتھ بھاگ کھڑے ہوئے۔

چوتھے دن حضرت علیؑ نے اپنے بیٹے محمد حنفیہؓ کو ایک دستہ کے ساتھ میدان میں بھیجا، اُدھر سے معاویہ نے عبیداللہ ابن عمر بن خطاب کو شامی فوج کے ساتھ آگے بڑھایا۔ اس روز

[1] یہ وہی عبیداللہ ابن عمر ہیں جنہوں نے عمر بن خطاب کی وفات کے بعد غیظ و غضب کے عالم میں تین قتل کر دیئے تھے۔ انہیں شبہ تھا کہ یہ ان کے والد کے قتل میں شریک ہیں۔ جناب عثمان نے انہیں معاف کر دیا تھا۔ لیکن حضرت علیؑ اور چند ایماندار صحابہ کو عثمان کے اس فیصلے سے (باقی دوسرے صفحہ پر)

بھی شام تک گھمسان کی جنگ ہوئی لیکن عبید اللہ دوپہر کو زخمی ہو کر میدان جنگ سے واپس چلے گئے۔

حضرت علی نے لڑائی کے پانچویں دن پہلے عبداللہ ابن عباس کو آگے بھیجا تو ادھر سے معاویہ نے انکے مقابلے کے لئے ولید[1] بن عقبہ بن ابی معیط کو بڑھایا، عبداللہ بن عباس نے دیر تک اس سے سخت جنگ کی اور آخر میں ولید کو قتل کر کے بولے "اے صفوان اب اٹھ کر مجھ سے بات کر! (صفوان ولید کا لقب تھا) اس روز کی شدید جنگ میں عبداللہ بن عباس ہی کو غلبہ حاصل رہا۔

لڑائی کے چھٹے دن حضرت علیؓ نے سعید بن قیس ہمدانی کو آگے بڑھایا وہ اس روز آپکی طرف سے رسالہ کی کمان کر رہے تھے' انکے مقابلے کے لئے معاویہ نے ذی کلاع کو بھیجا' ان دونوں میں دوپہر تک مقابلہ ہوتا رہا لیکن اسکے بعد دونوں زخموں سے چور ہو کر اپنے دستوں کے ساتھ واپس چلے گئے۔

لڑائی کے ساتویں روز حضرت علیؓ نے اپنے اطاعت گذاروں اور میدانِ جنگ میں سب سے زیادہ دادِ شجاعت دیتے ہوئے دشمنوں کو کثیر تعداد میں قتل کرنے والوں میں سے اشتر کو آگے بھیجا تو ادھر سے معاویہ نے انکے مقابلے کے لئے حبیب بن مسلمہ فہری کو بھیجا' ان دونوں میں اتنی شدید لڑائی ہوئی کہ موت کئی بار ان کے قریب سے ہو کر گذر گئی البتہ شدید زخمی ہونیکے باوجود وہ دونوں لقمۂ اجل ہونے سے بچ گئے۔

جب شام کو وہ دونوں اور انکے ساتھی اپنے اپنے لشکروں میں واپس ہوئے تو اس وقت تک اہلِ شام کثیر تعداد میں زخمی ہو چکے تھے بلکہ ان میں سے قریباً سبھی زخمی تھے۔

جنگ صفین کا آٹھواں دن بدھ کا تھا اس روز حضرت علیؓ' بدری صحابہؓ اور دوسرے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ | سے اختلاف تھا۔ انہوں نے اسکا برملا اظہار بھی کیا لیکن عثمان پر اسکا کچھ اثر نہ ہوا۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے عبیداللہ سے مخاطب ہو کر کہا "اچھا کوئی بات نہیں!! اگر کبھی مجھے حکومت ملی تو میں تم سے نقاص ضرور لونگا جب حضرت علیؓ خلیفہ ہوتے تو عبیداللہ بن عمر معاویہ کے پاس بھاگ گیا

[1] ولید وہ شخص تھا کہ جو بنی عبدالمطلب کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ اس نے عثمان کے دورِ خلافت میں کوفہ کے گورنر کی حیثیت سے نشہ کی حالت میں فجر کی نماز دو رکعت کے بجائے چار رکعت پڑھادی اور کہا کہ اگر کہو تو دو رکعت اور پڑھا دوں۔

انصار و مہاجرین اور بنی ربیعہ کے علاوہ ہمدانیوں کو ساتھ لے کر بنفسِ نفیس میدانِ جنگ میں تشریف لائے ابنِ عباس کی روایت کے مطابق اُس روز آپؑ کے سر پر سفید عمامہ تھا، اور دونوں آنکھیں[2] روشن چراغ معلوم ہو رہی تھیں۔ آپ نے اپنے ساتھیوں کی کئی ان صفوں میں پہنچ کر انہیں مخاطب فرمایا ———

"مسلمانو! اپنی آوازیں برابر رکھو، اپنے کردار کی تکمیل بزرگانِ ملت کی طرح کرو، ایک دوسرے سے درختوں کی شاخوں کی طرح پیوست ہو کر لڑائی سے قبل اپنی تلواریں سنبھال لو، نیزوں اور تیروں کو درست حالت میں رکھو، اپنی طرف سے دل میں صرف بھلائی کا خیال رکھو۔ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے، تم اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی کے ساتھ ہو، لہٰذا لڑو تو جم کر لڑو، صبر و استقامت کا مظاہرہ کرو۔ اور ہر حالت میں فرار سے اجتناب کرو تاکہ آخر میں شرمندہ نہ ہونا پڑے۔ اور روزِ حشر آتشِ جہنم کا سامنا نہ ہو، تمہارے دشمنوں کا جمِ غفیر ہے جس کا ہر فرد سر تا پا فولاد میں غرق ہے، انہیں بڑی سے بڑی ضرب لگاؤ، کیونکہ ان کے سروں پر شیطان سوار ہے اور زیرِ قدم مکر و فریب کا فرش ہے تم ان کے مقابلے کیلئے اس طرح آگے بڑھو کہ وہ ہمیشہ یاد رکھیں تا آنکہ حق روشن ہو کر سامنے آجائے تم بہترین لوگ ہو یہاں اپنے نیک عمل کو چھوڑ نہ بیٹھنا۔

مندرجہ بالا خطبہ کے بعد حضرت علیؑ بالکل رسول اللہ کی طرح جنگ کے لئے آگے بڑھے۔ ان کے مقابلے کے لئے معاویہ بہت سے شامیوں کو لے کر نکلے شام کے وقت جب فریقین واپس ہوئے تو فاتح کوئی نہ تھا۔

جنگ کے نویں روز بھی جو جمعرات کا دن تھا حضرت علیؑ پھر میدان میں آئے تو ان کے

مقابلے کے لئے خود معاویہ اپنی صفوں سے آگے آئے اور سورج ڈھلنے تک دونوں لشکروں میں جنگ ہوتی رہی معاویہ کا ایک گروہ جو چار ہزار صخری جوانوں پر مشتمل تھا جن کا لباس سبز رنگ کا تھا حضرت علیؑ کے مقابلے میں یقیناً وہ اپنی موت کو دعوت دینے آئے تھے لیکن ان کے لبوں پر خون عثمان کے قصاص کا نعرہ تھا۔ ان کے آگے آگے عبید اللہ بن عمر خطاب تھے۔ اس روز کی جنگ میں لوگ کثیر تعداد میں قتل ہوئے۔

عمّارِ یاسرؓ کا جوش و خروش

آپ فرماتے تھے کہ میں اُن لوگوں کا منہ کیا دیکھوں جن کے کردار کی پستی کا یہ عالم ہے کہ وہ حق سے روگردانی کر کے باطل کے لئے جنگ کر رہے ہیں ہمیں شکست نہیں ہو سکتی جب تک ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش نہ ہو لیکن یہ ناممکن ہے کیونکہ ہم حق پر ہیں۔ اور یہ لوگ باطل کی حمایت کر رہے ہیں۔

جب عمّار یاسر میدانِ جنگ سے واپس آئے تو انہیں سخت پیاس لگ رہی تھی، اس وقت کسی عورت نے انہیں دودھ سے لبریز پیالہ پیش کیا جسے دیکھ کر وہ بولے۔ "اللہ اکبر! آج کا دن زندگی کا سب سے بہتر دن ہے، مجھے مخبر صادق نے اسی دن کی خبر دی تھی اور بالکل سچ فرمایا تھا۔" اسکے بعد انہوں نے کہا۔ "اے لوگو! کیا آج زیر آسمان اللہ کی طرف سے بھیجی ہوئی خوشبو تم محسوس کر رہے ہو۔ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں اس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی میں ہم اسکے دشمنوں سے لڑتے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے احکام کا صحیح مفہوم سمجھتے ہوئے آج بھی دشمنانِ دین سے اسی طرح لڑیں گے۔ یہ کہہ کر وہ میدانِ جنگ کی طرف لوٹ گئے۔ ان کے لبوں پر یہ شعر تھے۔

ترجمہ:۔

جسطرح ہم رسول اللہؐ کے زمانے میں تم سے لڑتے تھے آج بھی ویسے ہی لڑیں گے

تاکہ آپ کے دوست دشمن میں تمیز ہو جائے اور باطل کے مقابلے میں حق ظاہر ہو جائے

آپ پر تیروں کی بارش ہونے لگی لیکن آپ دشمن کی صفیں چیرتے ہوئے گھستے چلے گئے۔

اور اتنا آگے بڑھ گئے کہ ابو الغادیہ عاملی اور ابن جون سکسکی نے موقع پاکر انہیں قتل کر دیا۔
جب عمارؓ بن یاسر کے قاتلوں کو عبداللہ بن عمرو بن العاص کے سامنے پیش کیا گیا۔
تو وہ بولے۔

"میرے سامنے سے دور ہو جاؤ۔ میں نے رسول اللہ صلعم کا یہ ارشاد سنا ہے کہ "میں قریش کی وجہ سے عمار کو چاہتا ہوں، قریش میں جو اچھے اوصاف ہیں وہ عمار کے اوصاف کا پر تو ہیں کسی دن انہیں جنت کی دعوت دیں گے، لیکن وہ (قریش) انہیں دوزخ میں گھسیٹنا چاہیں گے۔

عمار یاسرؓ کے جنازے کی نماز حضرت علیؓ نے پڑھائی لیکن انہیں غسل نہیں دیا گیا۔ بلکہ ویسے ہی دفن کر دیا گیا۔ ان کی قبر صفین میں ہے عمار یاسرؓ کی موت پر حجاج بن عزیہ انصاری نے ایک بڑا دردناک و پراثر مرثیہ بھی کہا ہے۔

حذیفہ بن یمان اور ان کے بیٹے

حذیفہ بن یمان رسول اللہؐ کے انتہائی مقرب صحابی اور رازدار تھے۔ جب حضرت عثمان کو قتل کیا گیا اس وقت آپ کوفہ میں بیمار پڑے تھے، انہیں عثمان کے قتل اور اہل مدینہ کی طرف سے حضرت علیؓ کی بیعت کی خبر ملی تو انہوں نے چلا کر کہا "مجھے مکان سے باہر لے چلو، لوگوں کو بلاؤ کہ شکرانہ کی نماز ادا کریں۔ جب انہیں مسجد میں لے جایا گیا تو انہوں نے منبر پر بیٹھ کر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمد و ثنا، کے بعد آلِ رسولؐ پر درود بھیجا اور پھر فرمایا:

"لوگو، دوسرے لوگوں نے علیؓ کی بیعت کر لی ہے تم پر بھی لازم ہے کہ تقویٰ اختیار کر کے ان کی بیعت کے بعد ان کی مدد بھی کرو۔ علیؓ اول و آخر حق پر ہیں وہ تمہارے نبیؐ کے بعد اب تک ہر شخص سے افضل ہیں اور قیامت تک رہیں گے۔"

لہ۔ وادی عقبہ میں رسول اللہ پر منافقوں کے خفیہ و ناکام حملے کے بعد عمر بن خطاب انہیں سے پوچھا کرتے تھے کہ "کیا رسول اللہ مجھے بھی منافقوں میں شمار کرتے تھے۔ آپ صحیح جواب دینے کے بجائے ہمیشہ ٹال جایا کرتے تھے رسول اللہؐ نے انہیں منافقوں کے نام بتا دیئے تھے اور ہدایت کردی تھی کہ کسی کو نہ بتائیں۔

اس کے بعد انھوں نے اپنے ہاتھ پر داہنا ہاتھ رکھ کر کہا "اے اللہ! تو گواہ رہنا کہ میں نے حضرت علیؑ کی بیعت کر لی ہے" پھر بولے "یا اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے آج تک زندہ رکھا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے دونوں بیٹوں سعد و صفوان سے کہا "اب تم مجھے اٹھا کر گھر لے چلو اور دیکھو تم علیؑ کا ہمیشہ ساتھ دینا کیونکہ انھیں متعدد لڑائیاں پیش آئیں گی جن میں بے شمار لوگ قتل ہوں گے۔ تم ان کا ساتھ دینے سے کبھی نہ چوکنا۔ کیونکہ وہی درحقیقت حق پر ہیں اور جو اُن کے مخالف ہیں وہ باطل کی پیروی کر رہے ہیں۔

اس گفتگو کے سات دن کے بعد اور بعض کے مطابق چالیس دن بعد حذیفہؓ نے کوفہ میں وفات پائی۔

حذیفہ کے ان دونوں فرزندوں نے باپ کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے جنگِ صفین میں حضرت علیؑ کا ساتھ دیا۔ اور لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

عبید اللہ بن عمر بن خطاب کا قتل

عبید اللہ میدانِ جنگ میں جانے کے لئے اٹھے تو ان کی بیویاں ان کے جسم پر ہتھیار سجانے لگیں لیکن ان کی ایک بیوی شیبانیہ بنتِ ھانی ان کے خیمہ میں نہیں آئیں۔ یہ دیکھ کر وہ خود ان کے خیمے میں گئے اور ان سے بولے تم یہاں کیا کر رہی ہو جب کہ میں میدانِ جنگ میں جانے کی تیاری کر رہا ہوں۔ شیبانیہ نے کہا مجھے بتلائیے اس کا مقصد کیا ہے؟ آپ نے زمانۂ اسلام یا اس سے قبل زمانۂ جاہلیت میں کتنی لڑائیوں میں حصہ لیا ہے؟ میں تو یہ سمجھتی ہوں کہ آپ اس لڑائی میں صرف اس لئے شریک ہو رہے ہیں کہ جو شخص حق پر ہے وہ ویسے بھی قتلِ ہرمزان کے قصاص میں آپ کو قتل کر دیتا۔

عبید اللہ طیش میں بھرے ہوئے اسکے خیمے سے نکل کر گھوڑے پر سوار ہوئے اور اس کا رخ میدانِ جنگ کی طرف موڑ دیا۔ جب وہ میدانِ جنگ میں پہنچے تو حریث بن جابر حنفی نے پہلے ان پر آوازے کسے پھر دست بدست لڑائی میں انہیں قتل کر دیا۔ بعض مورخین کہتے ہیں کہ انہیں اشتر نے قتل کیا۔ اور کچھ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ حضرت

علیؓ کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ حضرت علی انہیں قتلِ ہرمزان کے قصاص میں قتل کرنا چاہتے تھے چنانچہ آج جب اُن پہ آپ کی نظر پڑی تو آپ نے ان کے سر پر ایسی بھرپور تلوار ماری کہ وہ ان کا خود کاٹتی ہوئی ان کے بالائی جسم سے گذر کر ان کے پیٹ تک جا پہنچی۔ اور اس طرح آپ نے انہیں قتل کر کے کہا: "میں آج قتلِ ہرمزان سے سبکدوش ہوا ہوں۔"

لیلۃ الہریر:

نواں دن گذرنے کے ساتھ ساتھ جناب عمار یاسرؓ اور حضرت علیؓ کے لشکر کے علمدار ہاشم بن عقبہ شہید ہو گئے تو حضرت علیؓ نے قبیلہ ہمدان اور ربیعہ کے جوانمردوں سے کہا کہ تم میرے لئے بمنزلہ زرہ اور نیزے کے ہو، اٹھو اور ان باغیوں کو کیفر کردار تک پہنچاؤ۔ چنانچہ ربیعہ و ہمدان کے بارہ ہزار نبرد آزما شمشیر بکف اٹھ کھڑے ہوئے۔ لشکر کا علم حصین بن منذر نے اٹھایا اور دشمن کی صف میں گھس کر اس طرح تلواریں چلائیں کہ سر کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ لاشوں کے انبار لگ گئے۔ اور ہر طرف خون کا سیلاب بہنے لگا۔ مگر ان شمشیر زنوں کے حملے کسی طرح رکنے میں نہ آتے تھے۔ یہاں تک کہ دن اپنی ہولناکیوں کے ساتھ سمٹنے لگا اور شام کے بھیانک سائے پھیلنے لگے۔ اور دہشت انگیز اور بلاخیز رات شروع ہوئی جسے تاریخ میں "لیلۃ الہریر" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جس میں ہتھیاروں کی کھڑکھڑاہٹ اور گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز اور شامیوں کی چیخ و پکار کی وجہ سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ تیراندازوں کے ترکش خالی ہو چکے تھے۔ نیزوں کی چوبیں ٹوٹ چکی تھیں صرف تلواروں سے دست بدست لڑائی ہوتی رہی اور کشتوں کے پشتے لگتے رہے۔ صبح ہوتے ہوئے مقتولین کی تعداد تیس ہزار سے تجاوز کر گئی۔

جنگ کے دسویں روز ایک دن اور تمام رات کی لڑائی کے بعد بھی فوجوں کے وہی دم خم تھے، اشتر بدستور میمنہ پر اور عبداللہ ابن عباس میسرہ پر تھے۔ حضرت علیؓ لشکرِ شام کی صفوں کو چیرتے ہوئے معاویہ کے خیمے تک جا پہنچے اور انہیں آواز دے کر کہا "معاویہ! ہزاروں مسلمانوں کا خون کیوں کرا رہے ہو؟ نیابتِ رسولؐ کا مسئلہ میرا اور تمہارا قضیہ ہے بہتر ہے

کہ تم باہر آکر میرا مقابلہ کرو تاکہ فیصلہ ہو جائے۔

حضرت علیؓ کی یہ باتیں عمرو بن العاص نے بھی سنیں جو اس وقت معاویہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے معاویہ سے کہا "علیؓ ٹھیک تو کہہ رہے ہیں آپ جا کر ان کا مقابلہ کیوں نہیں کرتے۔؟"

معاویہ بولے "تمہارا مقصد میں سمجھتا ہوں، پہلے تم نے مجھ سے مصر کی گورنری مانگی، جو تمہیں مل گئی ہے۔ اب کیا چاہتے ہو؟ یہی نا کہ میرے قتل ہونے کے بعد تم میرے جملہ مقبوضات پر قابض ہو جاؤ کیونکہ تم جانتے ہو کہ اب تک میدانِ جنگ میں علیؓ کا مقابلہ کر کے کوئی زندہ واپس نہیں لوٹا یا بفرضِ محال اگر زندہ رہا تو بحالتِ اسیری۔

دوپہر ڈھلے اشتر سواروں کی طرف گئے اور انہیں اہلِ شام پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ ایک گروہ کثیر جان دینے اور لینے پر تیار ہو گیا، چنانچہ اشتر ان کو لئے ہوئے واپس اپنی جگہ پر آئے اور نعرۂ تکبیر مار کر ایک زبردست حملہ کیا جس سے لشکرِ شام کے پاؤں اکھڑ گئے اشتر مع اپنی رکاب کی فوج کے لڑتے ہوئے شامیوں کی لشکر گاہ تک پہنچ گئے اور ان کے علمبردار کو مار ڈالا۔ امیر المومنین حضرت علیؓ نے اشتر کو فتح یاب ہوتے دیکھ کر پیہم مدد بھیجنا شروع کی۔

عمرو بن العاص اشتر کے حملے سے مضطرب ہو گئے اپنے ہمراہیوں کے کشت و خون سے ڈر کر معاویہ سے کہا کیا دیکھتے ہو تمہارے ہاتھ سے میدان نکل جائے گا، لوگوں کو حکم دو کہ قرآن کو نیزوں پر اٹھائیں اور بلند آواز سے کہیں ھٰذا کتاب اللّٰہ بیننا وبینکم (ہمارے تمہارے درمیان میں یہ قرآن ہے) اگر وہ اس کو وہ لوگ منظور کر لیں گے تو سر دست لڑائی بند ہو جائے گی کشت و خون سے نجات مل جائے گی۔ اور اگر اس سے اختلاف کیا تو ان کے اختلاف سے بھی ہم کو فائدہ پہنچے گا۔ چنانچہ مصاحف نیزوں پر اٹھائے گئے، امیر المومنین کے ہمراہی بولے ہم کتاب اللہ کے فیصلے کو منظور کرتے ہیں۔

امیر المومنین حضرت علیؓ نے للکارا "اے اللہ کے بندو! اپنے حق کے حصول کے لئے بڑھو اور دشمنوں سے جنگ کرنے میں تامل نہ کرو کیونکہ معاویہ، ابن ابی معیط، ابن ابی سرح اور ضحاک نہ دیندار ہیں نہ عامل بالقرآن اور نہ صاحبانِ ایمان۔ ہم ان کی حالت سے بخوبی واقف

ایں یہ ہمارے ساتھ لڑکین سے بڑے ہوئے ہیں۔ لڑکپن میں یہ لوگ نہایت شریر لڑکوں میں تھے اور سن شعور پر پہنچ کر بھی بے حد شریر آدمیوں میں سے ہوتے افسوس ہے لوگ اس کو کیوں نہیں سمجھتے کہ یہ لوگ قرآن شریف کو براہ مکر و فریب میان میں لاتے ہیں لوگوں نے کہا "یہ ناممکن ہے کہ ہم کتاب اللہ کی طرف بلائے جائیں اور اس کو منظور نہ کریں۔

امیرالمومنین علیؑ نے ارشاد کیا۔ "ہم ان لوگوں سے اسی لئے لڑتے ہیں کہ کتاب اللہ پر عمل کریں۔ کیونکہ انہوں نے اس کو پس پشت ڈال دیا ہے۔

مسعر بن فدک تمیمی اور زید بن حصین الطائی مع ان لوگوں کے جو بعد میں فرقہ خارجی میں داخل ہوگئے تھے بولے "اے علیؑ! کتاب اللہ کو قبول و منظور کرو ورنہ ہم تم کو چھوڑ دینگے اور تمہارے ساتھ وہی سلوک کرینگے جو ابن عفان کے ساتھ ہم نے کیا تھا۔"

امیرالمومنینؑ نے فرمایا "اگر تم میرے مطیع ہو تو برابر لڑتے رہو اگر باغی ہوا چاہتے ہو تو جو تمھاری سمجھ میں آئے کرو۔" مسعر وغیرہ نے جواب دیا "آپ اشتر کو بلوا لیجئے اور اس کو لڑائی سے روک دیجئے۔ امیرالمومنین علیؑ نے یزید بن ہانی کو اشتر کے بلانے کے لئے بھیجا۔ اشتر نے کہلا بھیجا۔ یہ وقت میری طلبی کا نہیں ہے اور نہ یہ مناسب ہے کہ میں موقع جنگ سے ہٹایا جاؤں مجھے قوی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے فتح و نصرت عنایت فرمائے گا۔"

یزید نے جو یہ پیغام پہنچایا مسعر کے ہمراہیوں نے شور و غل مچانا شروع کر دیا اور کہنے لگے تم ہی نے اشتر کو جنگ کا حکم دیا ہے بہتر ہے کہ اس کو جلد واپس بلاؤ ورنہ ہم تم کو معزول کر دینگے۔"

حضرت علیؑ نے یزید کو جھڑک کر کہا "جا اشتر سے کہدے کہ جہاں تک جلد ممکن ہو میرے پاس آجائے، کیونکہ فساد کا دروازہ کھلا چاہتا ہے۔ اشتر نے دریافت کیا "کیا قرآن کے اٹھانے سے۔؟" یزید نے جواب دیا "ہاں۔" اشتر بولے "مجھے اس کا خیال پہلے ہی ہوا تھا کہ لوگوں میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔ اور اتحاد و اتفاق کا خاتمہ ہو جائے گا۔ میں کس طرح جنگ چھوڑ کر واپس چلوں اللہ تعالیٰ کی عنایت سے فتح حاصل ہوا چاہتی ہے۔"

یزید نے کہا "کیا تم یہ دوست رکھتے ہو کہ تم فتحیاب ہو اور امیرالمومنین علیؑ دشمنوں کے حوالے

ہو جائیں یا شہید کر ڈالے جائیں۔ اشتر یہ سنتے ہی مسعر کے پاس چلے آئے اور ان سے مخاطب ہو کر بولے۔ "اے اہلِ عراق بڑے افسوس کا مقام ہے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ نے تم کو ان لوگوں پر غالب کیا۔ اس وقت تم اہلِ شام کے فریب میں آ گئے۔ تم لوگ مجھے دو چار گھنٹے کی مہلت دو مجھے اپنی کامیابی کا یقین کامل ہے۔ ان لوگوں نے مہلت نہ دی اشتر نے دوبارہ مہلت طلب کی اس پر ان لوگوں نے جھلا کر کہا "اے اشتر کیا تو ہم کو اپنے ساتھ جنگ کرنے کو بلاتا ہے؟" افسوس تم کو ان لوگوں نے فریب دیا اور تم ان کے دام میں آ گئے۔ اس فقرے سے لوگوں میں شورش پیدا ہو گئی ایک دوسرے کو سخت و سست کہنے لگے رفتہ رفتہ سب و شتم کی نوبت آ گئی عجب نہ تھا کہ باہم جنگ چھڑ جاتی لیکن امیر المومنین کے ڈانٹنے سے شور و غل فرو ہو گیا۔

تحکیم کی تجویز

لڑائی بند ہو چکی تھی چاروں طرف سناٹا چھایا ہوا تھا، اتنے میں اشعث بن قیس نے بڑھ کر عرض کیا "امیر المومنین! لوگ اس امر پر راضی ہو گئے جس کی طرف بلائے گئے (یعنی قرآن کو انہوں نے حکم مان لیا) اگر آپ اجازت دیجئے تو میں معاویہ کے پاس جاؤں اور ان سے ان کے دل کی منشاء معلوم کروں؟" آپ نے اجازت دی، اشعث معاویہ کے پاس پہنچا۔ اور دریافت کیا، "تم نے کس غرض سے قرآن اٹھوائے؟" معاویہ نے جواب دیا "تاکہ ہم اور تم اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف رجوع کریں۔ تم اپنی طرف سے ایک شخص کو منتخب کرو۔ اور ہم اپنی طرف سے اور ان دونوں آدمیوں سے حلف لیا جائے کہ وہ کتاب اللہ کے موافق فیصلہ کرینگے اسکے بعد وہ جو کچھ فیصلہ کریں اس پر ہم اور تم راضی ہو جائیں اشعث معاویہ کے پاس سے اٹھ کر امیر المومنین حضرت علیؓ کی خدمت میں آئے اور معاویہ کا پیغام پہنچایا۔ حاضرین نے کہا ہم اس امر پر راضی ہیں اور اس فیصلہ کو قبول کرتے ہیں۔

حکمین کا انتخاب

اہلِ شام نے اپنی طرف سے عمرو بن العاص کو منتخب کیا اشعث اور ان لوگوں نے جو بعد میں

خارجی ہوگئے ابو موسیٰ اشعری کو منتخب کیا۔ امیرالمومنین نے ارشاد فرمایا۔ "میں اس انتخاب سے راضی نہیں ہوں۔ اشعث، یزید بن الحصین، مسعر بن فدک متفق الکلمہ ہوکر بولے "ہم تو انہیں منتخب کرتے ہیں کسی دوسرے کو اپنی طرف سے حکم نہ بنائیں گے۔ امیرالمومنین نے جواب دیا۔ میں اس کو ثقہ نہیں سمجھتا، اس نے میری رفاقت ترک کردی، لوگوں کو میرے ساتھ جنگ میں جانے سے روکا۔ مجھ سے متنفر ہوکر بھاگا پھر بھی میں نے ایک ماہ بعد اسے امن دی میں اس کو ہرگز حکم نہ بناؤں گا۔ البتہ ابن عباس کو اپنی طرف سے منتخب کرسکتا ہوں۔ اشعث اور اس کے ہمراہی کہنے لگے۔" ابن عباس تمہارے عزیز ہیں ہم ان کو حکم نہ بنائیں گے، ہم ایسے شخص کو حکم مقرر کرنا چاہتے ہیں جس کا تعلق تمہارے اور معاویہ کے ساتھ یکساں ہو۔ امیرالمومنین بولے اچھا! اشتر تو میرا عزیز نہیں ہے۔ اشعث نے کہا کیا اشتر کے سوا روئے زمین پر اور کوئی شخص نہیں ملتا۔ امیرالمومنین نے جواب دیا، پھر کیا سوائے ابو موسیٰ کے اور کسی کو حکم نہ بناؤ گے۔ اشعث اور ان کے ہمراہی کہنے لگے۔ "نہیں۔ اسے رسول اللہ صلعم کی صحبت نصیب ہوئی اور اشتر اس سے محروم ہے۔"

حضرت علی اس مباحثہ سے تنگ آگئے مجبور ہوکر ارشاد فرمایا۔ اچھا جو چاہو اور جو تمہاری سمجھ میں آئے کرو۔ الغرض حاضرین نے ابو موسیٰ کو بلوایا۔ لوگوں نے ان سے کہا "فریقین میں مصالحت ہوگئی۔ ابو موسیٰ بولے الحمدللہ۔ پھر کہا گیا تم حکم مقرر کیئے گئے اس پر ابو موسیٰ نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور لشکر کی طرف آئے احنف بن قیس نے امیرالمومنین سے یہ خواہش ظاہر کی کہ مجھ کو بھی ابو موسیٰ کے ساتھ حکم بنایئے۔ لیکن لوگوں نے اس کی مخالفت کی۔

عہد نامہ تحکیم

معاویہ کی طرف سے عمرو بن العاص عہد نامہ لکھنے کے لئے امیرالمومنین حضرت علی ابن ابیطالبؑ کے پاس آئے، کاتب نے بسم اللہ لکھا هذا ما تقاضیٰ علیہ امیرالمومنین۔ عمرو بن العاص نے فوراً قلم پکڑ لیا کہنے لگا یہ ہمارے امیر نہیں ہیں، تمہارے ہوں تو ہوں۔

احنف نے کہا اس لفظ کو محو نہ کرو مجھے اس کے محو کرنے سے بدفالی کا خیال ہوتا ہے اشعث نے کہا اسے ضرور محو کرو۔ امیر المومنین علیؑ نے کہا صلح حدیبیہ میں بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا تھا کفار نے رسول اللہ صلعم کے اسم مبارک کے ساتھ رسول اللہ کے الفاظ نہیں لکھنے دیتے تھے۔ کیوں عمرو بن العاص اس واقعہ میں تم بھی ایسا ہی چاہتے ہو؟"

عمرو بن العاص بولا "سبحان اللہ آپ ہمیں کفار سے تشبیہ دیتے ہیں، حالانکہ ہم لوگ مومن ہیں۔ امیر المومنین علی نے جواب دیا اے ابن نابغہ تو کب فاسقین کا دلی اور مومنین کا دشمن نہ تھا عمرو بن العاص نے (جل کر) کہا خدا کرے آج کے بعد پھر تمھاری صورت دیکھنے میں نہ آئے۔ امیر المومنین نے فرمایا "میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری مجلس تجھ سے اور تجھ ایسے لوگوں سے ہمیشہ پاک رکھے عمرو بن العاص یہ سُن کر خاموش ہو گیا۔ اور کاتب نے لکھنا شروع کیا۔

یہ وہ تحریر ہے جس کو علیؑ ابن ابیطالب علیہ السلام اور معاویہ بن ابی سفیان نے باہم بطور اقرار نامہ کے لکھا ہے۔ علیؑ نے اہلِ کوفہ اور ان لوگوں کی طرف سے جو ان کے ہمراہ تھے حکم مقرر کیا، اور معاویہ نے اہلِ شام اور ان لوگوں کی جانب سے جو ان کے ہمراہ ہیں حکم مقرر کیا۔ بے شک ہم لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی کتاب کو منحصر علیہ قرار دیتے ہیں اور اس امر کا اقرار کرتے ہیں کہ سوائے اس کے دوسرے کو کوئی دخل نہ ہوگا اور قرآن مجید شروع سے اخیر تک ہمارے درمیان میں ہے ہم زندہ کریں گے اس کو جس کو اس نے زندہ کیا اور ماریں گے اس کو جس نے اس کو مارا ہے پس جو کچھ حکمین کتاب اللہ میں پائیں اس پر عمل کریں اور وہ حکم عبداللہ بن قیس اور عمرو بن العاص ہیں اور جو کتاب اللہ میں نہ پائیں تو سنت عادلہ جامعہ غیر مختلف فیہا پر عمل کریں۔

(تاریخ ابنِ خلدون، رسولؐ اور خلفاء رسولؐ)

یہ وثیقہ تیرہ[13] صفر ۳۷ھ کو لکھا گیا اور یہ رائے قرار پائی کہ امیر المومنین مقام دومۃ الجندل یا اذرح میں حکمین کے پاس وقت فیصلہ ماہ رمضان میں موجود رہیں۔ اس وثیقہ پر اہل عراق اور اہلِ شام کے سربرآوردہ لوگوں نے دستخط کیے لیکن مالک اشتر نے دستخط کرنے سے انکار کر دیا اشعث مصر ہوا تو دونوں میں تند و تیز گفتگو ہونے لگی۔

دستخط کنندگان کے نام

امیرالمومنین حضرت علیؓ کی طرف سے اشعث بن قیس، سعید بن قیس ہمدانی بن سمی البجلی، عبد ابن نحل العجلی، حجر بن عدی الکندی، عبداللہ بن الطفیل عامری، عقبہ بن زیاد حضرمی یزید بن حجیہ تمیمی، مالک بن کعب ہمدانی۔ اور معاویہ کی طرف سے ابوالاعور، حبیب بن مسلمہ، زمل بن عمرو عذری، حمزہ بن مالک ہمدانی، عبدالرحمن بن خالد مخزومی، سبیع بن یزید انصاری، عتبہ بن ابی سفیان، اور یزید بن الحر عبسی (ابن خلدون)

اعلان تحکیم کے بعد ساری قوم بھڑک اٹھی بھائی بھائی سے ناراض نظر آتا تھا جب یہ معلوم ہوا تو حضرت علیؓ نے کوچ کا حکم دیا۔ عہد نامہ تحکیم کا سب سے زیادہ اثر عراقی لشکر میں تھا، انھوں نے ایک دوسرے کے خلاف نیزے اور تلواریں نکال لی تھیں اور اس معاملے میں اختلاف رائے کی وجہ سے ایک دوسرے کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔

مراجعت

یہ حالات تھے کہ حضرت علی کوفہ اور معاویہ اپنے لشکر کے ساتھ دمشق واپس پہنچے۔ جب حضرت علیؓ کوفہ پہنچے تو تقریباً بارہ ہزار افراد جن میں کچھ قاری وغیرہ بھی شامل تھے۔ ان سے الگ ہو کر حروار چلے گئے۔ جو کوفہ کے قریب ایک دیہاتی بستی تھی، ان کی سربراہی شبیب بن ربعی تمیمی کر رہے تھے۔ اور وہاں پہنچ کر انہیں نماز عبداللہ ابن کوا لشکری نے پڑھائی تھی۔

(مروج الذہب دوم)

حضرت علیؓ نے ان لوگوں کو سمجھانے بجھانے کے لئے عبداللہ ابن عباس کو روانہ کیا۔ اور ہدایت کر دی کہ جب تک میں خود نہ پہنچ جاؤں ان سے کوئی بحث و مباحثہ نہ کرنا، لیکن ابن عباس ان کے مسلسل اعتراضات سن کر ضبط نہ کر سکے اور ایک طویل بحث میں الجھ گئے۔ ابھی یہ بحث جاری تھی کہ حضرت علی وہاں پہنچ گئے۔ اور ان کی تقریر سے ان لوگوں کی تھوڑی سی تسلی ہوئی اور وہ کوفہ واپس آ گئے۔

حکمین کا اجتماع

مقررہ میعاد میں حکمین اذرح (مضافات دومتہ الجندل) میں اپنے ہمراہیوں کے ساتھ قیام پذیر ہوئے دونوں کے ہمراہ چار چار سو افراد تھے، امیر المومنین حضرت علیؓ اور معاویہ دونوں یہاں موجود نہیں تھے۔ حضرت علیؓ نے شریح بن ہانی اور عبداللہ ابن عباس کو ابو موسیٰ اشعری کے ساتھ کردیا تھا تاکہ وہ اس احمق بوڑھے کی کچھ مدد کرسکیں ان کے علاوہ کچھ اور سرکردہ لوگ بھی وہاں پہنچ گئے تھے جن کے نام یہ ہیں۔ عبداللہ ابن عمرؓ، عبداللہ ابن زبیر، مغیرہ بن شعبہ، عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام، عبدالرحمٰن بن عبد یغوث الزہری اور ابوجہم بن حذیفہ۔ بعض کا خیال ہے کہ سعد بن ابی وقاص بھی ان کے ساتھ موجود تھے۔

حکمین کی گفتگو

عمرو بن العاص نے کہا کہ اے ابو موسیٰ تم جانتے ہو کہ عثمان ظلماً شہید کئے گئے ہیں، اور معاویہ انکے یک جد ولی اور وارث ہیں۔ ابو موسیٰ نے کہا۔ "ہاں! پھر عمرو بن العاص بولے "پس کون امر تم کو ان کی خلافت سے روکتا ہے" حالانکہ وہ قبیلہ قریش سے ہیں جیساکہ تم جانتے ہو، اگرچہ یہ سابق الاسلام نہیں ہیں لیکن ان میں سیاست اور ملک داری کا مادہ بہت زیادہ ہے اور وہ ام المومنین ام حبیبہؓ (زوجہ رسولؐ کے بھائی ہیں اس سے زیادہ قریب قرابت اور کیا ہوسکتی ہے اور مدتوں رسول اللہ کے کاتب رہے ہیں اور شرف صحبت سے بھی ممتاز ہوئے ہیں عمرو نے گفتگو کے دوران کہا "اگر تم میری رائے سے موافقت کروگے اور معاویہ کو امارت کی کرسی پہ متمکن کردوگے تو جس شہر کی حکومت تم پسند کروگے فوراً دی جائے گی۔

ابو موسیٰ نے کہا "اے عمرو! اللہ سے ڈر۔ اور یہ جان رکھ کہ امارت، خلافت سیاست و ملک داری کی وجہ سے نہیں دی جاتی۔ اگر ایسا ہوتا تو آل ابرہہ بن الصباح اس کے زیادہ مستحق تھے، بلکہ دین داری، تقویٰ و ایمان داری کے لحاظ سے امیر خلیفہ مقرر کیا جاتا ہے اور اگر شرافت قریش کا پاس کیا جائے تو بھی علیؓ ابن ابیطالب اس کے زیادہ مستحق ہیں۔ باقی رہا تمہارا یہ کہنا کہ

چونکہ معاویہ خونِ عثمان کے طالب ہیں اس وجہ سے ان کو امارت دی جائے تو میں اس کو کبھی پسند نہیں کرتا کہ مہاجرین سابقین اسلام کو چھوڑ کر امارت معاویہ کو دی جائے اور تمہارا یہ کہنا کہ اگر امیر معاویہ کو بناؤ گے تو حکومت تم کو دی جائے گی تو اس کی نسبت میں کہتا ہوں کہ واللہ اگر معاویہ مجھ کو اپنی کُل حکومت و سلطنت دینے کو کہیں تو بھی میں ہرگز ان کو خلیفہ نہ بناؤں گا۔ اور میں اللہ تعالیٰ کے کاموں میں رشوت نہیں لیتا۔ بہتر ہو گا کہ عبداللہ بن عمر کو حکم بناؤ۔

عمرو بن العاص: تم کو میرے لڑکے کے والی مقرر کرنے میں کیا عذر ہے؟ تم اس کی عدالت صلاحیت و فضیلت سے بخوبی واقف ہو۔

ابو موسیٰ: تمہارا لڑکا ضرور نیک اور سچا تھا لیکن تم نے اس کو بھی تو اس فتنہ میں مبتلا کر رکھا ہے۔

ابو موسیٰ نے کہا "اے ابن العاص! عرب نے بعد جدال و قتال اپنی قسمت کا فیصلہ تمہارے ہاتھ میں دیا ہے اللہ تعالیٰ کے لئے اس کو پھر فتنہ میں نہ ڈالو۔

عمرو بن العاص: تم پہلے اپنی رائے ظاہر کرو تمہارا مقصد کیا ہے؟

ابو موسیٰ: میرے نزدیک مناسب یہ ہے کہ ان دونوں شخصوں کو ہم لوگ معزول کر دیں اور اس کام کو عام مسلمانوں کے سپرد کر دیں۔ جس کو وہ چاہیں مشورہ کر کے امیر مقرر کر دیں۔

عمرو بن العاص یہ سن کر اچھل پڑے بہت خوشی سے اس رائے کو پسند کیا۔ دونوں آدمی ایک ساتھ باہر آئے ایک جمِ غفیر فیصلہ سننے کو موجود تھا۔ عمرو بن العاص نے ابو موسیٰ سے کہا چونکہ آپ کو رسول اللہ صلعم کی صحبت نصیب ہوئی ہے اور مجھ سے آپ سن رسیدہ ہیں مناسب ہو گا کہ آپ پہلے کھڑے ہو کر اس امر کو بیان فرما دیجئے جس پر ہم نے اور آپ نے اتفاق کیا ہے ۔۔ ابو موسیٰ بیچارے دنیا کے داؤ پیچ سے واقف نہ تھے۔ سادگی کے ساتھ اٹھے اور لوگوں کو مخاطب کر کے کہا۔

"ہم لوگ ایسے امر پر متفق ہوئے ہیں عجب نہیں اللہ جلّ شانہ' اس کے ذریعہ سے اُمتِ مرحومہ میں صلح کرا دے۔ ابو موسیٰ اس قدر کہنے پائے تھے کہ ابنِ عباس نے قطع کلام کر کے کہا "واللہ مجھے شبہ ہوتا ہے کہ تمہیں دھوکہ دیا جائے گا اگر فی الواقع تم لوگوں نے کسی امر پر اتفاق کر لیا ہے تو اسی کو (یعنی عمرو بن العاص کو) پہلے تقریر کرنے دو۔" ابو موسیٰ نے کچھ توجہ نہ کی۔

ابنِ عباسؓ خاموش ہو گئے پھر ابو موسیٰ بولے "اے لوگو! ہم نے بہت کچھ غور و خوض کیا لیکن سوائے اس کے جس پر ہم نے اتفاق کیا ہے اور کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ ہم اور عمرو بن العاص دونوں علیؓ اور معاویہ کو معزول کریں اور مسلمانوں کو اختیار دیں کہ جس کو وہ چاہیں متفق ہو کر خلیفہ بنائیں چنانچہ میں نے علیؓ اور معاویہ کو معزول کر دیا بس تم جس کو چاہو خلیفہ بناؤ" اس تقریر کے ختم ہوتے ہی عمرو بن العاص نے کھڑے ہو کر کہا " حاضرینِ جلسہ تم گواہ رہنا (ابو موسیٰ کی طرف اشارہ کر کے) کہ اس شخص نے اپنے رفیق (علیؓ) کو معزول کر دیا ہے اور بیشک میں بھی اس کو معزول کرتا ہوں جیسا کہ اس نے معزول کیا ہے اور معاویہ کو معزول نہیں کرتا اور اسی کو امیر تسلیم کرتا ہوں کیونکہ وہ عثمان بن عفانؓ مظلوم کا ولی ہے اور وہ اس کا قائم مقام ہونے کا مستحق ہے۔

ابنِ عباس اور سعد ابو موسیٰ کو ملامت کرنے لگے۔ ابو موسیٰ نے معذرت کی "میں کیا کروں مجھے عمرو بن العاص نے دھوکہ دیا" اقرار کر کے مکر گیا پھر عمرو بن العاص سے مخاطب ہو کر کہا "اللہ تجھے ہدایت دے تو نے مجھ سے اقرار کر کے بد عہدی کی تیری مثال بعینہٖ اس کتے کی ہے۔ جو ایک بار کسی چیز کو پکڑ لیتا ہے پھر دوبارہ اس کو چھوڑ دیتا ہے۔" عمرو بن العاص نے جواباً تو مثل گدھے کے ہے جو بار برداری کرتا ہے۔ شریح بن ہانی نے عمرو بن العاص پر تلوار چلائی۔ عمرو بن العاص نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ لوگ درمیان میں پڑ گئے۔ قصہ طول نہ کھینچنے پایا۔ رفع دفع ہو گیا۔

ابو موسیٰ مجلس حکم سے نکل کر مکہ چلے گئے اور عمرو بن العاص مع اہل شام، شام کی طرف واپس ہوئے۔ معاویہ سے کل ماجرا بیان کر کے خلافت سپرد کر دی۔ ابن عباس اور شریح امیر المومنین علیؓ کی خدمت میں آئے اور کل واقعہ بیان کیا۔ امیر المومنین بد دعا کرنے لگے۔

اللھم العن معاویۃ وعمرواً وحبیباً وعبدالرحمٰن ابن مخلد والضحاک بن قیس۔ والولید وابا الاعور (تاریخ ابن خلدون رسول اور خلفاء رسول)

ابنِ کثیر دمشقی کے مطابق:

جب حکمین نے ملاقات کی تو انہوں نے مسلمانوں کی مصلحت پر آپس میں مناظرہ کیا اور

امور کا اندازہ لگانے میں غور و فکر کیا۔ پھر ان دونوں نے حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے معزول کرنے پر اتفاق کر لیا۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ امارت کا فیصلہ لوگوں کے مشورہ سے ہو۔ تاکہ وہ ان میں سے بہتر آدمی یا ان دونوں کے علاوہ کسی اور آدمی پر متفق ہو جائیں۔ ابوموسیٰ نے عبداللہ ابن عمر کو امارت دینے کا مشورہ دیا تو عمرو نے انہیں کہا "میرے بیٹے عبداللہ کو امیر بنا دو۔ وہ علم و عمل اور زہد میں آن سے ملتا جلتا ہے تو ابوموسیٰ نے کہا آپ نے اپنے بیٹے کو بھی فتنوں میں شامل کر دیا ہے۔ حالانکہ وہ ایک راستباز شخص ہیں۔

عمرو بن العاص ابوموسیٰ اشعری کے سامنے کسی بات پر سبقت نہ کرتے تھے بلکہ تمام امور میں ادب و تعظیم کی وجہ سے انہیں مقدم کرتے تھے ——— آپ نے ان سے کہا اے ابوموسیٰ کھڑے ہو کر لوگوں کو وہ بات بتایئے جس پر ہم نے اتفاق کیا ہے۔ پس ابوموسیٰ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا۔ پھر فرمایا "اے لوگو! ہم نے امت کے معاملے میں غور و فکر کیا ہے اور جس امر پر میں نے اور عمرو نے اتفاق کیا ہے" ہم نے اس امت کی بہتری اور اس کی پراگندگی کو دور کرنے کے لئے اس سے بہتر کوئی امر نہیں دیکھا اور وہ یہ ہے کہ ہم حضرت علیؓ اور حضرت معاویہ کو معزول کرتے ہیں اور امارت کا معاملہ شوریٰ پر چھوڑ دیتے ہیں اور اس امر کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور وہ جسے چاہیں اپنا امیر مقرر کرلیں۔ اور میں نے حضرت علیؓ اور حضرت معاویہ کو معزول کر دیا ہے پھر وہ ایک طرف ہٹ گئے اور حضرت عمرو آئے ان کی جگہ کھڑے ہو کر اللہ کی حمد و ثناء کی پھر فرمایا، اس شخص نے جو بات کہی ہے تم نے سن لی ہے اس نے اپنے آقا کو معزول کر دیا ہے اور میں نے بھی اسے ان کی طرح معزول کر دیا ہے اور اپنے آقا حضرت معاویہ کو قائم کرتا ہوں بلاشبہ وہ حضرت عثمان کے مددگار اور ان کے خون کے بدلے کے طالب ہیں۔ اور وہ سب لوگوں سے بڑھ کر ان کی جگہ کھڑے ہونے کے حقدار ہیں۔ حضرت عمرو نے دیکھا کہ اگر لوگوں کو اس حالت میں بلا امام چھوڑ دیا گیا تو وہ اس سے بھی زیادہ طویل و عریض اختلافات میں پڑ جائیں گے پس انہوں نے اس مصلحت کو دیکھ کر حضرت امیر معاویہ کو قائم کر دیا۔ اجتہاد صحیح اور غلط بھی ہوتا ہے۔

کہتے ہیں کہ ابوموسیٰ نے ان کے ساتھ درشتگی سے گفتگو کی۔ اور حضرت عمرو نے بھی ان کو اسی

طرح جواب دیا۔

ابن جریر کا بیان ہے کہ شریح بن ہانی ــــ حضرت علیؑ کی فوج کے پیشرو نے حضرت عمرو بن العاص پر حملہ کر کے انہیں کوڑا مارا، اور حضرت عمرو کے بیٹے نے اس کے پاس جاکر اسے کوڑا مارا، اور لوگ اپنے اپنے شہروں کو جانے کے لئے ہر طرف بکھر گئے اور حضرت عمرو اور انکے اصحاب حضرت معاویہ کے پاس چلے گئے اور انہیں سلام خلافتہ کہا اور حضرت ابوموسیٰ اشعری حضرت علی سے شرمندہ ہو کر مکہ کی طرف چلے گئے۔ اور حضرت ابن عباس اور شریح بن ہانی نے واپس آکر حضرت علیؑ کو ابوموسیٰ اور عمرو بن العاص کی کارروائی کی اطلاع دی۔

(تاریخ ابن کثیر ہفتم، ۳۷ھ کے واقعات)

جب حضرت علیؑ کو تحکیم کے حشر اور اس سلسلہ میں معاویہ اور عمرو بن العاص کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کی اطلاع ملی تو آپؑ نے اپنے صحاب کو جمع کر کے ان حالات پر روشنی ڈالی۔ جن کی وجہ سے تحکیم کی تجویز ناکام رہی پھر فرمایا کہ میں نے تحکیم کی تجویز اسی لئے قبول نہیں کی تھی کہ میں اسکے نتیجہ سے واقف تھا۔ آپؑ نے فرمایا "اے لوگو! آگاہ ہو کہ حکمین نے قرآن کے حکم کو چھوڑ کر اپنی خواہش کی اتباع کی۔ اور دونوں نے فیصلہ کرنے میں اختلاف کیا۔ اور دونوں راہِ راست سے علیحدہ رہے پس اس حکم اور فیصلہ سے اللہ اور اس کا رسول اور صلحاء امت بری ہیں لہٰذا تم لوگ شام پر حملہ کرنے کی تیاری کرو۔ (مروج الذہب حصہ دوم)

حضرت علیؑ کی اس تقریر کے بعد آپؑ کے شیعوں نے آپ کی ہر بات صدق دل سے قبول کرلی لیکن کچھ لوگوں نے اس کی سخت مخالفت کی۔ اور خوارج میں شامل ہو گئے۔ انہیں میں سے بعض لوگ بعد میں معتزلہ کہلائے (ایضاً)

خوارج کی بربریت

خوارج نے حضرت علیؑ سے مکمل علیحدگی اختیار کر لینے کے بعد عبداللہ بن وہب الراسی کی بیعت کی اور مدائن کا رُخ کیا۔ پھر نہروان چلے گئے۔ بصرے سے بھی پانچسو خارجی نہروان میں عبداللہ بن وہب الراسی سے جاملے۔

بصرے کے خارجیوں کی صحابی رسولؐ جناب عبداللہ بن خباب سے نہروان کے قریب اتفاقاً ملاقات ہوگئی، خارجیوں نے ان سے ابوبکر و عمر و عثمان اور علیؑ کے بارے میں ان کی رائے معلوم کی۔ جناب نے ان سب کے بارے میں اچھے خیالات کا اظہار کیا حضرت علیؑ کے بارے میں انہوں نے کہا کہ "وہ تم لوگوں سے زیادہ اللہ کے حکم کو سمجھنے اور جاننے والے اور دین حق پر چلنے والے ہیں" خوارج جھلا کر بولے "تم شخصیت کی پرستش کرتے ہو۔ اور ان کے کارناموں کی وجہ سے ان کو اچھا کہتے ہو" یہ کہہ کر ان کو ذبح کر ڈالا۔ ان کی بیوی اور تین عورتوں کا جو قبیلہ طے کی تھیں، پیٹ پھاڑ ڈالا، خباب کی بیوی حاملہ تھیں لیکن ان وحشیوں نے کوئی پرواہ نہ کی۔ اور انکا پیٹ چاک کر ڈالا اور بچہ باہر آگیا۔

شام پر حملہ کی تیاری اور نہروان روانگی

تحکیم کے عبرتناک نتیجہ کے بعد امیرالمومنین حضرت علیؑ ابن ابیطالب نے معاویہ پر نئے سرے سے حملہ کی بھرپور تیاری کی، ان تیاریوں کے سلسلہ میں ابن خلدون لکھتا ہے "امیرالمومنین علیؑ نے اہل کوفہ کو جمع کرکے خطبہ دیا جس میں اہل بصرہ کی امداد کا حال بیان کیا۔ بعدازاں نہایت نرم الفاظ میں پند و نصیحت کرکے ارشاد کیا "تم لوگ میرے معاون و مددگار رہو مناسب ہے کہ ہر سردار اپنے گروہ اور قبیلہ کی ایک فہرست تیار کرکے پیش کرے کہ ان میں کس قدر جنگجو ہیں۔ سعد بن حنیس ہمدانی، معقل بن قیس، عدی بن حاتم، زیاد بن حفصہ، حجر بن عدی اور بڑے بڑے سرداروں رئیسوں نے بسر و چشم اس حکم کی تعمیل کی۔ اور کسی متنفس کو جو قابل جنگ تھا، باقی نہ چھوڑا فہرست تیار ہونے پر معلوم ہوا کہ چالیس ہزار نبرد آزما، تجربہ کار، سترہ ہزار نوعمر، اور آٹھ ہزار غلام میدان جنگ میں جا سکتے ہیں، علاوہ ازیں تین ہزار سپاہی بصرے کے تھے

حضرت علیؑ نے یہ معلوم ہونے کے بعد کہ لوگ چاہتے ہیں کہ پہلے خوارج سے جنگ کی جائے انہیں سمجھایا کہ اہل شام پر فوج کشی زیادہ ضروری ہے کہ انہوں نے تم سے مقابلہ کیا اور وہ چاہتے ہیں کہ بزور جبر اللہ کے بندوں کو اپنا غلام بنالیں، لوگ امیرالمومنین کی بات مان گئے۔ ابھی آپ اہل شام کی طرف روانہ ہونے ہی تھے کہ آپ تک عبداللہ بن خباب کی شہادت کی اندوہناک

خبر پہنچی، آپ نے تحقیق کے لئے حرث بن مرۃ العبدی کو روانہ کیا، خوارج نے انھیں بھی قتل کر دیا۔ تو حضرت علیؓ کی فوج نے کہا کہ ہم خوارج کو چھوڑ کر اہلِ شام کی طرف بڑھیں اور اپنے مال و اسباب اور اہل و عیال کی طرف سے کیسے بے خوف و بے فکر ہو جائیں، ہم چاہتے ہیں کہ اہلِ شام سے پہلے ان سے لڑیں، چنانچہ امیر المومنین کو ان کی لڑائی سے اتفاق کرنا پڑا، اور آپ اہلِ شام کو چھوڑ کر خوارج سے لڑنے کے لئے چل کھڑے ہوئے آپ نے خوارج کے لشکر کے قریب پہنچ کر کہلا بھیجا کہ ہمارے بھائیوں کے قاتلوں کو ہمارے حوالے کر دو۔ ہم قصاص لیکر ادھر تم کو چھوڑ کر اہلِ مغرب (شام) پر حملہ آور ہوں گے اور تم سے اس وقت تک جنگ نہ کریں گے جب تک شام کی جنگ سے واپس نہ آجائیں، شاید اس دوران اللہ تعالیٰ تم کو راہِ راست دکھائے۔ خوارج نے جواب دیا "ہم سب نے مل کر ان کو مارا ہے اور ہم سب تمہارے اور ان کے خون کو مباح سمجھتے ہیں اسکے بعد قیس بن سعد بن عبادہ اور ابوایوب انصاری جیسے بزرگ صحابی نے ان لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کی۔ پھر خود حضرت علیؓ نے بھی ان کو سمجھانے کی کوشش کی اور سخت لہجہ اختیار کرتے ہوئے انکی رائے کو غلط ظاہر کیا۔ ان سے کہا کہ حکمین نے خدا و رسولؐ کے حکم کے خلاف کیا ہے لہٰذا ہم نے اسے منظور نہیں کیا حکم بنانے کے لئے تو خود تم نے ہی زور دیا تھا خیر جو کچھ ہوا سو ہوا، اب تم لوگ ہمارے ساتھ چلو اور دشمن سے لڑو۔ خوارج نے کہا بے شک ہم لوگوں نے حکم مقرر کرنے میں غلطی کی اور خدا و رسولؐ کے خلاف کام کیا۔ اور کافر ہوئے لیکن توبہ کر کے پھر مسلمان ہو گئے۔ اگر تم بھی توبہ کر دو تو ہم تمہارے ساتھ ہیں اور اگر اس سے انکار کرو گے تو تمھاری مخالفت کریں گے۔ حضرت علیؓ نے انہیں سمجھانے کے لئے پہلے بھی ایک خط لکھا تھا لیکن انہوں نے ایمان کے نام پر فتنہ و فساد جاری رکھا، چنانچہ اب میدانِ جنگ میں حجت تمام کرنے کے بعد حملہ کی آخری تیاری کی۔

جنگِ نہروان

حضرت علیؓ کے میمنہ پر حجر بن عدی، میسرہ پر شبث بن ربعی، سواروں پر معقل بن قیس پیادوں پر ابوایوب انصاری، اور اہلِ مدینہ پر ابوقتادہ تھے، جن کی تعداد سات سو یا آٹھ سو تھی قیس بن سعد بن عبادہ بھی اسی جماعت میں تھے (ابنِ خلدون)

خوارج کے میمنہ پر زید بن حصین الطائی، میسرہ پر شریح بن اوفی العبسی، سواروں پر حمزہ بن سعد بن سنان اسدی، پیادوں پر حرقوص بن زہیر تھے (ابن خلدون)

حضرت علیؓ نے ابوایوب انصاری کو حکم دیا کہ وہ خوارج کے لئے امان کا جھنڈا بلند کریں اور ان سے کہیں کہ جو اس جھنڈے کے پاس آجائے گا وہ امن میں ہوگا۔ اور جو کوفہ میں ان کی طرف واپس چلا جائیگا وہ بھی امن میں رہیگا۔ ہمیں صرف ان لوگوں سے سروکار ہے جنھوں نے ہمارے بھائیوں کو قتل کیا ہے۔ چنانچہ ان میں سے چار ہزار آدمی واپس چلے گئے۔ حضرت علیؓ نے اپنے اصحاب سے کہا جب تک وہ ابتدا نہ کریں تم بھی رکے رہو خوارج لاحکم اللہ اور جنت کی طرف رواں دواں ہو جاؤ کہتے ہوئے آئے اور حضرت علیؓ کے سواروں پر حملہ کر دیا۔ جوابی حملے میں حضرت علیؓ اور ان کی فوج نے خوارج کو بے دریغ قتل کیا۔ (تاریخ ابن کثیر ہشتم)

ابن خلدون جنگ کا نقشہ اس طرح کھینچتا ہے۔

" امیر المومنینؓ نے ان پر حملہ کیا، ان کی جماعت منتشر ہوگئی، میمنہ و میسرہ کی ترتیب جاتی رہی، وہ پریشان ہو کر ادھر ادھر بھاگنے لگے تیر اندازوں نے تیر باری شروع کی۔ سواروں نے انہیں دونوں بازوؤں میمنہ و میسرہ سے گھیر کر بھاگنے نہ دیا۔ پیادوں نے تلواریں نیام سے کھینچ لیں اور ایک ساعت میں سب کو ڈھیر کر دیا۔ اسطرح کہ گویا ان سے کہہ دیا کہ تم لوگ مر جاؤ۔ اور وہ مر گئے۔ عبداللہ بن وہب، زید بن حصین، حرقوص بن زہیر، عبداللہ بن شجرہ اور شریح بن اوفی جیسے نامی گرامی سردار مارے گئے۔ مال و اسباب سامان جنگ اور مویشی لوٹ گئے اور مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے گئے البتہ خوارج کے غلاموں اور عورتوں کو واپس کر دیا گیا۔ امیر المومنین کے ہمراہیوں میں سے سات آدمی کام آئے۔ (ابن خلدون)

خوارج کے لشکر کا سامان جمع کیا گیا تو حضرت علیؓ کے حکم سے ان کا اسلحہ اور جانور مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ لیکن ان کا دوسرا سامان ان کے اہل و عیال کو بھجوا دیا گیا

(مروج الذہب دوم)

ان کے چار سو زخمیوں کو علاج کے لئے انکے قبائل کے سپرد کر دیا۔ اور ان کا جو ہتھیار اور سامان ملا اسے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ کتاب الخوارج کے مطابق جنگ نہروان میں حضرت علیؓ

کو خوارج سے جو مال حاصل ہوا تھا، آپ نے اس کا خمس نہیں لیا۔ سارے کا سارا سامان ان کے مالکوں کو واپس کر دیا۔ (تاریخ ابنِ کثیر حصہ ہفتم ۳۷ھ کے واقعات)

شام پر حملہ سے اہلِ لشکر کی معذرت

نہروان میں فتح حاصل کرنے کے بعد حضرت علیؓ نے شام پر حملہ کی تیاری شروع کی۔ لیکن سردارانِ لشکر نے جواب دیا کہ ہمارے ترکش خالی ہو چکے ہیں، تلواریں کُند ہو گئی ہیں نیزوں کے پھل نکل گئے ہیں ہمیں اپنے گھروں کو جانے دیجئے تاکہ کچھ آرام کر لیں اور اپنے ہتھیار درست کر لیں۔ اس کے بعد ہم آپ کے دشمنوں سے لڑنے چلیں گے۔ حضرت علیؓ نے ان کا یہ عُذر قبول نہیں کیا اور انہیں کوفہ کے باہر نخیلہ کے مقام پر لائے اور پڑاؤ کا حکم دیا۔ اور فرمایا کہ کوئی شہر میں داخل نہ ہو۔ لیکن لوگ خاموشی سے تھوڑے تھوڑے ہو کر کھسکنے لگے۔ یہاں تک کہ لوگوں کی تعداد بہت کم رہ گئی۔ یہ تعداد شام پر حملہ کرنے کے لئے ناکافی تھی۔

یہ وہی لوگ تھے کہ جو پورے جوش اور جذبہ کے ساتھ شام پر حملے کے لئے تیار ہوئے تھے پھر ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ انہوں نے نہروان جانا مناسب سمجھا۔ وہاں جنگ کی اور فتح یاب ہوئے۔ اس جنگ کے ختم ہونے میں دیر نہیں لگی تھی، مقابلہ بھی زیادہ سے زیادہ چار ہزار سے تھا۔ پھر یہ عُذر کیسا کہ ترکش خالی ہو گئے اور تلواریں کُند ہو گئیں۔ تھوڑا ہی عرصہ پہلے صفین میں مسلسل دس دن گھمسان کی جنگ لڑی گئی تھی اور مقابلہ پر ۸۵ ہزار آدمی تھے، لیکن نہ ترکش خالی ہوئے اور نہ تلواریں کُند ہوئیں۔

بات دراصل یہ تھی کہ ان کے دل شکستہ ہو گئے تھے اس صورتحال کا تجزیہ ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے کیا خوب کیا ہے۔

یہ تین ہزار آدمی جن کا صفایا ہو گیا، یہ زیادہ تر عراقی تھے۔ اور کچھ تھوڑے سے بصرہ کے اور ان میں سے ہر ایک کا تعلق ان دونوں شہروں کے کسی خاندان سے تھا۔ حضرت علیؓ کی جس فوج نے انہیں قتل کیا تھا وہ انہیں کے قبیلہ کے لوگ تھے مثلاً عدی بن حاتم حضرت علیؓ کے ساتھ نہروان میں تھے اور ان کا لڑکا زید، ان خارجیوں کے ساتھ تھا جو قتل کر دیا گیا۔ اس طرح کتنے

ہی چچا ناد بھائی تھے جو اس دن باہم ایک دوسرے کے قاتل بنے...... پھر بھی وہ سب کے سب بہرحال انسان تھے۔ ان کے دلوں میں رنج و قلق کی وہ سب کیفیتیں تھیں جو ایک انسان کے دل میں بیٹے بھائی یا دوست کے قتل ہو جانے سے پیدا ہوتی ہیں..... بس وہ ہر جماعت کے بہادر شاعر کی طرح محسوس کرتے ہیں جو کہتا ہے ؎

ان کو مار کر اپنی پیاس تو بجھا سکا لیکن
یہ تو میں نے اپنی ہی انگلیاں کاٹ لیں

نہروان کے معرکہ میں خود کوفہ والوں نے کوفہ والوں کو قتل کیا۔ بصرے والوں نے خود بصرے والوں کی جان لی ہے۔ ایسی حالت میں حیرت زدہ نہیں ہونا چاہیئے۔ اگر دلوں پر رنج و ملال چھا جائے۔ (علیؓ ۔ تاریخ و سیاست کی روشنی میں)

کوفہ واپسی

حضرت علیؓ کی فوج نخلیہ سے کھسک گئی تو آپ بچے کھچے لوگوں کے ہمراہ کوفہ آ گئے اور پھر نئے سرے سے لوگوں کو اہل شام سے لڑنے کے لئے آمادہ کرنے کی کوشش کی اور ان کے رئیسوں اور سرداروں کو طلب کیا لیکن کچھ حاصل نہ ہوا۔ بہت کم لوگوں نے لڑنے پر آمادگی ظاہر کی اور یہی حضرت علیؓ کے مخلص شیعہ تھے۔ یہ صورتحال دیکھ کر امیر المومنین علیؓ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔ آپ نے ایک زوردار خطبہ دیا، انہیں غیرت دلائی، انہیں ان کے فرائض سے آگاہ کیا۔ انہیں نصیحتیں کیں۔ لیکن وہ بت کی طرح خاموش بیٹھے رہے۔

مصر کی صورت حال

حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے تو قیس بن سعد بن عبادہ انصاری کو وہاں کا حاکم مقرر کیا۔ قیس نے وہاں حضرت علیؓ کی بیعت لی۔ ایک گروہ بیعت سے رکا رہا اُس کا کہنا تھا کہ وہ فی الحال حالات کا جائزہ لینا چاہتے ہیں۔ ان کا ارادہ جنگ کا نہیں ہے وہ انہیں خراج ادا کرتے رہیں گے۔ چنانچہ قیس نے ان سے درگذر کیا۔ اور بیعت پر زور نہیں دیا۔ حضرت علیؓ کو ساری

میں ترک کر بھیجی۔ ادھر معاویہ نے قیس کو خط لکھا جس میں انہیں اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی۔ قیس نے بھی گول مول جواب دیا تاکہ وہ معاویہ اور عمرو بن العاص کے شر سے محفوظ رہیں۔ معاویہ جیسے چالاک آدمی اس طرح مطمئن ہونے والے کہاں تھے انہوں نے قیس سے مطالبہ کیا کہ وہ واضح طور سے بتائے کہ وہ دوست ہے یا دشمن؟

معاویہ نے قیس کو لکھا کہ میں نے تمہارا خط پڑھا اس میں کوئی امر واضح نہیں ہے میں تم کو مصالحت کے لئے بلاتا ہوں، تم اس سے دور نہ بھاگو، میں تمہیں لڑائی سے بچاتا ہوں میرا جیسا شخص مکر و فریب میں نہیں آسکتا، اور نہ کسی حیلہ میں گرفتار ہو سکتا ہے، اس وقت میرے پاس پیادوں اور سواروں کی کثیر تعداد موجود ہے (ابن خلدون)

معاویہ کی یہ تحریر پڑھ کر قیس کو یقین ہو گیا کہ اب گول مول باتوں سے کام نہیں چلے گا۔ چنانچہ انہوں نے معاویہ کو بہت سخت خط لکھا اور اپنے خیالات صاف صاف لکھ بھیجے۔

"مجھے تعجب ہے کہ تو مجھے فریب دینا چاہتا ہے اور تو مجھ سے یہ امید رکھتا ہے کہ میں اس شخص کی اطاعت سے بالکل نکل جاؤں گا جو امارت کے لئے بہترین آدمیوں میں سے ہے اور زیادہ سچ کہنے والا ہے اور راہِ حق کا بڑا ہادی ہے اور از روئے تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قریب ہے" اور تو مجھ کو اپنی اطاعت میں داخل ہونے کا حکم دیتا ہے وہ اطاعت جو اس امر میں لوگوں سے بعید ہے۔ اور تو بہت بڑا مکار اور بہت بڑا گمراہ ہے اور رسول اللہ صلعم سے از روئے قرابت و تعلق بہت بعید ہے گمراہ اور گمراہ کرنے والے کا لڑکا ایک طاغوت اور طواغیت ابلیس سے ہے اور تیرا یہ کہنا کہ میں تیری امداد پیدل کو پیادوں اور سواروں سے بھرنے والا ہوں پس واللہ اگر میں نے تجھے ایسا مصروف نہ کر دیا کہ تجھے جان کے لالے نہ پڑ جائیں تو سمجھنا کہ تو بڑا خوش نصیب ہے

(ابن خلدون تاریخ کامل)

اس خط کے بعد معاویہ مایوس ہو گئے' اور اب ان کی حکمت عملی یہ تھی کہ وہ اہل شام پر یہ ظاہر ہونے دیں کہ قیس علیؓ کے مطیع ہیں

اس نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ قیس ہمارے ساتھی ہیں ان کے خطوط اور قاصد ہمارے پاس آتے ہیں وقتاً فوقتاً اہم امور میں اپنی رائے لکھ بھیجتے ہیں (ابن خلدون)

اس پروپیگنڈے سے معاویہ کا مقصد یہ تھا کہ اہل کوفہ اور حضرت علیؓ' قیس سے بدظن ہو جائیں اور اس شک میں پڑ جائیں کہ قیس درپردہ معاویہ سے ملے ہوئے ہیں۔ طبری نے قیس کے ایک جعلی خط کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ جو معاویہ کی سازش سے قیس کی طرف سے لکھا گیا تھا۔

غرضیکہ قیس معاویہ کی سازش کا شکار ہو گئے اور حضرت علیؓ کو انھیں معزول کرنا پڑا ان کی جگہ محمد بن ابی بکر کو بھیجا گیا۔ محمدؓ نے مصر پہنچنے کے بعد ان لوگوں سے جنگ کی جنھوں نے حضرت علیؓ کی بیعت اب تک نہیں کی تھی' محمد بن ابی بکر نے ان کے خلاف دو مرتبہ لشکر کشی کی اور دونوں مرتبہ ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ صوبہ کے حالات تیزی سے بگڑنے لگے تو صفین کی جنگ کے بعد حضرت علیؓ نے مالک اشتر کو لکھا کہ وہ جزیرہ میں کسی کو اپنا نائب بنا کر مصر جائیں اور محمد بن ابی بکر کی جگہ لے لیں بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ مالک اشتر کو محمد کی شہادت کے بعد روانہ کیا گیا تھا۔ لیکن عموماً پہلی روایت پر ہی اعتماد کیا جاتا ہے۔

مالک اشتر کی شہادت

معاویہ نے یہ خبر سنی تو انہیں مصر کے قبضے سے ناامیدی ہو گئی کیونکہ اشتر کی سیاسی چالوں سے معاویہ کو واقفیت تھی' اتفاق کی بات کہ اشتر کوچ اور قیام کرتے ہوئے جونہی قلزم کے افسر مال کے پاس پہنچے ان کا انتقال ہو گیا کہا جاتا ہے کہ معاویہ کی سازش سے حاکم خراج قلزم نے اشتر کو زہر دیا تھا' طمع یہ دلائی گئی تھی کہ خراج معاف کر دیا جائے گا۔ لیکن یہ دور از قیاس اور خلاف واقع روایت ہے

(ابن خلدون)

مالکِ اشتر کی شہادت کے بارے میں ابن کثیر کی روایت

جب اشتر مصر کی طرف گیا اور قلزم تک پہنچا تو خانسار نے اس کا استقبال کیا جو ٹیکس آفیسر تھا اس نے سامنے کھانا پیش کیا اور اسے شہد کا مشروب پلایا جس سے اس کی موت واقع ہو گئی اور جب معاویہ، عمرو اور اہلِ شام کو یہ اطلاع ملی تو انھوں نے کہا " بلا شبہ شہد میں بھی اللہ کے لشکر ہیں، اور ابنِ جریر نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے کہ حضرت معاویہ نے اسے حکم دیا کہ وہ اشتر کو قتل کرنے کے لئے کوئی حیلہ کرے اور یہ کام کرنے پر اس سے کچھ باتوں کا وعدہ کیا تو اس نے یہ کام کر دیا ۔ یہ بیان محل نظر ہے اور بالفرض اگر یہ صحیح بھی ہو تو معاویہ اشتر کے قتل کو جائز سمجھتے تھے کیونکہ وہ عثمان کے قاتلین میں سے تھا۔

(تاریخ ابن کثیر حصہ ہفتم ۳۸ھ کے واقعات)

ڈاکٹر طٰہٰ حسین (مصری) کا بیان

اشتر ابھی قلزم تک پہنچے تھے کہ ان کا انتقال ہو گیا، بہت سے مورخوں کا بیان ہے کہ قلزم کے افسر خراج کو امیر معاویہ نے بہکایا اور کہا کہ اگر تم اشتر کی موت کی تدبیر کر دو تو زندگی بھر تم سے خراج معاف، چنانچہ اس شخص نے شہد کے شربت میں زہر ملا کر اشتر کو دیا جس سے وہ اسی دن یا دوسرے دن انتقال کر گئے ۔ عمرو بن العاص اور معاویہ دونوں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے اور کہتے تھے کہ شہد بھی اللہ کی ایک فوج ہے

(علی، تاریخ و سیاست کی روشنی میں)

معاویہ کا مصر پر قبضہ

مسئلہ تحکیم کے خاتمہ کے بعد اہلِ شام نے معاویہ کو سلام خلافت کہا (ابن کثیر) یعنی معاویہ کو اہلِ شام نے اپنا خلیفہ تسلیم کر لیا ۔ اس جعلی خلافت کے حصول کے بعد معاویہ نے اپنے امراء عمرو بن عاص، شرحبیل بن السمط، عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید، ضحاک بن قیس، بسر بن ارطاۃ

الجوالاعور سلمی، حمزہ بن سنان ہمدانی کو جمع کیا۔ اور ان سے مصر کے بارے میں مشورہ کیا۔ چنانچہ طے یہ پایا کہ مصر پر قابض ہوا جائے۔ اور کامیابی کی صورت میں حکومت عمرو بن العاص کو دیدی جائے۔

معاویہ نے مصر میں فوج بھیجنے سے پہلے، مصر کے دو سرداروں مسلمہ بن مخلد انصاری اور معاویہ بن خدیج السکونی کو خط لکھے اور لکھا کہ جلدی ان کی طرف ایک فوج بھیجی جارہی ہے (یہ دونوں ان لوگوں کے سردار تھے کہ جنھوں نے ابھی تک حضرت علیؑ کی بیعت نہیں کی تھی۔ محمد بن ابی بکر ان پر لشکر کشی کر چکے تھے اور ناکام رہے تھے ان کی تعداد تقریباً دس ہزار تھی۔

مسلمہ اور معاویہ بن خدیج کی طرف سے اطمینان بخش جواب ملنے کے بعد معاویہ نے عمرو بن العاص کو چھ ہزار کا لشکر ساتھ کر کے مصر کی طرف روانہ کیا، آپ نے مصر پہنچ کر علیؑ کے مخالف گروہ کی قیادت سنبھال لی اور مصر کے گورنر محمد بن ابی بکر کو اپنی طرف سے ایک خط لکھا اور ساتھ ہی ایک خط معاویہ کا بھی کہ جو انھوں نے محمد کے نام لکھا تھا، انہیں روانہ کردیا۔ محمد بن ابی بکر نے یہ دونوں خط حضرت علیؑ کی خدمت میں بھیج دیئے اور مدد کی درخواست کی اور عمرو بن العاص اور معاویہ بن ابی سفیان کو جواباً جو خط لکھے ان میں سخت کلامی سے کام لیا۔

حضرت علیؑ کو محمد بن ابی بکر کا خط ملا تو آپ نے انہیں صبر کی تلقین کی اور حکم دیا کہ وہ دشمن کے خلاف بھرپور طاقت کا مظاہرہ کریں نیز یہ کہ وہ جلد ہی ان کی مدد کے لئے مال، اور فوج روانہ کریں گے۔

حضرت علیؑ نے لوگوں کو جمع کر کے انتہائی پُر تاثیر خطبہ دیا۔ اور انھیں مصر میں اپنے بھائیوں کی مدد پر آمادہ کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ دوسرے دن پھر آپ نے سر برآوردہ لوگوں کو طلب کیا اور انہیں غیرت دلائی، چنانچہ مالک بن کعب کھڑے ہوئے اور ان کے ساتھ دو ہزار آدمی مصر جانے کے لئے تیار ہو گئے وہ انھیں لیکر چلے ابھی آپ نے پانچ میل کا فاصلہ طے کیا ہو گا حضرت علیؑ کے پاس محمد بن ابی بکر کی شکست کی خبر آئی، چنانچہ حضرت علی نے کعب کو راستہ سے واپس بلالیا اور مصر پر عمرو بن العاص کا قبضہ ہو گیا

مصر کے بعد بصرہ کی باری

معاویہ نے مصر کے بعد بصرہ پر نگاہ دوڑائی تو انہوں نے وہاں کا ماحول بھی اپنے حق میں پایا، وہاں کی صورتحال یہ تھی کہ بصرہ کے عامل عبداللہ ابن عباسؓ یہاں سے جاچکے تھے اور ان کی جگہ زیاد ابن ابیہ بطور نائب وہاں موجود تھا یہ اس وقت کی بات ہے کہ عبداللہ اپنے چچازاد بھائی اور امیر المومنین سے روٹھ کر چلے گئے تھے کیونکہ علی نے ابن الاسود کی شکایت پران سے باز پرس کی تھی، معاملہ بصرہ کے بیت المال میں خورد برد کا تھا، علی کسی حالت میں بھی یہ گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ مسلمانوں کے مال میں خیانت کی جائے، چاہے خیانت کرنے والا کا کوئی قریبی عزیز ہی کیوں نہ ہو۔

عبداللہ ابن عباس کی بصرے سے غیر حاضری اور وہاں کے مخصوص حالات نے معاویہ کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہاں بھی ریشہ دوانیاں شروع کردیں —— بصرے میں جنگ جمل کے زخم ابھی ہرے تھے، عثمانی بڑی تعداد میں وہاں موجود تھے، بنی تمیم میں علیؑ کی مخالفت تھی، بنی ازد غیر جانبدار سے تھے اور بنی ربیعہ علیؑ کو دوست رکھتے تھے۔ یہی تین قبیلے سربرآوردہ تھے۔

معاویہ نے ایک سخت گیر اموی عبداللہ بن عامر الحضرمی کو بصرے بھیجا۔ اور ہدایت کی کہ وہ بنی تمیم میں قیام کرے۔ اور بنی ازد سے راہ و رسم بڑھانے کی کوشش کرے۔ اور بنی ربیعہ سے بچتا رہے کہ وہ علیؑ کے طرفدار ہیں۔ عبداللہ بن عامر بنی تمیم میں پہنچ کر انہیں ہمنوا بنانے میں کامیاب ہوگیا، بس احنف بن قیس کو قابو میں نہ کر سکا، یہ شخص اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ جنگ جمل میں بھی غیر جانبدار رہا تھا۔

زیاد بن ابیہ اس صورتحال سے خوفزدہ ہوگیا۔ اس نے علیؑ کے طرفدار قبیلے بنو ربیعہ میں پناہ لینے کی کوشش کی۔ لیکن اموی رجحان رکھنے والے بعض سرداروں کو تذبذب کا شکار دیکھ کر زیاد نے بنو ازد سے مدد کی درخواست کی۔ وہ اس شرط پر تیار ہوگئے کہ زیاد بیت المال اور جامع مسجد کا منبر لے کر ان کی امان میں آجائے، چنانچہ ایسا ہی ہوا زیاد بیت المال اور منبر سمیت قصر امارت سے بنو ازد کے قبیلہ میں چلا گیا۔ بنو ازد کی پناہ میں آجانے کے بعد زیاد نے امیر المومنین حضرت علیؑ کو

تمام موسخال لکھ بھیجی ۔حضرت علیؓ نے بنو تمیم کو سمجھانے بجھانے کے لئے ایک تمیمی اعین بن ضبیعہ کو بھیجا، لیکن وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے اور تمیموں کے ہاتھوں قتل ہو گئے ۔ زیاد نے قصاص لینا چاہا لیکن بنی ازد تیار نہیں ہوتے ۔ اور کہا کہ ہمارے ذمہ صرف تمہاری اور بیت المال کی حفاظت ہے ۔

حضرت علیؓ کو اپنے قاصد کے قتل کی اطلاع ملی تو آپ نے ایک دوسرے تمیمی جاریہ ابن قدامہ کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ بصرے روانہ کیا ۔ وہاں پہنچ کر جاریہ نے تمیموں سے بات چیت شروع کی جس کے نتیجہ میں کچھ لوگ اسکے ہمنوا گئے چنانچہ جاریہ نے بصرے کے حامیوں اور اپنے ساتھ لائی ہوئی فوج کے ساتھ عبداللہ ابن عامر پر حملہ کر دیا ۔عبداللہ کو شکست ہوئی اور مارا گیا ۔ زیاد دارالامارت میں واپس آگیا ۔

ابن الحضرمی کے خاتمہ سے معاویہ کی چال ناکام ہو گئی اور بصرے پر قابض ہونے کی آرزو خاک میں مل گئی لیکن اتنا ضرور ہوا کہ وہ بصرے میں انتشار پھیلانے میں کامیاب ہو گئے اور انہیں عراق میں حضرت علیؓ کی حکومت کی کمزوری کا احساس ہو گیا چنانچہ انہوں نے حضرت علیؓ کی حکومت کو مزید کمزور کرنے اور انہیں زچ کرنے کی نئی راہ نکالی اور یہ راہ رسوا کن اور بے رحمی کی تھی جسے آجکل کی اصطلاح میں دہشت گردی کہتے ہیں ۔

۳۹ھ معاویہ کی دہشت گردی کا سال

عین التمر پر حملہ

معاویہ نے نعمان بن بشیر کو دو ہزار کا لشکر کا دیکر عین التمر بھیجا، وہاں حضرت علیؓ کی جانب سے کعبؓ[1] بن مالک امیر تھے ۔یہاں حضرت علیؓ کا اسلحہ خانہ تھا

[1] یہ کعب وہی شخص تھے کہ جنھوں نے اہل کوفہ کی بے شرمی کی حد کو پہنچنے والی خاموشی کو توڑتے ہوئے حضرت علیؓ کی آواز پر لبیک کہا اور محمد بن ابی بکر کی مدد کیلئے مصر روانہ ہوئے لیکن راستہ ہی میں تھے کہ محمدؓ کی شہادت کی خبر علیؓ کو پہنچی تو انہیں واپس بلا لیا گیا ۔

کعب نے مثالی بہادری کا مظاہرہ کیا۔ ان کے پاس کل ایک ہزار افراد کی فوج تھی، آپ نے ان سے کہا تم میں سے جو جانا چاہے چلا جائے، چنانچہ آپ کے پاس صرف سو آدمی باقی بچے لیکن وہ جانباز تھے، انھوں نے شہر کی دیوار کو پس پشت رکھ کر دو ہزار کی فوج سے مقابلہ شروع کیا، یہ مقابلہ جاری تھا کہ مخنف بن سلیم نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو پچاس نبرد آزما سواروں کے ساتھ کعب کی مدد کیلئے بھیج دیا۔ انھوں نے آتے ہی اپنی نیامیں توڑ دیں اور لڑائی میں شریک ہو گئے۔ جس وقت یہ لوگ آئے تھے تو شام ہو چکی تھی۔ شامی سمجھے کہ ابھی اور لشکر آ رہا ہوگا لہٰذا بھاگ کھڑے ہوئے، کعب نے کچھ دور ان کا پیچھا کیا۔ اور ان کے تین آدمیوں کو قتل کر دیا۔

انبار و مدائن

امیر معاویہ نے سفیان ابن عوف کو چھ ہزار کا لشکر دیکر روانہ کیا اور اسے حکم دیا کہ "اولاً ہیت پر حملہ کر کے اسے اپنے مقبوضات میں شامل کر لو اور وہاں جو کچھ سامان ملے لوٹ لو۔ پھر آگے بڑھ کر انبار و مدائن پر قبضہ کر و۔" (طبری، سوم)

سفیان ہیت آیا، اسے یہاں کوئی مزاحمت نہیں ملی اور قبضہ ہو گیا، پھر انبار پہنچ گیا۔ یہاں حضرت علیؓ کا اسلحہ خانہ تھا، حفاظت کے لئے پانچ سو آدمی متعین تھے۔ حملہ ہوا تو کل ایک سو رہ گئے، لیکن انھوں نے جم کر مقابلہ کیا لیکن اسلحہ خانہ کا امیر قتل ہو گیا۔ اور اسکے ساتھ تیس آدمی بھی۔

سفیان نے اسلحہ خانہ اور لوگوں کا مال و اسباب لوٹ لیا۔ اور معاویہ کے پاس پہنچ گیا

تیما پر حملہ

معاویہ نے عبداللہ بن مسعدہ الفزاری کو سترہ سو افراد کے ساتھ تیما پر حملے کا حکم دیا۔ فزاری کے ساتھ اس کی قوم کے اور بھی بہت سے لوگ تھے اسے حکم دیا گیا کہ راستہ میں جن جن دیہات سے اس کا گذر ہو وہ زکوٰۃ وصول کرتا جائے کوئی انکار کرے تو اسے قتل کر دے، پھر مکہ مدینہ

پہنچ کر وہاں بھی زکوٰۃ وصول کرے اور زکوٰۃ نہ دینے والوں کا بھی حشر کرے۔"

یہ خبر امیرالمومنین کو پہنچی تو انہوں نے مسیب بن نجبہ الفرازی کو روانہ کیا، اس کے ہمراہ ایک ہزار کا لشکر تھا، مسیب نے تیما پہنچ کر عبداللہ کو جالیا اور سخت جنگ کی، عبداللہ کو شکست ہوئی اور وہ ایک قلعہ میں چلا گیا مسیب نے قلعہ کا محاصرہ کرلیا، تین دن گذر نے کے بعد مسیب نے قلعے کے دروازے کو آگ لگا دی۔ شامی محصورین نے جب یہ دیکھا کہ ان کی موت قریب ہے تو انہوں نے قلعہ کی دیوار پر سے پکار کر کہا کہ اے مسیب یہ تیری ہی قوم ہے چنانچہ اسے غیرت آئی اور اس نے آگ بجھانے کا حکم دیا۔ اس کے بعد اپنے آدمیوں کو دھوکے سے ایک مکان میں جمع کیا، جب رات ہوئی تو عبداللہ الفرازی کو وہاں سے نکل جانے کا موقع فراہم کر دیا۔ اس طرح اس نے قوم پرستی کے جذبے سے مغلوب ہو کر امیرالمومنین سے غداری کی۔

ثعلبیہ واقصہ پر حملہ

معاویہ نے ضحاک بن قیس کو لشکر دیکر روانہ کیا اور اسے حکم دیا کہ واقصہ کے نشیبی علاقے سے گذرو اور اس علاقہ میں جتنے بھی ایسے دیہاتی نظر آئیں جو علی کے مطیع ہوں انہیں لوٹ لو ضحاک کے ساتھ تین ہزار کا لشکر تھا یہ جدھر سے گذرتا لوگوں کے مال چھین لیتا اور جو اعراب علیؓ کے حامی ہوتے انھیں قتل کر دیتا۔" (طبری)

امیرالمومنین کو اطلاع ملی تو آپ نے حجر بن عدی کو چار ہزار کا لشکر دیکر ضحاک کے مقابلے کیلئے روانہ کیا حجر نے اسے تدمر کے مقام پر جا لیا اور جنگ کی جب رات ہوئی تو ضحاک اپنے پیچھے انیس مقتولین کے لاشے چھوڑ کر فرار ہو گیا، حجر کے دو ساتھی شہید ہوئے اور وہ امیرالمومنین کے پاس لوٹ گئے۔

امارتِ حج اور معاویہ کا نمائندہ

اس سال کے آخر تک معاویہ کی یہ جرات ہو گئی کہ اس نے حج کے موقع پر اپنا امیر مقرر کیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ عام مسلمانوں کو یہ احساس دلانا چاہتا تھا کہ اب مملکت شام کی

گورنری کا نہیں ہے بلکہ خلافت کا ہے انہوں نے یزید بن شجرہ کو امیر حج بنا کر گویا حضرت علیؓ کے مقابلے میں اپنی خلافت کا کھلم کھلّا اعلان کر دیا۔

حضرت علی کی طرف سے مکّہ کے گورنر قثم بن عبّاس کو امارت حج کے فرائض انجام دینا تھے، یزید کے آجانے سے صورتحال سنگین ہوگئی لیکن مسلمانوں نے مشہور صحابی ابو سعید خدری کو درمیان میں ڈالا تو یہ طے پایا کہ دونوں میں کوئی بھی یہ فرائض انجام نہ دے بلکہ کوئی تیسرا آدمی منتخب کیا جائے اور وہ مسلمانوں کو نماز پڑھائے چنانچہ عثمان بن طلحہ کی امامت پر لوگ راضی ہو گئے اور حج کا موسم بخیر و خوبی گذر گیا۔

حضرت علیؓ نے معقل بن قیس کو ایک مختصر سی فوج دیکر یزید بن شجرہ کی خبر لینے کے لئے بھیجا لیکن وہ حج کے بعد واپس جا چکا تھا' اس کی جماعت کے کچھ لوگ جو پیچھے رہ گئے تھے انھیں معقل نے گرفتار کر لیا۔ اور کوفہ لے گیا۔

بسر بن ارطاۃ کی دہشت گردی

عراقی علاقوں پر کامیاب دہشت گردی کے تجربات نے معاویہ کو حوصلہ دیا کہ وہ اس دہشت گردی کو انتہا تک پہنچا دے۔ چنانچہ انھوں نے ایک انتہائی سفّاک سردار بسر بن ارطاۃ کو تین ہزار جنگجو دے کر مدینے روانہ کیا، جب یہ سفّاک مدینہ پہنچا تو (طبری کے مطابق) وہاں کے گورنر مشہور صحابی ابو ایوب انصاری خوفزدہ ہو کر وہاں سے نکل گئے اور امیرالمومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

بسر بن ارطاۃ کو مدینہ میں کسی مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ اس نے مسجد نبویؐ کے منبر پر چڑھ کر ایک ایک قبیلہ کا نام لے کر للکارا لیکن کسی نے دم نہ مارا۔ وہ بری طرح سے دہشت زدہ ہو گئے تھے ان سب نے معاویہ کی بیعت کی ترجمان خشی ہوئی پھر اس نے بنو سلمہ کے پاس کہلا بھیجا کہ تمہارے لئے میرے پاس کوئی امان نہیں ہے اور نہ میں تم سے اس وقت تک بیعت لوں گا جب تک تم جابر بن عبداللہ انصاری کو حاضر نہ کردو۔

جابر بن عبداللہ انصاری جو کہ بہت ہی مشہور صحابی تھے وہ قتل کے خوف سے اس درجہ مجبور

ہوتے کہا نہوں نے بسر بن ارطاۃ کے پاس آکر معاویہ کی بیعت کرلی۔ حالانکہ انہوں نے جناب ام المومنین ام سلمہ سے اس بات کا اظہار کیا کہ یہ گمراہی کی بیعت ہے۔ طبری کا بیان ہے کہ بسر نے مدینہ میں کئی مکانات گروائے اور اسکے بعد مکہ کا رخ کیا۔ پھر وہاں سے یمن گیا۔ وہاں امیرالمومنین کی جانب سے عبیداللہ ابن عباس گورنر تھے جب انھیں بسر کی آمد کا علم ہوا تو وہ بھاگ کر کوفہ آگئے۔ اور اپنی جگہ عبداللہ بن عبدالمدان الحارثی کو اپنا جانشین مقرر کر دیا۔ یمن پہنچ کر بسر نے عبداللہ بن عبدالمدان اور اسکے لڑکے کو قتل کر دیا۔

عبیداللہ ابن عباسؓ کے معصوم بچوں کا قتل

طبری کے مطابق "راہ میں بسر کو عبیداللہ بن عباس کے گھر والے ملے جن میں عبیداللہ کے دو بچے بھی تھے اس نے دونوں بچوں کو ذبح کر دیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسے یہ دونوں بچے بنو کنانہ کے ایک شخص کے پاس ملے جب اس نے ان دونوں کو قتل کرنا چاہا تو کنانی نے کہا "ان بچوں کا کیا قصور جان دونوں کو قتل کرنا چاہتا ہے۔ اور اگر انہیں واقعتاً قتل کرنا چاہتا ہے تو پہلے مجھے قتل کر دے۔ بسر نے جواب دیا "ہاں میں ایسا ہی کروں گا چنانچہ اس نے پہلے کنانی کو قتل کیا پھر ان بچوں کو قتل کیا، ایک قول یہ بھی ہے کہ اس نے کنانی کا مقابلہ کیا حتیٰ کہ لڑتا ہوا مارا گیا۔ اور یہ دو بچے جو بسر نے قتل کئے ان میں سے ایک کا نام عبدالرحمٰن اور دوسرے کا نام قثم تھا۔ بسر نے یمن میں شیعان علیؑ میں سے ایک بڑی جماعت کو قتل کیا۔ (طبری سوم)

حضرت علیؑ کو جب بسر کے حملے کی اطلاع ملی تو انہوں نے جاریہ بن قدامہ اور وہب بن مسعود کو دو ہزار کا لشکر دے کر روانہ کیا، جاریہ اپنا لشکر لیکر نجران پہنچا اور پورے شہر کو جلا کر خاک کر دیا اور حضرت عثمان کے حامیوں میں بہت سے لوگوں کو پکڑ کر قتل کر دیا بسر اور اس کے ساتھی شام بھاگ گئے۔ (ایضاً)

معاویہ سے فیصلہ کن جنگ کا ارادہ

حضرت علی ابن ابیطالبؑ معاویہ کی دہشت گردیوں سے اور اپنے حامیوں کی نافرمانیوں

سے بہت رنجیدہ اور غضبناک تھے، چنانچہ آپ نے ہر صورت میں معاویہ سے فیصلہ کن جنگ کا پختہ عزم کر لیا' آپکے عزائم کا اندازہ درج ذیل خطبہ سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے اس خطبہ کو بلاذری سے ڈاکٹر طہٰ حسین نے نقل کیا ہے۔

لوگو! اس بیعت کی دعوت تم نے مجھ کو دی اور میں نے تمہاری بات نہیں ٹالی پھر تم نے خلافت کیلئے میری بیعت کی، حالانکہ میں نے خلافت طلب نہیں کی تھی۔ اس کے بعد حملہ کرنے والے مجھ پر ٹوٹ پڑے' اللہ ان کی زیادتی کے لئے کافی ہوا' اور وہ منہ کے بل گرے خدا نے ان کو ہلاک کیا۔ اور انہیں پر بڑی گردش آئی' اب ایک جماعت باقی رہ گئی ہے جو اسلام میں نئے نئے شاخسانہ پیدا کرتی ہے' حق کو چھوڑ کر من مانے کام کرتی ہے۔ جس کا دعویٰ کرتی ہے اسکی اہل نہیں۔ جب اُسکے لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ چند قدم آگے بڑھو' تو وہ بڑھتے ہیں جب آگے آتے ہیں تو حق اتنا نہیں پہچانتے جتنا باطل ۔ جس طرح حق کی تردید کرتے ہیں باطل کی نہیں کرتے' لیس اب میں تمہاری باتوں سے کتا چکا ہوں' اب مجھے بتاؤ کہ تم کیا کرنا چاہتے ہو۔؟ اگر تم کو میرے ساتھ دشمن کے مقابلے کے لئے چلنا ہے تو میں یہی چاہتا ہوں اور یہی میری مرضی ہے اگر تم ایسا کرنا چاہتے ہو تو مجھے اپنا ارادہ بتادو۔ تاکہ میں فیصلہ کر دوں' بخدا اگر تم سب میرے ساتھ دشمن سے جنگ کے لئے اس وقت تک نہ نکلے کہ خدا فیصلہ کر دے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے تو میں تمہارے لئے بددعا کروں گا اور پھر دشمن کی طرف چل پڑوں گا۔ چاہے میرے ساتھ دس آدمی ہوں' کیا شام کے آوارہ ناتجربہ' گمراہی کی امداد کرنے اور باطل کے لئے متحد ہونے میں تم سے زیادہ برداشت اور قوت کے مالک ہیں حالانکہ حق وصداقت تمہارے ساتھ ہے' تمہیں کیا ہو گیا' اور تمہارا علاج کیا ہے؟ اگر تم مارے گئے تو قیامت تک تم جیسی قوم اٹھائی نہیں جا سکتی۔"

(علیؓ ۔ تاریخ وسیاست کی روشنی میں)

حضرت علیؓ کی اس فیصلہ کن تقریر کے اثرات ڈاکٹر طہٰ حسین کی زبانی ملاحظہ ہوں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سرداروں اور افسروں کو حضرت علیؓ سے بڑی شرم محسوس ہوئی۔ اور ڈر کے مارے کہ کہیں وہ اپنے ارادے پر عمل نہ کر بیٹھیں اور اکیلے یا تھوڑے سے لوگوں کے ساتھ شامیوں سے جنگ کیلئے نکل کھڑے ہوں اور ان کے دامن پر بے غیرتی اور بے شرمی کے داغ لگ جائیں۔ اور داغ کیسے، اور پھر اپنے دین، اپنی جان اور اپنے تمام معاملات کے لئے مصائب ہو جائیں۔ چنانچہ ان میں سے جو بولنا جانتے تھے حضرت علیؓ کے پاس آئے آپکی خیر خواہی کے لئے اپنا خلوص پیش کیا۔ اور اچھی اچھی باتیں کیں اور ایک دوسرے کو ملامت کرتے ہوئے اٹھ کر چلے گئے اور اس کوشش میں لگ گئے کہ حضرت علیؓ سے جو وعدہ کیا ہے وہ پورا کر دیں۔

ہر سردار نے اپنی قوم کو جمع کیا۔ اور نصیحتیں کر کے آمادہ کیا، اسطرح حضرت علیؓ کیلئے ایک معقول فوج تیار ہو گئی جس نے مرمٹنے کا عہد کیا۔ اس کے بعد حضرت علیؓ نے معقل بن قیس کو مضافات میں بھرتی کے لئے بھیجا تاکہ کوفہ کی تیار فوج کے ساتھ اسکا اضافہ کر دیا جائے۔ اسی طرح آپ نے عراق سے آگے مشرقی علاقہ کے گورنروں کو لکھا کہ وہ اس لڑائی میں آپ کے ساتھ ہوں (علیؓ تاریخ اور سیاست کی روشنی میں)

حضرت علیؓ کی شہادت

ادھر امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالبؓ معاویہ سے آخری معرکہ کی تیاری کر رہے تھے اور ادھر خارجی حضرت علیؓ معاویہ اور عمرو بن العاص کو قتل کرنیکا منصوبہ بنا رہے تھے۔ اس منصوبہ کے تحت عبدالرحمٰن ابن ملجم حضرت علیؓ کے قتل پر، برک بن عبداللہ معاویہ کے قتل پر اور عمرو بن بکر تمیمی عمرو بن العاص کے قتل پر مامور ہوئے تاریخ ۱۷ رمضان ۴۰ھ مقرر کی گئی۔ اور تینوں اپنی اپنی منزل کے لئے روانہ ہو گئے۔ عمرو بن العاص کا قاتل مصر پہنچا اور معینہ تاریخ ۱۷ رمضان کو اپنے ارادے کی تکمیل کی۔ لیکن بعد میں یہ راز کھلا کہ جس شخص کو اس نے قتل کیا وہ دراصل دوسرا شخص تھا کہ جو عمرو بن العاص کی جگہ نماز پڑھانے آیا تھا۔

معاویہ کا قاتل بھی دمشق پہنچ کر معاویہ پر حملہ آور ہوا۔ لیکن وار اوچھا پڑا، سرین پر ایک ہلکا سا زخم آیا۔ تیسرا قاتل عبدالرحمٰن ابن ملجم امیرالمومنین کو قتل کرنے کے لئے کوفہ پہنچا۔ وہاں اس کی ملاقات ایک انتہائی حسین و جمیل عورت (مسعودی کے مطابق چچا زاد بہن) سے ہوئی جس کا نام قطام تھا۔ یہ اسے دیکھتے ہی دل و جان سے فریفتہ ہو گیا اور اسے نکاح کا پیغام دے دیا۔ قطام نے نکاح کے لئے تین شرطیں رکھیں آخری شرط حضرت علیؓ کے قتل کی تھی۔ ابن ملجم تو نکلا ہی اس ارادے سے تھا، چنانچہ وہ زہر میں بجھی ہوئی تلوار لے کر اپنے ایک مددگار شبیب کے ساتھ کوفہ کی مسجد میں جا پہنچا۔ اور وہ دونوں اس دروازے پر بیٹھ گئے جدھر سے حضرت علیؓ نماز کے لئے آتے تھے۔ جب حضرت علی نماز کے لئے نکلے تو شبیب نے حضرت علیؓ پر وار کیا جو خالی گیا اور دروازے یا دیوار پر پڑا۔ ابن ملجم نے پیشانی پر وار کیا۔ زخم بہت گہرا لگا۔ ابن ملجم پکڑا گیا، کم و بیش یہی تفصیل معروف مورخین یعنی طبری، مسعودی، ابن کثیر، ابن خلدون وغیرہ نے بیان کی ہے، لیکن شیعہ روایات کے مطابق حضرت علیؓ کو ابن ملجم نے اس وقت زخمی کیا جب آپ حالت سجدے میں تھے۔ یہ روایت درایتاً بھی درست نہیں معلوم ہوتی کہ حضرت علیؓ کو مسجد میں آتے ہوئے تلوار ماری گئی۔ عبدالرحمٰن ابن ملجم ایک معمولی سا گمنام آدمی تھا، بہادری یا ماہر شمشیر زن کی حیثیت سے اس کی کوئی شہرت نہ تھی۔ چنانچہ اس کی یہ جرأت کہ حضرت علیؓ کے سامنے آ کر مہارت کے ساتھ کاری زخم لگائے اور پھر یہ بات بھی اس کے علم میں تھی کہ علیؓ ایسے جری اور ماہر شمشیر زن ہیں کہ ان کے مقابلے پر جو بھی آیا موت اس کا مقدر بن گئی۔ اگر علیؓ اس وقت نہتے تھے تو بھی ان کے لئے ایک معمولی حملہ آور سے تلوار چھین لینا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ اور پھر ابن ملجم کو یہ بھی معلوم تھا کہ تھوڑی ہی دیر میں علیؓ نماز میں مشغول ہو جائیں گے۔ اور اس حالت میں ان پر حملہ نہایت آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔ ان حقائق کی روشنی میں شیعہ روایات عام مسلمانوں کے لئے بھی زیادہ قابل قبول ہو سکتی ہیں۔

بعض روایات اور شواہد کی بنا پر کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ ایک گہری سازش تھی جسے معاویہ نے تیار کیا تھا، اسے معلوم ہو چکا تھا کہ حضرت علیؓ بھرپور اور فیصلہ کن جنگ کے لئے پہنچنے والے ہیں۔

حضرت علیؓ کے زخمی ہونے کی تاریخ مورخین نے بالعموم ۱۷ رمضان بتائی ہے۔ لیکن وفات کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ بعض نے اسی دن اور بعض نے ایک دو دن بعد کا ذکر کیا ہے لیکن شیعہ دنیا رمضان کی انیسویں شب کو شبِ ضربت اور ۲۱ رمضان قرار دیتی ہے کیونکہ شیعہ حضرات باقاعدہ تین دن کا سوگ مناتے ہیں لہٰذا اس سلسلے میں ان کی تحقیق زیادہ قابلِ اعتماد ہوسکتی ہے۔

مورخین کا بیان ہے کہ حضرت علیؓ کے زخمی ہونے کے بعد لوگوں نے ان سے پوچھا کہ اگر آپ وفات پا جائیں تو آپ کے فرزند حسنؓ کی بیعت کر لی جائے۔ تو آپ نے فرمایا نہ تو میں تمہیں منع کرتا ہوں اور نہ ہی حکم دیتا ہوں۔ لیکن شیعہ روایات کے مطابق حضرت علیؓ نے حضرت امام حسنؓ کو اسرار امامت تعلیم کئے اور انہیں اپنے بعد امت کا امام بنایا۔

حضرت حسن علیہ السلام کی بیعت

حضرت علی علیہ السلام کی وفات کے بعد سب سے پہلے قیس بن سعد بن عبادہ نے حضرت امام حسن علیہ السلام کی بیعت کی، اور پھر عام بیعت ہوئی، طبری و دیگر مورخین لکھتے ہیں کہ جب اہلِ عراق نے حضرت حسنؓ سے خلافت کی بیعت کی تو حسنؓ اطاعت اور فرماں برداری کے ساتھ اپنی یہ شرط بار بار دہراتے رہے کہ جس سے میں جنگ کروں اس سے جنگ کرنا اور جس سے میں صلح کروں اس سے صلح کرنا۔ صلح کا لفظ بار بار سننے کی وجہ سے لوگ شک میں پڑ گئے، اور آپس میں کہنے لگے یہ اپنا آدمی نہیں یہ تو صلح کا آدمی ہے۔

حضرت حسنؑ ابنِ علیؑ اور معاویہ بن ابی سفیان

بیعت کے بعد جناب امام حسنؓ کوفہ ہی میں مقیم رہے تقریباً دو ماہ گذر جانے کے بعد بھی آپ نے معاویہ سے جنگ کرنے کا کوئی ارادہ ظاہر نہیں کیا۔ حالانکہ حضرت علیؓ اپنی شہادت سے قبل جنگ کی مکمل تیاریاں کر چکے تھے۔ لشکر تیار تھے، قیس بن سعد جو لشکر کے سردار تھے مزید صبر نہ کر سکے۔ قیس اور عبیداللہ بن عباس نے امام حسنؓ کو جنگ پہ آمادہ کرنے کے لئے زور ڈالا، ادھر عبداللہ بن عباس نے بھی امام حسن کے نام خط لکھا کہ وہ اپنے والد کی راہ پہ چلنے کے لئے آمادہ ہو جائیں، چنانچہ آپ لڑائی کے لئے آمادہ ہو گئے اور قیس بن سعد کو بارہ ہزار کے ہراول دستہ کا افسر بنا کر روانہ کیا۔ اور ان کے ساتھ عبیداللہ ابن عباس کو کر دیا۔ پھر حضرت حسنؑ ایک بڑی فوج کے ساتھ نکلے اور مدائن پہنچ کر قیام کیا۔

مورخین لکھتے ہیں کہ کسی شخص نے پکار کر کہا کہ "قیس بن سعد قتل ہو گئے۔ اس خبر سے لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ اور وہ آپس ہی میں اُلجھ پڑے اور لوٹ مار کرنے لگے، یہاں تک امام حسنؓ کے خیمے میں گھس گئے اور ان کا سامان لوٹ لیا، آپ جس فرش پر بیٹھے تھے وہ بھی گھسیٹ لیا، ایک شخص نے آپ کی ران پہ نیزہ بھی مارا قبیلہ ربیعہ اور ہمدان کے لوگ آپ کو بچا کر قصر ابیض میں لے گئے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسنؓ جنگ کے لئے بادلِ نخواستہ تیار ہوئے تھے، آپ کو اپنی فوج پر بھروسہ نہ تھا اور فوج میں بعض کو یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ حضرت حسنؓ صلح کی طرف مائل ہیں یہ بزدلی کا ہی ماحول تھا کہ جس کی بناء پر قیس بن سعد کے قتل کی جھوٹی خبر سے لوگ خوفزدہ

ہوگئے اور اس صورتحال کو سنبھالنے کے لئے حضرت حسنؑ کچھ نہ کرسکے۔

صلح حسن علیہ السلام

حضرت امام حسنؑ زخم اچھا ہونے تک مدائن ہی میں ٹھہرے رہے، یہاں سے آپ نے معاویہ سے خط و کتابت کی خلافت سے دستبردار ہونے کیلئے چند شرائط پیش کیں اور کہا کہ ان کا قبول کرنا تمہارے لئے لازم ہوگا۔ مورخ طبری کے مطابق یہ خط معاویہ کو اس وقت پہنچا کہ خود آپ نے ایک سادہ کاغذ پر اپنی مہر لگادی اور امام حسنؑ کو لکھ بھیجا کہ اس کاغذ پر جو شرطیں تمہارا جی چاہے لکھ لو مجھے سب منظور ہیں۔ امام حسنؑ کو جب یہ کاغذ پہنچا تو انہوں نے اس سے پہلے جو شرطیں معاویہ کو لکھی تھیں اس سے زیادہ شرائط اس کاغذ پر لکھیں اور اس معاہدے کو اپنے پاس رکھ لیا۔ جب حسنؑ اور معاویہ میں ملاقات ہوئی تو حسنؑ نے معاویہ سے انہیں شرائط کو پورا کرنے کا سوال کیا جو معاویہ کی طرف سے بھیجے گئے مہر لگے سادہ کاغذ پر لکھے تھے معاویہ نے اس کو منظور کرنے سے انکار کردیا اور کہا کہ تمہارے پہلے خط میں جو شرائط تھیں وہ میں نے خط ملتے ہی منظور کرلی تھیں۔ حضرت حسنؑ نے جواب دیا کہ جب تمہارا خط پہنچا تو میں نے اس پر شرائط کی ہیں جن کے وفا کرنے کا تم نے عہد کیا ہے غرض اس باب میں دونوں کو اختلاف ہوگیا۔ پھر تو معاویہ نے حسنؑ کی کسی شرط کو بھی پورا نہیں کیا۔"

(تاریخ طبری سوم)

مورخ ابن الاثیر کا بیان

جب امام حسنؑ کا خط معاویہ کے پاس پہنچا تو انہوں نے اسے رکھ لیا، اس سے قبل وہ عبداللہ بن عامر اور عبدالرحمن ابن سمرہ ابن حبیب بن عبد شمس کو امام حسنؑ کے نام خط دیکر روانہ کرچکے تھے۔ جو بالکل سادہ تھا اور جس کے نیچے مہر لگی ہوئی تھی، معاویہ نے ان کو لکھا کہ اس کاغذ کے نیچے مہر لگی ہوئی ہے آپ اپنی شرائط درج کردیجئے وہ شرائط مجھے قبول ہیں

جب امام حسنؓ کے پاس وہ خط پہنچا تو انہوں نے معاویہ سے اس قبل کی پیش کردہ شرائط سے دوگنی شرطیں کیں اور اس خط کو اپنے پاس رکھ لیا۔ الغرض جب امام حسنؓ نے امرِ خلافت معاویہ کے سپرد کر دیا اور ان سے مہر شدہ خط کی مندرجہ شرائط کا ایفا چاہا تو معاویہ نے انکار کر دیا۔

امام حسنؓ نے امیر معاویہ سے جو امور طلب کئے تھے وہ یہ تھے کہ کوفہ کے بیت المال کی تمام رقم جس کی مقدار پچاس لاکھ تھی اور فارس کے دارابجرد کا خراج انہیں دیا جائے اور یہ کہ حضرت علیؓ کو سب و شتم نہ کیا جائے معاویہ نے سب و شتم سے باز رہنے کو منظور نہ کیا۔ پھر حضرت حسنؓ نے یہ مطالبہ کیا کہ ان کو ایسے وقت میں سب و شتم نہ کیا جائے کہ وہ (حسنؓ) سنتے ہوں اس کو انہوں نے منظور کر لیا۔ لیکن بعد میں یہ شرط بھی پوری نہ کی۔ باقی رہا دارابجرد کا خراج اسے اہلِ بصرہ نے یہ کہہ کر روک دیا کہ وہ ہمارے مالِ غنیمت میں سے ہے اور وہ ہم کسی کو نہ دینگے۔ انہوں نے اس میں معاویہ ہی کے حکم سے رکاوٹ پیدا کی تھی۔

(تاریخ کامل' ابنِ اثیر' خلافت بنو امیہ حصہ اوّل

۴۱ھ کے واقعات)

دیگر شرائط کے علاوہ سب و شتم والی شرط کا تذکرہ ابنِ کثیر دمشقی نے بھی کیا ہے۔

" اور یہ کہ علیؓ پر سب و شتم نہ کیا جائے جب کہ وہ (حضرت حسنؓ) اسے سن رہے ہوں۔ جب امیر معاویہ نے یہ شرط مان لی تو حضرت حسنؓ امارت سے دستبردار ہو گئے۔"

(تاریخ ابنِ کثیر حصہ ہشتم ۴۱ھ کے واقعات)

صلح کے بعد امام حسنؓ نے قیس بن سعد کو حکم بھیجا کہ معاویہ کی اطاعت کر لو۔ قیس نے اس حکم سے لوگوں کو مطلع کیا اور انہیں اختیار دیا کہ اگر وہ چاہیں تو امام کی اتباع کریں اور چاہیں تو حق کی خاطر امام کے بغیر دشمن کا مقابلہ کریں لوگوں نے اسی میں عافیت دیکھی کہ جنگ سے دست کش ہو جائیں۔ چنانچہ لڑائی بند ہو گئی اب معاویہ کو کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہی اور وہ کوفہ میں داخل ہو گئے اور اہلِ کوفہ سے بیعت لی۔ معاویہ نے قیس بن سعد بن عبادہ انصاری کو بھی بیعت کیلئے مجبور کیا تو انہوں نے چند شرائط پیش کیں جنھیں معاویہ نے منظور کر لیا۔ اور قیس نے بھی بیعت کر لی۔

صلح کے بعد حضرت امام حسنؑ کا خطبہ :

امام حسنؑ زخم اچھا ہونے تک مدائن میں رہے صلح کے بعد آپ کوفہ تشریف لاتے کوفہ میں ایک اجتماع کے دوران عمرو بن العاص نے معاویہ کو رائے دی کہ وہ حسن سے تقریر کرنے کو کہیں۔ مورخ طبری لکھتا ہے کہ کوفہ میں مجمع ہوا تو عمرو بن العاص نے معاویہ سے کہا کہ حسنؑ سے کہیں کہ اٹھیں تقریر کریں۔ معاویہ کو یہ بات گوارا نہ ہوئی پوچھا آخر تم کیا چاہتے ہو۔ عمرو نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ تقریر کرنے میں عاجز ہیں۔ اس بات پر عمرو نے اتنا اصرار کیا کہ آخر معاویہ کو ماننا پڑا۔ معاویہ نے مجلس میں آکر تقریر کی پھر ایک شخص کو حکم دیا جس نے حسنؑ کو پکار کر کہا، اٹھیئے اس مجلس میں تقریر کیجیئے۔ انہوں نے

بلا تامل تشہد پڑھا، اس کے بعد کہا

"ایہاالناس خدا نے ہم میں سے پہلے شخص کے ذریعہ تمہاری ہدایت کی اور ہم میں سے آخری شخص کے ذریعہ تمکو کشت و خون سے بچایا۔ اور سنو اس حکومت کی ایک مدت و معیاد ہے اور دنیا دست بدست پھرا کرتی ہے اور حق تعالیٰ اپنے نبی سے فرما چکا ہے "کیا معلوم شاید کہ وہ تمہاری آزمائش ہو اور چند دن آسائش۔" ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ معاویہ نے امام حسنؑ سے کہا "بیٹھ جائیے۔ (طبری)

اسی تقریر کو ابن کثیر اور ابن خلدون نے بھی نقل کیا ہے لیکن ڈاکٹر طہ حسین سنے حضرت امام حسنؑ کے جس خطبہ کو لکھا ہے اس میں کچھ اور ہی ارشاد ہوا ہے۔

"لوگو! سب سے بڑا دانشمند متقی ہے اور سب سے بڑا احمق بدکار ہے، یہ معاملہ جو میں نے معاویہ کے سپرد کیا ہے یا تو مجھ سے زیادہ کا حقدار تھا۔ اور اب اسکو پہنچ گیا۔ یا یہ کہ وہ میرا ہی حق تھا لیکن محمدؐ کی امت کی بہتری اور اس کو خونریزی سے بچانے کے لئے اپنا حق چھوڑ دیا، پس حمد کے لائق وہ خدا ہے جس نے تمہارے اگلوں کو ہماری وجہ سے معزز کیا اور تمہارے پچھلوں کو خونریزی سے بچا لیا۔" (علیؑ - سیاست اور تاریخ کی روشنی میں)

عمرو بن العاص سمجھتے تھے حضرت امام حسنؓ خلافت سے دست برداری کے بعد اپنے عوام کا سامنا کرنے میں اپنے آپ کو عاجز پائیں گے۔ اور زبان کچھ کہنے ہوئے لڑکھڑا اٹھے گی شاید وہ یہ بھول گئے تھے کہ امام حسنؑ کس کی اولاد ہیں اور پھر یہ کہ حسنؑ کھلم کھلا خلافت سے دست بردار ہوئے تھے انہوں نے معاویہ سے کوئی خفیہ جوڑ توڑ نہیں کئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ خلافت سے دست برداری کے باوجود معاویہ کی موجودگی میں عوام کے سامنے نہایت بیباکی سے جو کچھ کہنا چاہتے تھا چند فقروں میں کہہ دیا۔

خلافت سے دست برداری کے بعد حضرت امام حسنؑ اپنے کنبہ کے ہمراہ خدم و حشم کے ساتھ مدینہ روانہ ہو گئے، اہلِ کوفہ کچھ دور تک آپ کو الوداع کہنے کے لئے آئے۔

بعض روایات کے مطابق آپ کی روانگی کے وقت اہلِ کوفہ رو رہے تھے

زمانۂ دست برداری کے بارے میں ابن الاثیر لکھتا ہے۔

"امام حسنؑ کی خلافت کا زمانہ ان لوگوں کے قول کے مطابق جن کا بیان ہے کہ انہوں نے ربیع الاول ۴۱ھ میں امرِ خلافت سُپرد کیا تھا ساڑھے پانچ مہینے کا ہوتا ہے اور اُن لوگوں کے مطابق جو ربیع الآخر ۴۱ھ کا ذکر کرتے ہیں چھ مہینے کچھ دن، اور جنکی رائے جمادی الاول ۴۱ھ کی ہے سات مہینے ۶ دن کی ہوتی ہے۔"

(تاریخ کامل ۴۱ھ کے واقعات)

مؤرخ ابن کثیر کے بیان سے مزید وضاحت ہوتی ہے وہ کہتا ہے۔

"ابو الحسن علی بن المدینی نے بیان کیا ہے کہ حضرت امام حسنؑ نے ۵ ربیع الاول ۴۱ھ کو امارت حضرت معاویہ کے سُپرد کی اور دوسروں نے ربیع الآخر بیان کیا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپؑ نے جمادی الاوّل کے آغاز میں ایسا کیا۔ (واللہ اعلم)

(تاریخ ابن کثیر ۴۱ھ کے واقعات)

معاویہ بحیثیت خلیفۂ غاصب

۴۱ھ میں معاویہ کو مجبوراً پورے عالم اسلام کا خلیفہ تسلیم کر لیا گیا۔ اور اس سال کو سن عام الجماعت کے نام سے موسوم کیا گیا۔

مورخ ابن الاثیر لکھتا ہے کہ جب معاویہ کے لئے امر خلافت مستحکم ہو گیا تو سعد بن ابی وقاص ان کے پاس آئے اور کہا "السلام علیک اے بادشاہ" معاویہ ہنس پڑے اور کہا "اے ابو اسحٰق اگر تم امیر المومنین کہتے تو تمہارا کیا حرج تھا؟ انھوں نے جواب دیا "کیا یہ بات آپ خوش ہو کر کہہ رہے ہیں؟ خدا کی قسم جس طرح آپ نے خلافت حاصل کی ہے، میں کبھی اس کو پسند نہیں کرتا۔

(تاریخ کامل، ۴۱ھ کے واقعات)

معاویہ اور خوارج

معاویہ کو خلیفہ بنتے ہی خارجیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ خارجیوں کو جب بھی موقع ملتا، اپنے کسی سردار کی معیت میں معاویہ کے خلاف جنگ کرنے نکل کھڑے ہوتے۔ وہ اپنے مقصد میں جنون کی حد تک مخلص تھے۔ انہیں اس کی پرواہ نہیں ہوتی تھی کہ ان کی تعداد کتنی کم ہے۔ وہ محض چند سو افراد کے ساتھ نکل کھڑے ہوتے اور ایسا بھی ہوا ہے کہ ان کی تعداد سو سے بھی کم ہوئی لیکن وہ لڑنے مرنے کو تیار ہوگئے۔ وہ تو اپنے خیال خام میں جہاد کے لئے نکلتے تھے اور جنت میں جانے کے لئے بے قرار رہتے تھے۔

معاویہ کو خارجیوں کا معاملہ سب سے پہلے امام حسنؑ کی کوفہ سے روانگی کے بعد پیش آیا۔ خارج فروہ ابن نوفل اشجعی کو اپنا سردار بنا کر معاویہ کے خلاف جنگ کے لئے نکلے اور کوفہ کے قریب نخیلہ میں قیام کیا۔ معاویہ نے خط لکھ کر حضرت حسنؑ کو خارجیوں کے مقابلے کیلئے واپس بلایا۔ معاویہ کا قاصد حضرت امام حسنؑ کو قادسیہ کے قریب ملا اور معاویہ کا پیغام پہنچایا۔ لیکن حضرت امام حسنؑ نے کہلا بھیجا کہ اگر میں اہلِ قبلہ کے ساتھ جنگ کو پسند کرتا تو سب سے پہلے خود تمہیں سے کرتا۔ چنانچہ معاویہ نے شامیوں کی ایک جماعت کو ان کے مقابلے کے لئے روانہ کیا۔ اس مقابلہ میں شامیوں کو شکست ہوئی۔ اب معاویہ نے اہلِ کوفہ کو دھمکایا اور کہا۔ " خدا کی قسم جب تک تم خوارج کو نہ روک دو گے میں تم کو کسی طرح کی امان نہ دونگا۔ اہلِ کوفہ معاویہ کی دھمکیوں کو اچھی طرح سمجھتے تھے اس موقع پر انہیں یقیناً حق و صداقت کے پیکر خلیفہ کی یاد آئی ہوگی کہ جس کی شرافت کی زبان یہ لوگ نہیں سمجھتے تھے۔

غرضیکہ اہلِ کوفہ معاویہ کے ڈرانے دھمکانے کی وجہ سے خارجیوں کے مقابلے کے لئے نکل کھڑے ہوئے' خارجیوں نے انہیں بہت سمجھایا کہ معاویہ ہمارا اور تمہارا دونوں کا دشمن ہے' لہٰذا تم بیچ میں نہ آؤ۔ ہمیں معاویہ سے لڑنے دو۔ لیکن انہوں نے جواب دیا کہ ہم تم سے ضرور لڑیں گے اور ان کے سردار فروہ کو پکڑ کر لے گئے۔ اس کے بعد خارجیوں نے قبیلہ طے کے ایک شخص عبداللہ ابن ابی حوساء کو اپنا سردار بنایا۔ اور کوفہ والوں سے شدید جنگ کی جس کے نتیجہ میں ان کی بڑی تعداد قتل کردی گئی اور ان کا امیر بھی مارا گیا۔

ابن ابی الحوساء کے بعد تمام خوارج نے حوثرہ ابن وداع کو اپنا سردار بنالیا۔ حوثرہ نخیلہ پہنچا تو اس کے پاس ڈیڑھ سو آدمیوں کی مختصر جماعت تھی ابن ابی الحوساء کی شکست خوردہ فوج جو کہ مختصر سی تعداد میں تھی اس سے آکر مل گئی' مذہبی جنون نے ان کے دلوں کو کتنا سخت کردیا تھا' اس کا اندازہ درج ذیل روایات سے لگایا جاسکتا ہے۔ مؤرخ ابن الاثیر لکھتا ہے

" معاویہ نے حوثرہ کے باپ کو بلا کر کہا تم باہر جا کر اپنے بیٹے سے ملو شاید وہ تم سے ملکر رقیق القلب ہوجائے۔ چنانچہ ابو حوثرہ باہر آیا۔ اور بیٹے سے گفتگو کی۔ اور سمجھیں دیکر کہا، کیا میں تمہارے پاس تمہارے بیٹے کو لیکر نہ آؤں؟ ممکن ہے تم اسے دیکھ کر اس کی جدائی کو

ناپسند کروں" اس نے جواب دیا کہ میں اپنے بیٹے کی ملاقات سے زیادہ ایک کافر کے ہاتھ سے نیزے کی ایسی ضرب کا مشتاق ہوں کہ جس میں تھوڑی دیر تڑپتا رہوں۔" یہ سن کر اسکا باپ چلا گیا اور معاویہ سے اس کا قول بیان کر دیا۔ معاویہ نے عبداللہ بن عوف الاحمر کو دو ہزار آدمی دے کر اس کے مقابلے کے لئے روانہ کیا۔ خوب زور شور سے لڑائی ہوئی۔ حوثرہ ابن عوف کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ خارجیوں میں سے صرف پچاس آدمی زندہ باقی بچے۔

(تاریخ کامل ۱۴ھ کے واقعات)

اسی ۴۱ھ میں کوفہ کے گورنر مغیرہ بن شعبہ کو بھی خارجیوں کے خلاف مہیں بھیجنا پڑیں فروہ ابن نوفل شبیب ابن بجرہ معین خارجی، ابو مریم اور ابولیلی نے مختلف اوقات میں معاویہ کے خلاف خروج کیا۔ اور مغیرہ کے فوجی دستوں نے انہیں قتل کیا۔

گورنروں کا تقرر

معاویہ نے امر خلافت اپنے ہاتھ میں لینے کے بعد کوفہ، بصرہ، مصر اور مکہ و مدینے میں اپنے گورنر مقرر کئے۔

بصرہ

بصرہ میں بسر بن ارطاۃ کو روانہ کیا۔ مورخ ابن الاثیر لکھتا ہے:

جب بسر بصرہ پہنچا تو اس نے منبر پر خطبہ پڑھا جس میں حضرت علیؑ پر سب و شتم کیا۔ پھر کہا کہ میں خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ جو شخص سمجھتا ہے کہ میں صادق ہوں وہ مجھے سچا کہدے اور جو مجھے جھوٹا جانتا ہے جھوٹا کہدے۔

ابوبکرہ نے کہا "ہم تو یہی جانتے ہیں کہ تو جھوٹا ہے۔" بسر نے حکم دیا کہ اسکا فوراً گلا گھونٹ دیا جائے۔ مگر ابو لؤلؤ الضبی نے کھڑے ہو کر اپنے آپ کو دونوں کے درمیان ڈال دیا اور اسطرح اس کا گلا گھونٹنے سے روک دیا۔

(تاریخ طبری حصہ سوم ۴۱ھ کے واقعات)

۴۱ھ کے آخر میں معاویہ نے عبداللہ بن عامر کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا۔ اس کے علاوہ

خراسان اور سجستان بھی اسی کے ماتحت کر دیئے ۔ اسی سال عبداللہ بن عامر نے اپنی طرف سے قیس ابن الہیثم کو خراسان پر مامور کیا۔

عبداللہ بن عامر کی پالیسی وہی رہی کہ جو عثمان کے زمانے میں تھی جبکہ وہ ان کی طرف سے وہاں کا گورنر تھا، وہ صرف اپنے مفادات کو مقدم رکھتا تھا، چنانچہ جتنی دولت وہ سمیٹ سکتا تھا سمیٹتا رہا۔ اس نے لوگوں کو آزاد چھوڑ دیا تھا، جس کے نتیجہ میں عام فسق و فجور اس قدر پھیل گیا۔ صورتحال اس قدر خراب ہو گئی کہ بصرہ کے لوگوں نے گھبرا کر معاویہ سے شکایت کی۔ اور وہ معزول کر دیا گیا۔ معاویہ نے وہاں دوسرا حاکم مقرر کیا اور پھر چند ماہ بعد زیاد ابن ابیہ کا تقرر ہوا۔

کوفہ

معاویہ نے کوفہ پر مغیرہ بن شعبہ کو حاکم بنایا۔ ان کے حاکم بننے کی کہانی یہ ہے کہ معاویہ نے عمرو بن العاص کے صاحبزادے عبداللہ کو کوفہ کا عامل مقرر کیا۔ عمرو بن العاص تو پہلے ہی مصر کے گورنر تھے، مغیرہ بن شعبہ معاویہ کے پاس گئے اور کہا کہ "آپ نے عبداللہ کو کوفہ کا اور ان کے باپ کو مصر کا عامل مقرر کیا ہے تو کیا آپ شیر کے دونوں جبڑوں کے بیچ میں رہیں گے۔ اس پر معاویہ نے عبداللہ کو کوفہ سے معزول کر دیا۔ اور مغیرہ کو وہاں کا عامل مقرر کر دیا۔ جب عمرو بن العاص کو یہ بات معلوم ہوئی تو وہ بھی معاویہ کے پاس پہنچے اور ان سے کہا "آپ نے مغیرہ کو محکمہ خراج پر مامور کیا ہے۔ وہ مال اڑا دیں گے اور آپ کو اتنی استطاعت نہ ہو گی کہ پھر ان سے وصول کر سکیں بہتر یہ ہے کہ آپ خراج پر ایسے شخص کو مامور کر دیں جو آپ سے ڈرے اور بچتا رہے۔ اس پر معاویہ نے مغیرہ کو خراج سے معزول کر کے امامتِ نماز اور جنگ پر برقرار رکھا۔ (ابن الاثیر، طبری)

تقرری سے قبل مغیرہ کو نصیحت

ہشام بن محمد نے ابو مخنف سے اور انہوں نے مجاہد بن سعید، مقصب بن

زہیر، فضیل بن خدیج اور حسین بن عقبہ مرادی سے روایت کیا ہے کہ ابو مخنف کہتے ہیں کہ ماہ جمادی الاول ۴۱ھ میں معاویہ بن ابی سفیان نے کوفہ پر مغیرہ بن شعبہ کو گورنر بنایا تو انہیں بلا کر پہلے اللہ کی حمد و ثنا کی پھر کہا کہ میرا ارادہ تھا کہ میں تمہیں بہت سی باتوں کی نصیحت کروں، لیکن چونکہ مجھے اعتماد ہے کہ تم مجھے راضی رکھنے، میری سلطنت کو کامیاب بنانے اور میری رعایا کی اصلاح کرنے پر پوری نظر رکھتے ہو اس لئے میں ان تمام باتوں کو چھوڑتا ہوں البتہ ایک نصیحت کرنا میں ترک نہیں کر سکتا وہ یہ کہ علی کی مذمت کرنے اور انہیں گالی دینے سے پرہیز نہ کرنا۔ عثمان پر رحمت بھیجتے رہنا اور ان کے لئے استغفار کرتے رہنا، علیؓ کے اصحاب پہ عیب لگانا، انھیں دُور رکھنا اور ان کی بات نہ سننا۔ عثمان کے اصحاب کی خوب تعریف کرنا انہیں قریب رکھنا اور ان کی باتیں سُنا کرنا (تاریخ طبری ج ۴، ۵۱ھ کے واقعات)

جب مغیرہ کوفہ کے والی ہو گئے تو انہوں نے اپنی طرف سے کثیر ابن شہاب کو رے پر مامور کیا۔ کثیر اکثر رے کے منبر سے حضرت علیؑ کو سب و شتم کرتے تھے۔

(خلافت بنو امیہ)

شیعان کوفہ کے ساتھ مغیرہ کی عمومی پالیسی ظالمانہ نہ تھی، لیکن یہ ظلم بھی کچھ کم نہ تھا کہ شیعوں کی موجودگی میں حضرت علیؑ کو بُرا بھلا کہا جاتا اور وہ بھی اس میں شریک ہوتا۔

ڈاکٹر طہٰ حسین لکھتے ہیں:

"مغیرہ کی نرم اور رواداری پالیسی سے شیعوں نے فائدہ اٹھایا، انہوں نے اپنی تنظیم کی اور کھل کر بنی امیہ کی مخالفت کی۔ کوفہ میں مغیرہ دس سال تک معاویہ کے گورنر رہے، اس عرصہ میں شیعوں کو ان کی کوئی بات غیر معمولی طور پہ ناگوار نہیں ہوئی۔ سوائے حضرت علیؑ کو بُرا بھلا کہنے کے جس پر وہ جدید حکومت کے ماتحت مجبور تھے۔ اس حرکت پر شیعہ کبھی چشم پوشی کرتے اور کبھی اظہار ناراضگی۔"

(علی ۲ ۔ تاریخ اور سیاست کی روشنی میں)

ہندوستان کے معروف سُنّی عالم دین مولانا شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی اپنی کتاب تاریخِ اسلام جلد دوم میں لکھتے ہیں :

امیر معاویہ نے اپنے زمانہ میں برسرِ منبر حضرت علیؑ پر سبّ و شتم کی مذموم رسم جاری کی تھی اور ان کے تمام عمال اس رسم کو ادا کرتے تھے۔ مغیرہ بن شعبہ بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے۔ لیکن امیر معاویہ کی تقلید میں یہ بھی اس مذموم بدعت سے نہ بچ سکے۔ حجر بن عدی اور اُن کی جماعت کو قدرۃً اس سے تکلیف پہنچتی تھی۔"

بیشک مغیرہ بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے، ان کی خوبیوں میں سے سب سے بڑی خوبی ان کی مکاری تھی ـــ اور یہ اپنے وقت کے مکار ترین آدمی تھے۔ ان کے بارے میں عبداللہ ابن عباس کی رائے :

"مغیرہ کو اگر کسی شہر میں رکھا جاتا، جس کے تمام دروازوں سے مکر و دغا کے بغیر نکلنا محال ہوتا تو وہ اس میں سے بھی نکل آتے۔

(تاریخ طبری، چہارم - معاویہ کے متفرق حالات)

مدینہ

معاویہ نے مدینہ میں مروان بن الحکم کو والی مدینہ مقرر کیا۔ اور مروان نے عبداللہ بن حارث بن نوفل کو قاضی مقرر کیا۔ اور معاویہ نے مکہ پر خالد بن عاص بن ہشام کی تقرری کی۔

ربیع الاوّل ۴۹ھ میں مروان حکم[۱] کو معاویہ نے معزول کر دیا۔ اور ان کی

[۱] مروان کا باپ حکم مانا ہوا دشمنِ رسول تھا اس کے بارے میں بالاتفاق لکھا گیا ہے کہ یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مخصوص چال اور طرز گفتگو کی نقلیں اتارا کرتا تھا۔ اور لوگوں کے گھروں میں جھانکتا تھا۔ ایک دن آنحضرتؐ نے اسے اپنے حجرہ مبارک میں جھانکتے ہوئے دیکھا تو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۱ پر)

جگہ سعید بن عاص کو امیر بنایا۔ سعید نے مروان کی طرف سے مقرر کئے گئے قاضی عبداللہ بن حارث بن نوفل کو معزول کر کے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کو مدینہ کا قاضی بنایا، معاویہ کی طرف سے مروان کی حکومت کی مدت آٹھ برس دو مہینے ہے (طبری)

معاویہ نے اس دشمنِ رسولؐ کو مدینہ کا حاکم بنایا تو اسے آزادی مل گئی کہ وہ منبرِ رسولؐ کو رسولؐ اللہ کے گھرانے کی توہین کے لئے استعمال کرے۔ مولانا مودودی انتہائی دکھ کے ساتھ بیان فرماتے ہیں:

ایک نہایت مکروہ بدعت جو حضرت معاویہؓ کے عہد میں شروع ہوئی کہ وہ خود اور ان کے حکم سے ان کے تمام گورنر خطبوں میں برسرِ منبر حضرت علیؓ پر سب و شتم کی بوچھاڑ کرتے تھے۔ حتیٰ کہ مسجدِ نبویؐ میں برسرِ منبر عین روضۂ نبویؐ کے سامنے حضورؐ کے محبوب ترین عزیز کو گالیاں دی جاتی تھیں اور حضرت علیؓ کی اولاد اور ان کے قریب ترین رشتہ دار یہ گالیاں سنتے تھے۔ کسی کے مرنے کے بعد اس کو گالیاں دینا، شریعت تو درکنار، انسانی اخلاق کے بھی خلاف تھا۔ اور خاص طور سے جمعہ کے خطبہ کو اس گندگی سے آلودہ کرنا تو دین اور اخلاق کے لحاظ سے سخت گھناؤنا فعل تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے آکر اپنے خاندان کی دوسری غلط روایات کی طرح اس روایت کو بھی بدلا۔ اور خطبۂ جمعہ میں سبِ علیؓ کی جگہ یہ آیت پڑھنا شروع کر دی۔

اِنَّ اللّٰہَ یَامُرُ بِالعَدلِ وَالاِحسَانِ وَاِیتَائِ ذِی القُربٰی وَیَنھٰی عَنِ الفَحشَائِ وَالمُنکَرِ وَالبَغیِ یَعِظُکُم لَعَلَّکُم تَذَکَّرُونَ النحل ۹۰

عنوان: مذ قانون کی بالاتری کا خاتمہ

بہت کبیدہ خاطر ہوئے چنانچہ اسے مدینہ سے نکال دیا۔ اور طائف جانے کا حکم دیا۔ اس کے ساتھ مروان بھی تھا آنحضرتؐ کی وفات کے بعد ابوبکر و عمر نے بھی ان دونوں باپ بیٹوں کو مدینہ آنے کی اجازت نہیں دی۔ لیکن عثمان خلیفہ ہوئے تو دونوں کو خوش آمدید کہا اور مروان کو مسلمانوں کے مال (بیت المال) میں سے ایک لاکھ درہم عطا فرمائے۔

صحیح بخاری کے مطابق

"ایک شخص حضرت سہل بن سعد کے پاس آیا اور کہا کہ فلاں امیر مدینہ کے منبر پہ کھڑے ہو کر حضرت علیؑ کو برا کہتا ہے۔ حضرت سہل نے پوچھا وہ کیا کہتا ہے؟ اس نے کہا وہ انہیں "ابو تراب" کہتا ہے۔ حضرت سہل ہنس پڑے اور فرمایا "خدا کی قسم ان کا یہ نام تو خود نبی صلی اللہ نے رکھا ہے اور آپؐ کے نزدیک ان کا اس سے پیارا نام کوئی نہ تھا۔" (صحیح بخاری کتاب المناقب۔ باب مناقب علیؑ)

یہ بات طے شدہ ہے کہ "فلاں حاکم مدینہ" سے مراد مروان بن حکم ہے۔ مروان کی آلِ رسول سے اور بنی ہاشم سے دشمنی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے لہٰذا وہ حضرت علیؑ کو پیار سے ابو تراب تو ہرگز نہیں کہتا تھا۔ اور یہ بات بھی تاریخ کی کتابوں میں لکھی ہے کہ حضرت علیؑ کے دشمن ان کی تضحیک کے لئے اس کنیت کا استعمال کرتے تھے۔ اور آج بھی ہم یہی بات بعض ناصبیوں کی تحریروں میں دیکھتے ہیں کہ وہ حضرت علیؑ کی اس کنیت کا سہارا لے کر عیب تلاش کرتے ہیں۔

مروانؑ حضرت علیؑ کی کنیت ہی کو تضحیک کے لئے استعمال نہیں کرتا تھا۔ بلکہ انکی شان میں نازیبا کلمات بھی کہا کرتا تھا۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ مروان اپنے گورنری کے زمانہ میں ہر جمعہ کو بر سر منبر حضرت علیؑ کی شان میں گستاخانہ باتیں کیا کرتا تھا۔

حیرت ہے کہ یہ دیوبندی حامیانِ بنو امیہ مروان کی حمایت میں بھی زورِ قلم صرف کرتے ہیں جب کہ اس کا صحابی ہونا (خود ان کی تعریف صحابیت کے مطابق) بھی پورے طور سے ثابت نہیں، کیونکہ مورخین کو اس امر میں اختلاف ہے کہ حکم کی شہر بدری کے وقت مروان پیدا ہو چکا تھا یا نہیں اور اس نے رسولؐ کی زیارت کی تھی یا نہیں۔ حالانکہ مروان تو اس پایہ کا حرام زادہ تھا کہ اس کی حرام زدگیاں ناقابلِ معافی ہیں، اور تاریخ میں ان کا تذکرہ اتنی شدت سے کیا گیا ہے کہ نہ تو کسی انکار کی گنجائش اور نہ کسی ضرورت۔ شاہ عبدالعزیز کہ جن کا شمار دیوبندیوں کے اکابرین میں ہوتا ہے ایک سائل کے جواب میں فرماتے ہیں:

"اہلِ بیتؑ کی محبت فرائضِ ایمان سے ہے نہ کہ لوازمِ سُنت۔ اور محبت اہلبیتؑ

سے ہے کہ مروان علیہ اللعنہ کو برا کہنا چاہئیے اور اس سے دل بیزار رہنا چاہیئے۔ علی الخصوص اس نے نہایت بدسلوکی کی حضرت امام حسینؓ اور اہلبیتؑ کے ساتھ۔ اور کامل عداوت رکھتا تھا اس خیال سے اس شیطان سے نہایت ہی بیزار رہنا چاہیئے۔"

(فتاوی عزیزی)

ہمارا اصل موضوع مروان بن حکم نہیں ہے ورنہ اس کے جرائم تو بہت ہیں یہاں تو یہ بتانا مقصود ہے کہ معاویہ کی طرف سے کیسے کیسے حاکم مسلمانوں پر مسلط کئے گئے خاص طور سے دیارِ رسولؐ کے لئے جہاں اہلبیتؑ اور محترم صحابہ کرام قیام پذیر تھے، معاویہ کی نظر انتخاب ایک خبیث دشمنِ رسولؐ و آلِ رسولؐ پر پڑی اور یہ شخص آلِ رسولؐ کی توہین میں معاویہ کے تمام گورنروں سے آگے بڑھ گیا۔

ایک ستم یہ بھی ہے کہ حامیانِ بنوامیہ معاویہ کی صفائی میں کہتے ہیں کہ ایسا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ معاویہ نے اپنے گورنروں کو علیؑ پر سب وشتم کرنیکا حکم دیا تھا وہ ان کا ذاتی فعل ہو سکتا ہے۔ مگر ان تمام روایات کو جھٹلا بھی دیا جائے کہ جن سے معاویہ کا حکم ثابت ہے تو بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس نے اس ظلمِ عظیم کو روکا کیوں نہیں جب کہ صلح حسنؑ کی رو سے وہ اسکے پابند تھے۔

زیاد ابنِ ابیہ

زیاد ابنِ ابیہ انتہائی ذہین اور قابل شخص تھا۔ حضرت علیؑ کے زمانہ میں بصرہ اور پھر یمن کا عامل رہا۔ حضرت حسنؑ جب حکومت سے دست بردار ہوتے تو اس وقت یہ بھی وہیں تھا، جب معاویہ نے پوری مملکتِ اسلامیہ پر قبضہ جمالیا تو انھیں زیاد کی فکر ہوئی کہ وہ واحد عامل تھا کہ جس نے معاویہ سے اطاعت کا اظہار نہیں کیا تھا۔ معاویہ اس جیسے زیرک عامل سے خوفزدہ تھے کہ کہیں وہ مرکز سے دوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اعلانِ بغاوت نہ کردے اور ایک مرتبہ پھر انھیں خانہ جنگی کا سامنا کرنا پڑے۔

زیاد کے سلسلہ میں معاویہ کی پریشانی دیکھ کر مغیرہ نے اپنی خدمات پیش کردیں۔

یہ معاویہ کے پاس گئے اور کہا کہ اگر اجازت دیجئے تو زیادہ کے پاس جا کر بات چیت کروں۔ معاویہ مغیرہ کی مکاریوں سے واقف تھے چنانچہ انہوں نے اجازت دیدی۔ یہ زیاد کے پاس پہنچے اور اسے شیشہ میں اتارنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور معاویہ سے اسکی صلح کرادی زیاد معاویہ کے پاس حاضر ہو گیا۔ اسی سے مغیرہ کو معاویہ کی مزید خوشنودی حاصل ہو گئی اور انہوں نے زیاد کے اس احسان کا بدلہ بھی چکا دیا کہ جو زیاد نے انکی جان بچا کر کیا تھا ؎

معاویہ کا زیاد کو اپنے نسب میں داخل کرنا

زیاد ایک رومی النسل غلام کے یہاں پیدا ہوا تھا۔ اور اسی کی ولدیت سے پہچانا جاتا تھا لیکن معاویہ نے اپنی سیاسی مصلحتوں کی وجہ سے اسے ابو سفیان کا نطفہ قرار دیکر اپنا بھائی بنالیا۔ معاویہ کے اس فعل کو فقہا اور مورخین نے مکروہ اور خلاف شرع فعل قرار دیا۔ لیکن حامیان بنو امیہ اور نواصب اپنے مزاج کے مطابق معاویہ کی پیشانی پر لگے ہوئے اس داغ کو مٹانے کی کوشش میں مصروف ہیں ہم ان مباحث کا خلاصہ پیش کرینگے۔ لیکن ضروری ہے کہ پہلے زیاد، اسکے خاندان اور استلحاق کے بارے میں تفصیل بتادی جائے۔

مورخ ابن الاثیر لکھتا ہے:

حارث بن کلدہ طبیب کی ایک سمیہ نام کی لونڈی تھی اس نے اس کا نکاح اپنے ایک غلام عبید سے کر دیا جو رومی النسل تھا۔ اس کے یہاں سمیہ سے زیاد تولد ہوا۔ ابو سفیان ابن حرب زمانہ جاہلیت میں طائف گیا تھا اور ابو مریم سلولی ایک شراب فروش کے ہاں مہمان ہوا تھا، وہاں ابو سفیان کے پاس سمیہ پیش کی گئی اور اس سے زیاد کا حمل ٹھہر گیا اور ہجرت کے پہلے سال سمیہ نے اسے جنا۔ جب وہ بڑا ہو گیا اور نشو و نما پاچکا تو ابو موسیٰ الاشعری نے جبکہ وہ والی بصرہ تھے اسے اپنا کاتب مقرر کیا۔ پھر حضرت عمر ابن خطاب نے بھی اس کو حکمرانی کا ابن تجربہ اس نے وہ خدمت کما حقہ انجام دی۔ جب زیاد عمر کے پاس واپس آیا اور ان سے ملا تو اس وقت ان کے پاس مہاجر و انصار

بیٹھے ہوئے تھے زیاد نے ان کے سامنے ایک ایسی تقریر کی کہ انہوں نے کبھی ویسی تقریر نہ سنی تھی۔ عمرو بن العاص نے کہا "سبحان اللہ کیسا عجیب لڑکا ہے اگر اس کا باپ قریش ہوتا تو وہ سارے عرب کو اپنے ڈنڈے سے ہانک سکتا تھا۔"

ابوسفیان جو اس وقت موجود تھا کہنے لگا "خدا! میں اس کے باپ کو جانتا ہوں۔ حضرت علیؓ نے کہا "اے ابوسفیان بس اب خاموش رہو تمہیں معلوم ہے۔ عمر نے تمہاری یہ بات سن لی تو وہ بہت جلد تم کو سزا دینگے۔ جب حضرت علی خلیفہ ہوئے تو انہوں نے زیاد کو فارس کا عامل مقرر کیا۔ اور زیاد نے وہاں قرار واقعی انتظام کیا اور قلعوں کو محفوظ کیا۔ جب امیر معاویہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو ان کو ناگوار گزرا اور انہوں نے زیاد کو ایک تہدیدی خط لکھا اور اس کو ابوسفیان کا بیٹا ہونے پر توجہ دلائی۔ جب زیاد نے ان کا خط پڑھا تو اس نے لوگوں کے سامنے کھڑے ہو کر تقریر کی جس میں کہا کہ تعجب اور پورا تعجب ہے اس جگر خوار کے بچے پر' اس نفاق وشقاق کے بانی پر کہ وہ مجھے ڈراتا ہے کہ مجھ پر حملہ کرے گا' حالانکہ میرے اور اس کے درمیان رسولِ خدا کے برادر عم زاد جماعت مہاجرین اور انصار کے ساتھ موجود ہیں۔ خدا کی قسم اگر وہ مجھ کو اس سے جنگ آزمائی کا موقع دیں تو وہ دیکھ لے گا کہ میں سرخ۔ سخت اور تلوار کا دھنی ہوں۔ جب یہ کیفیت حضرت علیؓ تک پہنچی تو انھوں نے زیاد کو لکھا کہ میں جس امر کی ولایت تم کو دینا چاہتا تھا وہ تو دے ہی چکا اور سمجھتا ہوں کہ تم اس کے ضرور اہل ہو۔ ابوسفیان سے بے سمجھے جو ایک باطل اور جھوٹی خواہش ظاہر ہو گئی تھی وہ ان کے لئے میراث پانے کا سبب نہیں ہو سکتی۔ اور نہ ان کا نسب صحیح ہو سکتا ہے لیکن معاویہ انسان پر ہر جانب سے حملہ کرتا ہے۔ اس سے بچے رہنا۔ اور ڈرتے رہنا۔ والسلام

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد معاویہ اور زیاد میں مصالحت کی صورتیں پیدا ہو گئیں تو دونوں کا استلحاق پر اتفاق ہو گیا' چنانچہ لوگوں کو جمع کیا گیا۔ زیاد کے متعلق شہادت دینے والے بھی حاضر تھے۔ ان میں ابومریم سلولی بھی تھا' اس نے شہادت دی کہ اسی کے مکان پر ابوسفیان کی اور سمیہ کی ملاقات ہوئی تھی اور اس نے تمام قصہ من وعن

بیان کردیا۔ اس پر زیاد نے کہا کہ "اے ابو مریم۔ بس اب ٹھہر جاؤ تم کو شہادت دینے کے لئے بلایا تھا۔ گالیاں دینے کے لئے نہیں۔ الغرض معاویہ نے زیاد کو اپنے نسب میں ملالیا۔

امیر معاویہ کا یہ استلحاق پہلا معاملہ ہے جس سے احکام شریعت کی اعلانیہ مخالفت کی گئی۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ الولد للفراش وللعاہر الحجر
(اردو ترجمہ تاریخ نفیس اکیڈمی کراچی)

ابو مریم زیاد کو ابو سفیان کا نطفہ ثابت کرنے کے لئے کچھ زیادہ ہی حقیقت بیانی پر اتر آیا تھا۔ چنانچہ زیاد مشتعل ہو کر چیخ پڑا۔ ابن الاثیر کے اردو ترجمہ میں صرف یہ نہ ہے کہ اس نے تمام قصہ من وعن بیان کردیا۔ وہ قصہ کیا تھا اسے ہم تاریخ ابو الفداء سے نقل کرتے ہیں۔

زمانہ جاہلیت میں ابو سفیان طائف گئے تو ابو مریم شراب فروش کے یہاں اترے ابو مریم سے کہنے لگے کہ میں اس وقت عورت کی خواہش میں بے چین ہوں۔ ابو مریم نے کہا کہ اگر تم سمیہ کو پسند کرو تو میں اس کو بلا دوں۔ ابو سفیان نے ہیجان آمیز خواہش میں کہا کہ اسی کو بلا دو۔ باوجودیکہ وہ دراز پستان اور قبیح البطن ہے۔ ابو مریم نے سمیہ کو بلا دیا۔ ابو سفیان اس سے ہم بستر ہوئے، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ سمیہ حاملہ ہوگئی اور بعد انقضائے مدت حمل زیاد پیدا ہوئے پس جب معاویہ نے زیاد کو اپنے سلسلہ نسب میں شامل کرنا چاہا تو لوگوں کو اس بات میں گواہی دینے کے لئے طلب کیا، منجملہ ان گواہوں کے ابو مریم شراب فروش نے بھی گواہی دی جو سمیہ کو طائف میں ابو سفیان کے لئے بلا کر لایا تھا۔ اور اس نے بیان کیا کہ میں نے بچشم خود سمیہ کی اندام نہانی سے ابو سفیان کا مادۂ حیوانی ٹپکتے ہوئے دیکھا

(تاریخ ابو الفداء)

استلحاقِ زیاد کے بارے میں مولانا مودودی کی رائے

زیاد بن سمیہ کا استلحاق بھی حضرت معاویہ کے ان افعال میں سے ہے جن میں انہوں نے

سیاسی اغراض کے لئے شریعت کے ایک مسلمہ قاعدے کی خلاف ورزی کی تھی۔ زیاد طائف کی ایک لونڈی سمیہ نامی کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا، لوگوں کا بیان یہ تھا کہ زمانہ جاہلیت میں حضرت معاویہ کے والد جناب ابوسفیان نے اس لونڈی سے زنا کا ارتکاب کیا تھا۔ اور اسی سے وہ حاملہ ہوئی۔ حضرت ابوسفیان نے خود بھی ایک مرتبہ اس بات کی طرف اشارہ کیا تھا کہ زیاد انہی کے نطفہ سے ہے جوان ہو کر یہ شخص اعلیٰ درجہ کا مدبر، منتظم، فوجی لیڈر اور غیر معمولی قابلیتوں کا مالک ثابت ہوا۔ حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت میں وہ آپ کا زبردست حامی تھا۔ اور اس نے بڑی اہم خدمات انجام دی تھیں ان کے بعد حضرت معاویہ نے اس کو اپنا حامی و مددگار بنانے کے لئے اپنے والد ماجد کی زناکاری پر شہادتیں لیں اور اس کا ثبوت بہم پہنچا کر زیاد انہی کا ولدالحرام ہے، پھر اسی بنیاد پر اسے اپنا بھائی اور اپنے خاندان کا فرد قرار دے دیا۔ یہ فعل اخلاقی حیثیت سے جیسا کچھ مکروہ ہے وہ تو ظاہر ہی ہے۔ مگر قانونی حیثیت سے بھی یہ ایک صریح ناجائز فعل تھا کیونکہ شریعت میں کوئی نسب زنا سے ثابت نہیں ہوتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف حکم موجود ہے کہ بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا۔ اور زانی کے لئے کنکر پتھر ہیں"۔ ام المومنین ام حبیبہ نے اسی وجہ سے اس کو اپنا بھائی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور پردہ فرمایا۔ (خلافت و ملوکیت بعنوان قانون کی بالاتری کا خاتمہ)

شاہ عبدالعزیز کی رائے

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی جو کہ بہت بلند پایہ کے علماء دین شمار کئے جاتے ہیں اور شیعہ دشمنی میں مشہور ہیں انہیں بزرگ نے تحفہ اثنا عشریہ فارسی زبان میں لکھی یہ کتاب رد شیعت میں لکھی جانے والی کتابوں میں اہم ترین کتاب ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ کتاب دراصل ملا نصراللہ کابلی کی ہے جسے شاہ عبدالعزیز نے ہندوستان میں اپنے نام سے شائع کرایا۔ ہم اس کتاب کے اردو ترجمہ سے استلحاق زیاد کے بارے میں شاہ صاحب کی رائے نقل کرتے ہیں۔

؎ یہ عامل مردود حرامی زیاد ہے جو ملک فارس و شیراز کا صوبہ دار تھا اور وہ بے حیا اپنے حرامی ہونے پر فخر کرتا تھا، پکار پکار کر کہتا تھا اور اپنی ماں سمیہ نامی چھوکری پر زنا کی گواہی دیتا تھا۔ اس کا قصہ یوں ہے کہ ابو سفیان (معاویہ کے باپ) نے اسلام لانے سے پہلے سمیہ نامی ایک چھوکری سے جو حارث ثقفی طبیب مشہور کی کنیز تھی، تعلق کر لیا دن رات اس کے پاس آیا جایا کرتے تھے اور اس سے خواہش نفسانی پوری کرتے تھے۔ اسی اثنا میں سمیہ نے بچہ جنا جس کا نام زیاد ہوا، لیکن وہ چھوکری حارث کی ملکیت میں تھی اور اس کے غلام کے نکاح میں تھی اس لئے لڑکے کا لقب بچپن میں عبدالحارث مشہور ہوا، یہاں تک کہ بڑا ہوا اور شرافت و بلاغت کے آثار ظاہر ہوتے اور اس کی خوش تقریری اور خوش بیانی زبان زد خلائق ہوئی۔ ایک روز عمرو بن العاص نے کہا (جو قریش کے سنجیدہ بزرگوں میں سے تھے)، کہ اگر یہ لڑکا قریش سے ہوتا تو عرب کو اپنی لاٹھی سے ہانکتا۔ ابو سفیان نے یہ سن کر کہا "خدا کی قسم جس کا وہ نطفہ ہے اسے میں خوب جانتا ہوں۔ حضرت امیر (علیؑ) بھی اس وقت موجود تھے۔ آپؑ نے پوچھا "وہ کون ہے" ابو سفیان نے جواب دیا میں" آپؑ نے جواب دیا "بس کر اے ابو سفیان۔"

زیاد نے بھی یہ قصہ سن رکھا تھا اور انتہائی بے حیائی سے لوگوں سے کہتا تھا کہ میں دراصل نطفہ ابو سفیان ہوں۔ جب حضرت علیؑ نے اس کو فارس کا والی بنایا، اور شہروں کا نظم و نسق اور فساد کے فرو کرنے میں بہترین اور نمایاں تدبیریں اس سے ظہور میں آئیں تو معاویہ نے اس سے پوشیدہ خط و کتابت شروع کی اور چاہا کہ اس کو اپنا رفیق بنائے اور اپنے نسب میں اس کو شامل کر لینے کا لالچ دے اور یوں اس کو حضرت امیر کی رفاقت سے جدا کرے۔ کیونکہ اس قسم کے خوش تدبیر جیسے والے سردار کا حریف سے توڑ لینا بہت غنیمت ہے۔ اس سے پختہ وعدہ کیا کہ اگر تو میرے پاس آگیا تو تجھ کو اپنا بھائی کہوں گا اور اولاد ابو سفیان میں سے بتاؤں گا۔ کیونکہ آخر تو ابو سفیان کا ہی نطفہ ہے اور اپنی شرافت و بزرگی سمجھ اور زیرکی کو اپنے دعوے کی صداقت میں سچا گواہ رکھتا ہے۔

میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں کہتے ہیں کہ ابو سفیان نے دراصل زنا نہیں کیا تھا بلکہ وہ تو ایام جاہلیت میں رائج نکاحوں میں سے ایک نکاح تھا۔ اور زیاد اسی نکاح کی پیداوار تھا اب امیر معاویہ نے کیا بُرا کیا کہ اسے ابوسفیان کا نطفہ ثابت کر کے اپنا بھائی بنالیا۔ اس سلسلہ میں جسٹس تقی عثمانی (دیوبندی) کی دلچسپ تحریر ملاحظہ فرمائیے۔

جسٹس تقی عثمانی

"زیاد چونکہ حضرت ابوسفیان کے مسلمان ہونے سے پہلے پیدا ہو چکا تھا اس لئے یہ استلحاق یقیناً اسلام سے پہلے واقع ہوا تھا" البتہ اس کا اظہار لوگوں پر نہیں ہوا تھا جب حضرت معاویہ کے سامنے دس گواہوں نے (جن میں بعض جلیل القدر صحابہؓ بھی شامل تھے) اس بات کی گواہی دی کہ حضرت ابوسفیان نے اپنے ساتھ زیاد کے نسب کا اقرار کیا تھا، تب حضرت معاویہ نے ان کے لئے اس نسب کا اعلان کیا.... ہماری سمجھ سے باہر ہے کہ حضرت معاویہ نے زیاد کا جو استلحاق دس گواہوں کی گواہی پر مجمع عام میں کیا۔ اس میں شریعت کے کون سے مسلمہ قاعدے کی خلاف ورزی ہوئی۔

(معاویہ اور تاریخی حقائق، تقی عثمانی)

سیاہ کو سفید کرنے کی اس سے اچھی مثال اور کیا ہوگی! اور یہ کارنمایاں شریعت کورٹ کے جسٹس جناب تقی عثمانی صاحب نے انجام دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ابوسفیان نے سمیّہ سے زنا نہیں کیا تھا بلکہ وہ ایام جاہلیت کے نکاحوں میں سے ایک نکاح تھا۔ ان کے اس خیال کی بنیاد ابن خلدون کی یہ روایت ہے۔

سمیّہ، جو زیاد کی ماں ہے حارث بن کلدہ طبیب کی لونڈی تھی اسی کے ہاں اس سے حضرت ابوبکرہ پیدا ہوئے۔ پھر اس نے اس کی شادی اپنے ایک آزاد کردہ غلام سے کر دی۔ اور اسکے یہاں زیاد پیدا ہوا۔ واقعہ یہ تھا کہ ابوسفیان اپنے کسی کام سے طائف

جب حضرت امیر کی شہادت کے بعد سیدنا و مولانا حسن مجتبیٰؑ نے ملک و سلطنت کا معاملہ معاویہ کے سپرد کیا کر دیا تو معاویہ نے زیاد کو اپنی طرف مائل کرنے میں حد سے زائد کوشش کی کیونکہ وہ بہت مدبر، شجاع اور زیرک سردار تھا اس غرض سے کہ اس کی رفاقت میں حضرت علیؑ کی طرح بڑی بڑی مہمات طے کرائے تو اس وقت معاویہ نے ابوسفیان کر اسی کلمہ سے تمسک کیا جو ان کی زبان سے عمرو بن العاص اور حضرت امیرؑ کے روبرو نکلا تھا اور اس کو اپنا بھائی قرار دیا اور ۴۴ھ میں زیاد بن ابی سفیان اس کا لقب تحریر کیا۔ تمام مملکت میں اعلان کرا دیا کہ اس کو زیاد بن ابی سفیان کہا کریں۔ اب ابن زیاد

لطفہ ناتحقیق کی شرارت دیکھیے کہ معاویہ کی رفاقت میں پہلا فعل جو اس سے سرزد ہوا، حضرت امیر کی عداوت تھی۔ (تحفہ اثنا عشریہ)

ڈاکٹر طہٰ حسین کہتے ہیں کہ اس نئے رشتہ کی راہ میں امیر معاویہ اور زیاد دونوں کو بڑی بڑی دشواریاں پیش آئیں۔ امیر معاویہ کو اس کے تسلیم کرانے میں اپنی قوم بنی امیہ کے ساتھ اور خصوصاً قریش کے ساتھ عموماً بڑی سختی کا برتاؤ کرنا پڑا۔ میرا یہ خیال ہے کہ لوگوں نے امیر معاویہ کی گرفت سے ڈر کر یا پھر ان سے مالی منفعت کے لالچ میں اس کو منظور کر لیا۔ بہت سوں نے تو بظاہر قبول کیا لیکن دل سے انکاری رہے اور بہتوں نے غیر جانب داری برتی۔ اس طرح کہ زیاد کو ابوسفیان کی طرف منسوب نہیں کیا۔ صرف اس کا نام لکھ دیا، یا پھر اس کو سمیہ کی طرف منسوب کر دیا۔

(علیؑ۔ تاریخ و سیاست کی روشنی میں)

سنی علماء دین اور مورخین نے بالعموم معاویہ کے اس فعل کو مذموم اور خلاف شرع جانا ہے۔ بعض نے تو کھل کر مذمت آمیز لہجہ اختیار کرتے ہوئے معاویہ کے اس فعل کو محض ان کی سیاسی اغراض کی تکمیل کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ لیکن یہ ان بیچاروں کے مسلک کی مجبوری ہے کہ بڑی سے بڑی برائی ثابت ہو جانے کے بعد بھی ان نام نہاد صحابہ کا احترام کرتے ہیں اور ان کے نام کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ضرور لگاتے ہیں۔ لیکن بعض ناصبی، دیوبندی اور وہابی حسب عادت یہاں بھی معاویہ کی صفائی پیش کرنے

گئے تھے وہاں انہوں نے سمیہّ سے اس طرح نکاح کیا جس طرح کے نکاح جاہلیت میں رائج تھے اور اس سے مباشرت کی۔ اسی مباشرت سے زیاد پیدا ہوا۔ اور سمیہّ نے زیاد کو ابو سفیان سے منسوب کیا۔ خود ابو سفیان نے بھی اس نسب کا اقرار کرلیا تھا۔ مگر خفیہ طور پہ۔" (تاریخ ابن خلدون حصّہ اول خلفائے رسولؐ)

ابنِ خلدون دمشق کا رہنے والا تھا، اس کی طبیعت کا میلان فطری طور سے بنی امیہ کی طرف تھا اور تقی عثمانی صاحب تو بنوامیہ کے ایسے حامی ہیں کہ اگر کوئی مروان بن حکم کو بُرے الفاظ سے یاد کرے تو بُرا مان جاتے ہیں چنانچہ انہوں نے اموی مؤرّخ کی روایت کا سہارا لے کر معاویہ کے مکروہ ترین اور خلافِ شرع فعل کو صرف جائز ہی قرار نہیں دیا بلکہ اسے ایک ایسا عظیم کارنامہ سمجھا کہ جس کی وجہ سے اُن کے (تقی عثمانی) کے دل میں معاویہ کا احترام اور بڑھ گیا۔

ایّامِ جاہلیّت کے نکاح اور سُمیّہ اور ابوسفیان کا تعلق

اب ہم اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ ایّام جاہلیّت میں رائج نکاحوں میں سے کسی قسم کے نکاح کا اطلاق سمیّہ اور ابو سفیان کے درمیان قائم ہونے والے تعلق پر ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بخاری شریف کے مطابق ایام جاہلیت میں چار طرح کے نکاح رائج تھے۔

عروہ بن زبیر حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں چار طرح کے نکاح ہوتے تھے۔ ایک تو یہ کہ جو آجکل لوگ کرتے ہیں، نکاح اس طریقہ پر بھی ہوتا تھا کہ کوئی مرد اپنی بیوی سے کہہ دیتا کہ جب تو ایام سے پاک ہوجائے تو فلاں مرد کے پاس چلی جانا اور اس سے فائدہ حاصل کرلینا۔ پھر شوہر اس عورت سے جُدا ہوجاتا۔ اور اس کے قریب نہ جاتا تھا جب تک کہ اس مرد کا حمل ظاہر نہ ہوجاتا، جب اس کا حمل ظاہر ہوجاتا تو اس کا شوہر جب جی چاہتا اس کے پاس چلا جاتا۔ یہ سب کچھ اسی لئے

کیا جاتا کہ بچہ اچھی نسل کا پیدا ہو۔ اس نکاح کو نکاح استبضاع کہتے تھے، تیسرے نکاح کی قسم یہ تھی کہ چند آدمی (دس سے کم) جمع ہو کر ایک عورت سے صحبت کرتے تھے، تب اسے حمل قرار پا جاتا اور اس کا بچہ ہو جاتا اور اسے کئی دن ہو جاتے تو وہ سب کو بلاتی۔ ان میں سے کسی کو یہ طاقت نہ ہوتی کہ آنے سے انکار کرے، جب سب جمع ہو جاتے تو وہ کہتی تم سب کو اپنا حال معلوم ہے، جو کچھ تھا اور میرے ہاں جو بچہ پیدا ہوا ہے، اے فلاں یہ تیرا بیٹا ہے۔ جو تیرا دل چاہے اس کا نام رکھ۔ چنانچہ وہ بچہ اس کا ہو جاتا۔ اور اسے انکار کرنے کی مجال نہیں ہوتی۔

چوتھے قسم کا نکاح یہ تھا کہ بہت سے آدمی ایک عورت سے صحبت کر جایا کرتے تھے اور وہ کسی آنے والے کو منع نہ کرتی۔ دراصل یہ لونڈیاں تھیں انہوں نے نشانی کے طور پر اپنے دروازوں پر جھنڈے نصب کر رکھے تھے کہ جو چاہے ان سے صحبت کرے جب ان میں سے کسی کو پیٹ رہ جاتا تو وہ سب جمع ہو کر علم قیافہ کے جاننے والے کو بُلاتے وہ جس کے مشابہ دیکھتا اس سے کہہ دیتا کہ یہ تیرا بیٹا ہے وہ اس کا بیٹا ہو جاتا۔ اور وہ بچہ اس شخص کا بیٹا کہہ کر پکارا جاتا اور وہ مرد اس سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔

پھر جب آنحضرتؐ سچے نبی مبعوث ہوئے تو یہ سب قسم کی زمانۂ جاہلیت کی شادیاں باطل کر دی گئیں صرف آجکل کی شادی کا مروّج طریقہ جائز رکھا گیا۔

(صحیح بخاری۔ کتاب النکاح)

—— ایام جاہلیت کی ان زناکاریوں کو جسے نکاح کا نام دیا گیا صرف ایک بات مشترک ہے اور وہ ہے نسب کا تحفظ۔ یہی بات ان نام نہاد نکاحوں کو زنا سے جُدا کرتی ہے۔ یہ نسب کی نسبت اعلانیہ ہوتی اور جس شخص سے نسبت دی جاتی وہ بالاعلان اسے قبول کرتا۔ اور ایسی اولاد کو اپنے خاندان میں شامل کر لیتا جسے معاشرہ بھی شرفِ قبولیت بخشتا۔ بچہ اپنے اسی باپ کے نام سے پکارا جاتا۔ اب دیکھئے کہ زیاد کے معاملہ میں کیا ہوا۔ اس کا معاملہ بالکل مختلف نظر آئے گا۔ جب سمیّہ کے ہاں زیاد پیدا ہوا تو ابو سفیان نے اسے اپنے نسب میں داخل کرنے کا کوئی اعلان نہیں کیا۔ اور

پھر جب فتح مکہ کے بعد ابوسفیان اسلام میں داخل ہوا تو پھر بھی اس نے اس مسئلہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش نہیں کیا۔ حالانکہ اگر واقعی زیاد اسی کا نطفہ تھا تو یہ اس کا اخلاقی اور انسانی فرض تھا کہ وہ اس کی حیثیت کو قانونی شکل دینے کی کوشش کرتا۔ تاکہ حقدار کو اس کا حق پہنچتا۔ لیکن ابوسفیان نے ایسا نہیں کیا۔ صرف ایک روایت ملتی ہے کہ اس نے ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے دور میں حضرت علیؓ کی موجودگی میں، اس بات کا اقرار کیا کہ زیاد اس کا بیٹا ہے، جس پر حضرت علیؓ نے اسے ڈانٹ دیا اور پھر حضرت عثمانؓ کا دور آیا، لیکن ابوسفیان خاموش رہا۔ اور اسی دور میں یہ راز لئے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گیا۔ ابوسفیان زیاد کی پیدائش کے بعد ۳۴ برس زندہ رہا۔ اس تمام عرصہ زیاد ایک غلام زادہ کی حیثیت اختیار کئے رہا۔ اور عبید کی ولدیت سے پہچانا جاتا رہا۔ ابوسفیان کے مر جانے کے بعد معاویہ کو اپنے حرامی بھائی کی فکر ہوئی اور وہ بھی نو برس بعد، یعنی ۴۴ھ میں۔

سیدھی اور سچی بات یہی ہے کہ جسے بالعموم علماء دین و مؤرخین نے تسلیم کیا ہے کہ زیاد کو ابوسفیان کے نسب میں داخل کرنا معاویہ کی سیاسی ضرورت تھی لہٰذا انہوں نے اس وقت کے معاشرتی معیار کے مطابق بے حیائی کے تمام ریکارڈ توڑتے ہوئے بھری مجلس میں اپنے باپ کی زناکاری پر شہادتیں دلوائیں اور زیاد نے اپنی ماں کے لئے وہ کچھ سنا جسے کوئی بیٹا سن نہیں سکتا۔

اب ان حقائق کو سمجھنے کے بعد تقی عثمانی صاحب کی تحریر دوبارہ پڑھئے اور عبرت حاصل کیجئے کہ لوگ محبت اور عداوت کے جذبات کے تحت حقائق کو کس طرح مسخ کرتے ہیں۔

"ہم پر تو اس واقعہ کی تفصیلات پڑھنے کے بعد حضرت معاویہ کے جذبۂ احترام عترت کا غیر معمولی تاثر قائم ہوا۔ جس شخص کو ساری دنیا ولد الحرام اور عبید ثابت نسب کہتی اور سمجھتی آئی تھی آج اسے اپنا بھائی بنا لیا جاتے۔ ظاہر ہے کہ حضرت معاویہ جیسے جلیل القدر صحابی، سردار اور سردار زادے کے لئے یہ بات کس قدر شاق ہوگی؟ لیکن

جب دس گواہوں کے بعد ایسے شخص کو اپنا بھائی قرار دیتا حق الدین پاتا ہے تو وہ اپنے تمام جذبات کو ختم کر دے ...... پکارا اٹھتا ہے کہ :

"میں نے حق کو پہچان لیا۔ اس لئے اس کے حقدار کو پہنچا دیا۔"

(معاویہ تاریخی حقائق)

عثمانی صاحب نے کچھ یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ جیسے یکایک خود سے دس گواہ معاویہ کے سامنے پہنچ گئے۔ اور زیاد کے نطفہ ابو سفیان ہونے پر گواہی دی چنانچہ معاویہ جیسے پابند شریعت صحابی سے رہا نہ گیا، حالانکہ ان کے لئے یہ بات بہت شاق تھی لیکن انہوں نے حکم شریعت کے آگے سر جھکا دیا۔ اور پکار اٹھے کہ

"میں نے اللہ کے حق کو پہچان لیا اور اسکے حقدار کو پہنچا دیا۔"

معاویہ کے منہ سے یہ الفاظ ادا کرانا ایسی بلے جوڑ بات ہے کہ جیسے پڑھ کر آدمی چونک جائے اور تھوڑی دیر کے لئے نظروں پر یقین نہ آئے..... معاویہ نے تو کبھی اللہ کے حق کو نہ پہچانا اور نہ ہی اس کے حقدار کو پہنچایا۔ انہوں نے تو ایسے شخص کا حق بھی چھینا کہ جس کا حق سب پر عیاں تھا، اور اس کی خاطر ہزاروں مسلمانوں کا خون بہایا۔

زیاد کا تقرر بصرہ پر

زیاد کو اپنا بھائی بنانے کے بعد معاویہ نے اسے ربیع الآخر یا جمادی الاول ۴۵ھ میں بصرہ روانہ کیا۔ بصرہ کے حاکم حرث ابن عبد اللہ الازدی کو معزول کر کے بصرے خراسان اور سجستان کا حاکم بنایا اور پھر سندھ بحرین اور عمان کے علاقے بھی اس کے حوالے کر دیئے۔

جب زیاد بصرے پہنچا تو وہاں لاقانونیت اور فسق و فجور کا دور دورہ تھا اس نے وہاں کے لوگوں کے سامنے عجیب و غریب تقریر کی اور تقریر کا آغاز عام رواج کے مطابق اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا سے نہیں کیا۔ چنانچہ اس خطبہ کو خطبہ تبرا کہا جاتا ہے۔ خطبہ :

خطبہ تبرا سنو! سخت جہالت اندھی گمراہی اور فسق و فجور جس کی بھڑکائی ہوئی آگ اہل فسق کو ہمیشہ جلاتی رہتی ہے۔ یہ بڑی امور عظیم ہیں جو تم میں سے نالائق لوگ گزرتے ہیں۔ اور عقلا کو بھی

لپیٹ لیتے ہیں چھوٹے انہیں حقیر خیال کرتے ہیں اور بڑے ان سے پرہیز نہیں کرتے۔ تم نے تو جیسے آیات ربانی کو سنا ہی نہیں۔ کتاب خدا کو پڑھا ہی نہیں یہ جانتے ہی نہیں کہ خدا نے اطاعت گزاروں کے لئے کیسا ثواب اور گنہگاروں کے لئے کس قدر عذاب سرمدی مقرر کیا ہے جس سے چھٹکارا ہی نہیں۔ کیا تم بھی ان لوگوں میں ہو جن کی آنکھوں میں حرص دنیا نے خاک جھونک دی۔ جن کے کانوں میں ہوس و خواہش نے ٹھیٹھیاں دے دیں۔ جنھوں نے باقی کو چھوڑ کر فانی کو پسند کیا۔ تمھیں یاد نہیں رہا کہ یہ خرابات کھلے رہنے دینے اور یہ کمزور اور بے عقلی کی باتیں جو تم دن دہاڑے کرتے ہو ایسی چیزیں ہیں کہ اسلام میں تم سے پہلے کسی نے

نئی باتیں نہیں کیں اور پھر طرہ یہ کہ ایسی ایسی بدعتوں کی تعداد کچھ کم نہیں ہے۔ کیا باغیوں کو دن کی لوٹ مار اور رات کی شب گردی سے روکنے والے تم میں نہ تھے۔ قرابت کا تم نے خیال کیا اور دین سے دور رہے۔ کوئی عذر بھی نہیں اور معذور بنتے ہو۔ اچکوں کی پردہ پوشی کرتے ہو۔ تم میں سے ہر شخص ایک نالائق کی پیچ کرتا جیسے کسی کو نہ عذاب کا ڈر ہو نہ قیامت کا اندیشہ۔ تم ہرگز عقلمند اور حلیم نہیں، تم نے سفہائی کی پیروی شروع کر دی ہے۔ تم ان لوگوں کو پناہ میں اس طرح لئے ہوئے ہو کہ انہوں نے اسلام کی ہتک عزت کی۔ اور پھر تمہارے پس پردہ گوشہ رسوائی میں آ کر چھپ رہے جب تک میں ان کی جائے پناہ کو نہ ڈھا دوں اور جلا کے خاک نہ کر ڈالوں مجھے کھانا پینا حرام ہے، میں دیکھتا ہوں اس امر کا انجام اس طرح ہو گا، جس طرح آغاز ہوا تھا۔ نرمی کی جائے گی مگر ایسی جس میں کمزوری نہ ثابت ہو سختی کی جائے گی مگر ایسی جس میں جبر و تعدی نہ ہو۔ واللہ میں غلام کا مواخذہ آقا سے، مسافر کا مقیم سے، مستند کا اقبال مند سے بیمار کا تندرست سے کروں گا۔ تم میں سے کوئی شخص اپنے دوست سے ملے گا تو یہ شل زبان پر ہو گی کہ "بیاں سعد تم ذرا بچے رہنا۔ بیچارہ سعید تو ہلاک ہو گیا" یا یہ ہو گا کہ تمہاری برچھیاں میری طرف سیدھی ہو جائیں۔

منبر پر جھوٹ کہنا دائمی رسوائی کا باعث ہوتا ہے تم پر کوئی میرا جھوٹ ثابت ہو جائے تو میری نافرمانی کرنا تمہیں جائز ہے۔ تم میں سے کسی پر ڈاکہ پڑے تو اس کے نقصان کا ضامن میں ہوں۔ دیکھو، شب گردی کی شکایت میرے پاس نہ آنے پائے — جو

شب کر دگرفتار ہو کر میرے پاس آئے گا۔ میں اسے قتل ہی کر ڈالوں گا۔ میں تم کو اتنی مہلت دیتا ہوں کہ یہ خبر کوفہ تک پہنچ کر تم تک واپس آئے۔ دیکھو میں کسی سے دعویٰ جاہلیت نہ سننے پاؤں جس کو میں سنوں گا کہ ایسا کلمہ منہ سے نکالا ہے اس کی زبان ہی کاٹ ڈالوں گا۔

تم نے آج کل بالکل نرالی اور انوکھی باتیں پیدا کرنا شروع کی ہیں۔ یہ خوب سوچ لو کہ ہم نے بھی ہر ایک جرم کے لئے ایک سزا مقرر کی ہے۔ جو کوئی کسی کو غرق کرے گا ہم بھی اسے غرق کریں گے جو کسی کو جلائے گا ہم بھی اُسے جلا کر خاک کر دیں گے جو کسی کے گھر میں نقب لگائے گا میں اس کے دل میں سوراخ کر دوں گا۔ اگر کوئی شخص کسی کی قبر کھود ے گا تو میں اُسی قبر میں اُ سے گاڑ دوں گا۔ اپنے ہاتھ اور اپنی زبان کو مجھ پر دراز کرنا میں بھی اپنا ہاتھ اور اپنی زبان تم سے روکے رکھوں گا۔

خبردار! مجھ سے بچے رہنا اگر عام دستور کے خلاف کوئی حرکت کسی سے سرزد ہوتی تو میں اس کی گردن ماردوں گا۔ میرے اور کچھ لوگوں کے درمیان عداوتے چلی آتی ہے اب نے ان باتوں کو کانوں کے پیچھے اور قدموں کے نیچے ڈال دیا ہے۔ تم میں جو نیک لوگ ہیں انہیں چاہیئے کہ اپنی نیکی یاد کریں۔ جو لوگ بد ہیں اپنی بدی سے باز آئیں۔ اگر میں یہ جان لوں کہ میری دشمنی کسی شخص کو مارے ڈالتی ہے۔ جب بھی میں اس کا پردہ فاش نہ کروں گا یہاں تک کہ وہ میرے ساتھ اعلانیہ رُو گردانی و سرکشی نہ کرے۔ ہاں اس صورت میں اُسے دم نہ لینے دوں گا۔ اب تم اپنے کاموں میں از سر نو مصروف ہو جاؤ اور اپنے خیالات درست کر لو کتنے ہی لوگ میرے آنے سے رنجیدہ ہوتے ہیں جو خوش ہو جائیں گے۔ اور کتنے ہی لوگ میرے آنے خوش ہوتے ہیں جو رنجیدہ ہو جائیں گے۔

ایہاالناس! ہم لوگ تمھارے رئیس ہیں تمھاری حمایت کرنے والے ہیں۔ خدا نے جو حکومت ہمیں عطا کی ہے اسی کی رُو سے ہم تم پر حکم چلائیں گے۔ خدا نے جو مال غنیمت ہمکو بخشا ہے اسی سے ہم تمھاری حمایت کریں گے۔ ہمارا حق تم پر یہ ہے کہ ہماری مرضی کے موافق ہماری اطاعت کرو۔ اور تمہارا حق ہم پر یہ ہے کہ اپنی اس حکومت میں عدل کریں۔ ہماری خیر خواہی کر کے تم اپنے آپ کو ہمارے عدل کا اور مال کا مستحق بناؤ اور جان لو کہ اگر میں

کوتاہی بھی کروں تو تین باتوں میں ہرگز ایسا نہ کروں گا۔ کوئی حاجت مند آدمی آدھی رات کو بھی میرے پاس آئے تو میں اس سے رُوپوش نہ ہوں گا کسی کی تنخواہ کو یا وظیفہ کو عین وقت پر ادا ہونے سے نہ روکوں گا اور تمھارے لئے کسی فوج کو بھی نہ رکھوں گا۔

تمہیں چاہیئے کہ اپنے ائمہ کے لئے خُدا سے دُعائے خیر کرو۔ یہ سب تمھارے حاکم ہیں۔ تمہیں ادب دینے والے ہیں تمہاری جائے پناہ ہیں۔ جن کا سہارا تم رکھتے ہو۔ اور اگر تم نیک ہو جاؤ گے تو وہ بھی نیک ہو جائیں گے ان کی طرف سے دل میں بغض نہ رکھو کہ اس سے تم میں غم و غصہ میں ہمیشہ مبتلا رہو گے، ایسی حالت کے طلبگار نہ ہو جو پوری کی جائے تو تم کو ضرر پہنچائے۔ میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ تم سب کو سب کے لئے مددگار بنائے۔ جب دیکھنا کہ میں تم لوگوں میں کوئی حکم جاری کرنا چاہتا ہوں تو اُسے آسانی سے جاری ہونے دینا اور خدا کی قسم، تم میں سے بہت سے لوگ میرے ہاتھ سے مارے جائیں گے۔ ہر شخص کو چاہیئے کہ میرے کشتوں میں شامل ہونے سے منع کرے۔

خطبہ کا ردِ عمل

عبداللہ بن اہتم نے کھڑے ہو کر کہا " اے امیر! میں اعتراف کرتا ہوں کہ خدا نے آپ کو دانائی اور قوتِ فیصلہ عطا فرمائی۔ زیاد نے کہا تم نے غلط کہا۔ یہ مرتبہ حضرت داؤد کو ملا تھا۔

احنف نے کہا " اے امیر آپ نے جو کچھ کہا خوب کہا، لیکن آزمائش کے بعد ستائش اور عطا کے بعد سپاس چاہیئے، ہم کبھی تعریف نہ کریں گے جب تک امتحان نہ کرلیں۔ زیاد نے کہا " یہ بات صحیح ہے۔"

ابو بلال مرداس ابن ادیہ (جو کہ خوارج میں سے تھا) کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ " خدائے تعالیٰ نے جو خبر دی وہ اس سے متغائر ہے جو آپ نے فرمایا۔ خدا فرماتا ہے " وابراھیم الذی وفی الا تزر وازرۃ وزر اُخریٰ وان لیس للانسان الا ما سعیٰ۔ یعنی صحف موسیٰ و ابراہیم میں لکھا ہے کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ

نہیں اٹھائے گا۔ اور انسان جیسا کرے گا ویسا پائے گا۔ اے زیاد! تم نے جو وعدہ کیا ہے اس سے بہتر وعدہ خدا نے ہم سے کیا ہے

زیاد نے جواب دیا "جو کچھ تم یا تمہارے دوست چاہتے ہیں اس کو پورا کرنے کے لئے ہمارے پاس کوئی سبیل نہیں۔ جب تک ہم اس کے حصول کے لئے خون میں نہا لیں۔

تاریخ طبری و ابن الاثیر، ۴۵ھ کے واقعات)

زیاد کا یہ خطبہ عجیب و غریب خطبہ تھا، ایسا خطبہ شاید ہی پہلے کسی مسلمان نے سنا ہو گا جو اہلِ بصرہ نے سنا۔ اس میں ان کے لئے دلجوئی کا سامان بھی تھا اور قہر و غضب کا بھی ... کی پاسداری کی بھی ... تگو بھی اور خلافِ شرع سزاؤں کی دھمکیاں بھی۔ اسلام میں تو یہ ہے کہ ہر شخص اپنے کئے کا خود ذمہ دار ہے۔ لیکن زیاد برملا کہہ رہا ہے کہ میں غلام کا مواخذہ آقا سے، مسافر کا مقیم سے اور بیمار کا تندرست سے کروں گا۔ اسلام میں چور کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے۔ لیکن زیاد اس کے دل میں سوراخ کرنا چاہتا ہے کسی کی قبر کھودنے والے کو اس میں زندہ دفن کرنے کی دھمکی دیتا ہے۔ حالانکہ اسلام میں کسی بھی نوعیت کے مجرم کے لئے یہ سزا نہیں ہے کہ اسے زندہ دفن کر دیا جائے۔

زیاد حضرت علیؓ کے زمانے میں ایسا نہ تھا اس میں اس تبدیلی کی بنیادی وجہ تو یہ تھی کہ وہ پہلے حق کے ساتھ تھا۔ اور اب باطل کے ساتھ ہوا، اور اس طرح ہوا کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اور اس تبدیلی کی ایک خاص وجہ معاویہ کے ساتھ اس کا استلحاق تھا عرب نسل کے معاملے کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ جو صحیح النسب نہ ہوتا اس کا تمسخر اڑاتے وہ اچھا خاصا عبید کی ولدیت سے پہچانا جاتا تھا لیکن اپنی ماں کی زنا کاری پر برسرِ عام گواہیوں پر راضی ہو کر ابوسفیان کا بیٹا اور معاویہ کا بھائی بن گیا۔ اس وقت کے عرب اور اسلامی معاشرے کے لئے یہ بات بڑی رسوائی والی تھی، لہٰذا زیاد نے دلوں میں خوف اور دہشت بٹھا کر لوگوں کی زبان بند کرنا چاہی۔

زیاد کے خطبہ میں جو تضاد کی صورت ہے اس کا سبب یہ ہے کہ ایک طرف تو وہ حضرت علیؓ کے دورِ حکومت تک اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی گزار چکا تھا۔ اور پھر

اب باطل سے الحاق کرلیا تھا۔ اب وہ بصرہ میں صرف باطل (معاویہ) کا نمائندہ نہ تھا۔ بلکہ ایک ایسا ولدالزنا گورنر تھا کہ جس کے حرامی ہو لنے کا برسرِ عام فیصلہ ہوا تھا۔ چنانچہ اب اس کے علاوہ کوئی صورت نہ تھی کہ وہ سفّاکی سے حکومت کرے۔ اور اپنے اور اپنے آقا کے مفادات کی خاطر خُون کی ندیاں بہلائے۔ اس کی سفّاکی کا ایک دلچسپ واقعہ ملاحظہ ہو۔

"اپنے صاحب الشرط عبداللہ بن حصین کو شہر میں گشت کا حکم دیتا تھا، چنانچہ وہ باہر جاتا اور ہر اس شخص کو جو باہر نظر آتا قتل کر دیتا۔ اتفاق سے ایک رات ایک اعرابی اسی طرح پکڑا گیا۔ صاحب الشرط نے اسے زیاد کے سامنے پیش کیا۔ زیاد نے پوچھا کیا تم نے منادی نہیں سُنی؟ اس نے کہا "خدا کی قسم میں نے نہیں سُنی۔" میں تو یہاں اپنی دودھ دینے والی اونٹنی لے کر آیا تھا، اتنے میں رات نے مجھے آلیا اور میں مجبوراً اسے لے کر یہیں ایک جگہ ٹھہر گیا کہ صبح ہو تو چلوں۔ مجھے امیر کے حکم کی خبر نہیں ہے۔

زیاد نے کہا "بخدا میں تمہیں صادق القول سمجھتا ہوں لیکن تمہارے قتل میں امت کی بہتری ہے۔" یہ کہہ کر اسکے قتل کا حکم دیا، چنانچہ اس کی گردن ماردی گئی۔ (تاریخ کامل) دہشت گردی کے باوجود نہ تو شیعہ اس کے قابو میں آئے اور نہ ہی خارجی۔

عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کا قتل

خالد بن ولید جنہیں مسلمان سیف اللہ کے لقب سے یاد کرتے ہیں ان کے فرزند عبدالرحمٰن کو معاویہ نے زہر دلوادیا حالانکہ عبدالرحمٰن معاویہ کے دوستوں میں سے تھے، یہ جنگ صفین میں معاویہ کی طرف سے حضرت علیؑ سے لڑنے آئے تھے۔ یہ وہی عبدالرحمٰن ہیں کہ جو عثمان کے دور خلافت معاویہ کی طرف سے حمص میں ان کے نائب کی حیثیت سے تعینات تھے تو ان کے پاس بھی جناب مالک اشتر اور ان کے ساتھیوں کو جلا وطنی کا کچھ عرصہ گذارنا پڑا تھا۔ اس دوران عثمان اور معاویہ کو خوش کرنے کیلئے ان بڑے لوگوں کے ساتھ انتہائی ذلت آمیز سلوک کیا تھا غرضیکہ یہ شخص زندگی بھر بنو امیہ کا حامی و مددگار رہا ہے اس کے باوجود اموی غاصب خلیفہ کی سازش کا شکار ہو کر اپنی جان گنوائی ...... طبری کی روایت:

عبدالرحمٰن بن خالد روم سے حمص کی طرف واپس آتے ابن اثال نصرانی نے شربت میں زہر ملا کر دے دیا کہا جاتا ہے کہ انہوں نے وہ شربت پی لیا اُسی زہر سے ان کا کام تمام ہو گیا۔ سبب اس کا یہ ہوا کہ ملک شام میں عبدالرحمٰن بن خالد کی شان بہت بڑھ گئی تھی یہاں کے لوگ دل سے ان کی طرف مائل تھے، ان کے والد خالد بن ولید کے آثار لوگوں کے پاس موجود تھے، دوسرے زمین روم میں مسلمانوں کے لئے ان کی جفاکشی سے ان کا رعب دبدبہ تھا۔ معاویہ تک کو ان سے خوف ہو گیا کہ ان کے سبب اُسے ضرر نہ پہنچے اسی خیال سے معاویہ نے ابن اثال کو حکم دیا کہ ان کے قتل کا کوئی حیلہ نکالے اور اس بات کی ضمانت کر لی کہ اگر اس نے ایسا کر دیا تو عمر بھر کے لئے خراج اسے معاف ہو جائے گا۔ اور حمص کے خراج کی تحصیل اس کے متعلق کر دی جائے گی۔ ابن اثال نے اپنے کسی غلام کے ہاتھ عبدالرحمٰن کے پاس زہر ملا ہوا شربت بھیج دیا۔ جسے پی کر وہ حمص میں مر گئے۔ معاویہ نے نصرانی سے جو وعدے کئے تھے پورے کر دیئے۔ خراج اسے معاف ہو گیا اور حمص کی تحصیل اسکے متعلق ہو گئی۔

(تاریخ طبری ۴۶ ھ کے واقعات)

شہادت حضرت امام حسنؑ ابن علیؑ ابن ابیطالبؑ

معاویہ نے یزید کو ولی عہد بنانے کا ارادہ کر تو لیا لیکن اسے اس بات کی فکر ہوئی کہ حسنؑ ابن علیؑ زندہ ہیں اور ان کی زندگی میں یہ کام ممکن نہیں، چنانچہ اس نے انہیں اپنے راستہ سے ہٹا دینے کا ارادہ کیا اور کامیابی کے لئے وہی آزمودہ نسخہ استعمال کیا جو مالک اشتر اور عبدالرحمٰن بن خالد کے سلسلہ میں آزمایا جا چکا تھا۔

مورخ مسعودی لکھتا ہے کہ

بیان کیا گیا ہے کہ حضرت امام حسنؑ کو ان کی بیوی جعدہ بنت اشعث بن قیس کندی نے زہر دیا تھا۔ اور اسے معاویہ نے اس کام پر آمادہ کیا تھا۔ معاویہ نے اس سے کہا تھا کہ اگر اس نے یہ کام کر دیا تو وہ اسے ایک لاکھ درہم دینے کے علاوہ اپنے بیٹے یزید سے اس کی شادی کر دینگے۔ جب جعدہ نے معاویہ کی حسب منشا جناب امام حسنؑ کو زہر دے کر مار ڈالا تو معاویہ نے اسے حسب وعدہ ایک لاکھ درہم تو بھیج دیئے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہلوایا۔

"ہمیں یزید کی زندگی عزیز ہے اگر اس کے ساتھ تیری شادی کر دی گئی تو تیرے ہاتھوں اس کی بھی جان جا سکتی ہے۔ (مروج الذہب حصہ دوم باب ۷۴ خلافت حسنؑ)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں:

"چونکہ شہادت دو قسم کی مقرر کی گئی تھی ایک پوشیدہ اور ایک مکمل طور سے ظاہر جو سب پر آشکارہ ہو پہلی قسم کی شہادت ایک مخفی عمل تھا۔ اس لئے حضرت جبرئیل نے کبھی

اس کا ذکر نہیں کیا اور جب شہادت ہوئی تب بھی شبہ رہا۔ یہ امر بیوی کے ہاتھ واقع ہوا۔ حالانکہ یہ رشتہ محبت سے عبارت ہے نہ کہ دشمنی سے۔ یہ سب اسی سبب سے ہوا کہ یہ شہادت پوشیدہ رکھی گئی تھی۔ اس کی بنیاد ہی پوشیدگی پر تھی۔ اس وجہ سے حضور اکرمؐ نے بھی اس کی خبر نہیں دی۔ نہ امیرالمومنین حضرت علیؓ نے یہ بات بتائی اور نہ کسی اور نے یہ خبر ہم پہنچائی تھی۔ چھوٹے صاحبزادے (امام حسینؓ) دوسری قسم کی شہادت سے مخصوص ہوئے۔ اس کی بنیاد شہرت اور اعلانیہ تھی....

شاہ صاحب آگے چل کر لکھتے ہیں:

امام حسنؓ کی وفات ۴۹ھ میں ہوئی، اوّل یا آخر صفر میں؛ اور یہی مشہور ہے کہ امام حسنؓ کی وفات کا سبب یہ ہوا کہ آپ کی ایک بیوی جعدہ بنت اشعث نے یزید شقی بن معاویہ کے فریب دینے پر امام کو زہر دے دیا۔ یزید نے اس امر پر اس سے نکاح کا وعدہ کیا تھا۔ اس عورت نے ایسا ہی کیا۔ حسنؓ چالیس روز بیمار رہے۔ پھر انتقال فرمایا۔ اس کے بعد جعدہ نے یزید پلید کو پیغام بھیجا کہ وہ اپنا وعدہ پورا کرے۔ تو یزید نے جواب دیا کہ ہم تو اس پر راضی نہیں تھی کہ حسنؓ کے پاس نہ رہے ہم اپنی جان کی خاطر کب راضی ہونگے۔ (سرالشہادتین)

شاہ عبدالعزیز کو ہر مسلک کا سنّی ثقہ سمجھتا ہے اور احترام کی نظر سے دیکھتا ہے اسی طرح سے اور بھی سنّی علماء کہ جنھیں عقیدت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اس بات کے قائل ہیں کہ امام حسنؓ کو یزید کی سازش سے زہر دیا گیا تھا ہم سمجھتے ہیں کہ سنّی علماء نے معاویہ کے مقابلہ میں یزید والی روایت کو اس لئے قابلِ قبول سمجھا کہ معاویہ کا شمار چونکہ ان کے مسلک کی رو سے صحابہ میں ہوتا ہے، لہٰذا انہوں نے مسلک کے تحفّظ کی خاطر ایسا کیا۔ تاریخ کے مطالعہ میں مسلک کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے۔ یہ مسلمانوں کی مجبوری ہے۔ اب ہم ابن کثیر دمشقی کی تحریر پیش کرتے ہیں۔

محمد بن سعد نے بیان کیا ہے کہ یحییٰ بن حماد نے ہمیں بتایا کہ ابوالعوانہ نے مغیرہ سے بحوالہ ام موسیٰ ہمیں خبر دی کہ جعدہ بنت اشعث بن قیس نے حضرت حسنؓ کو زہر پلایا جس سے آپ بیمار ہو گئے، بعض نے روایت کی ہے کہ یزید بن معاویہ نے جعدہ بنت اشعث کو پیغام بھیجا کہ

حضرت حسنؓ کو زہر دے دو اور میں اس کے بعد تجھ سے شادی کر لوں گا تو اس نے آپ کو زہر دے دیا۔ اور جب حضرت امام حسنؓ فوت ہو گئے تو جعدہ نے یزید کو پیغام بھیجا تو اس نے کہا خدا کی قسم ہم نے تو تجھے حضرت حسنؓ کے لیئے پسند نہیں کیا، ہم تجھے اپنے لئے کیسے پسند کر سکتے ہیں ؟ اور میرے نزدیک یہ بات صحیح نہیں ہے اور اس کے باپ معاویہ کے متعلق اس کی عدم صحت اولیٰ ہے (تاریخ ابن کثیر ہشتم، ۴۹ھ کے واقعات)

ابن کثیر نے اسطرح کی کئی روایتیں درج کی ہیں، جن کے مطابق امام حسنؓ کو کئی مرتبہ پہلے بھی زہر دیا جا چکا تھا۔ لیکن یہ آخری زہر مہلک ثابت ہوا۔

جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو ایک طبیب نے جو آپ کے پاس آیا کرتا تھا کہا کہ اس شخص کی آنتوں کو زہر نے کاٹ دیا ہے۔ حضرت امام حسینؓ نے کہا "اے ابو محمد مجھے بتاؤ آپ کو کس نے زہر پلایا ہے۔" آپ نے فرمایا "میرے بھائی کیوں -؟" حضرت امام حسینؓ نے کہا خدا کی قسم میں آپ کو دفن کرنے سے قبل اسے قتل کر دوں گا۔ اور میں اس پر قابو نہ پاؤں گا اگر وہ کسی علاقہ میں ہے تو میں مشقت برداشت کر کے اسکے پاس جاؤں گا۔

حضرت امام حسنؓ نے کہا "اے میرے بھائی! یہ دنیا لافانی ہے، اس شخص کو چھوڑ دو حتیٰ کہ میں اور وہ اللہ کے ہاں ملاقات کریں اور آپ نے اس کا نام بتانے سے انکار کر دیا۔

ابن کثیر شقی کہ جو حامیانِ بنی امیہ میں شمار کیا جاتا ہے امام حسنؓ کو زہر دیئے جانے کے واقعے کو مسترد نہیں کرتا۔ اس کے نزدیک صرف یہ بات صحیح نہیں ہے کہ زہر دلوانے کا ذمہ دار یزید یا اس کا باپ معاویہ تھا۔ اس مؤرخ کا یہ مزاج ہے کہ وہ معاویہ کے بارے میں ایسی کوئی بات درج کرتا ہے تو آخر میں بغیر کسی سبب کے یہ کہہ دیتا ہے کہ میں اسے صحیح نہیں سمجھتا۔

ڈاکٹر طہٰ حسین کی رائے :

"میں قطعیت کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتا کہ معاویہ کے ہاتھوں حضرت حسنؓ کو زہر دیا گیا، لیکن اسی طرح قطعیت کے ساتھ یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ امیر معاویہ نے ایسا نہیں کیا۔ اس لئے اس کے زمانے میں زہر دیکر مار ڈالنے کی بات حیرت انگیز اور مشکوک طریقے سے عام ہو چکی تھی۔ بقول مورخین۔ "اشتر مصر جاتے ہوئے راستے میں زہر دیکر مار ڈالے گئے۔

اس طرح مصر کی حکومت کا راستہ امیر معاویہ کیلئے صاف ہوگیا پھر امیر معاویہ اور عمرو بن العاص کا یہ کہنا "بلاشبہ اللہ کی ایک فوج شہد بھی ہے۔" علاوہ ازیں حمص میں عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید زہر دیکر مارے گئے جس کی ایک طویل داستان ہے۔ غالب گمان ہے کہ اسی طرح حضرت امام حسنؑ بھی امیر معاویہ اور عمرو بن العاص کے درمیان زہر دیکر مارے گئے۔ جس سے انکے بیٹے کیلئے خلافت کا راستہ صاف ہوگیا۔ (علیؑ تاریخ و سیاست کی روشنی میں)

امام حسن علیہ السلام نے اپنی وفات سے قبل یہ وصیت فرمائی تھی کہ مجھے نانا رسول کرمؐ کے پہلو میں دفن کیا جائے کیونکہ آنحضرتؐ کی قبر بی بی عائشہ کے حجرے میں تھی لہٰذا انہوں یہ بنائے بغض اولادِ فاطمہؑ حسنؑ کو دفن کرنے کی اجازت نہیں دی اور معروف دشمن اہلبیتؑ مروان بن حکم ہنگامہ آرائی پر آمادہ ہوگیا۔

مشہور سُنّی عالم سبط جوزی طبقات ابن سعد کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"ابن سعد نے واقدی سے نقل کیا ہے کہ جب امام حسن کا وقت احتضار قریب آیا تو آپ نے فرمایا "مجھے اپنے نانا کے پاس دفن کرنا" یعنی رسولؐ اللہ کے پاس۔

پس امام حسینؑ نے چاہا کہ آپ کو رسول اللہ کے حجرہ میں دفن کریں بنی امیہ مروان اور سعید بن عاص جو کہ حاکم مدینہ تھا اس امر میں مانع ہوا۔ اس پر تمام بنی ہاشم تیار ہوگئے کہ ان سے جنگ کریں۔ ابوہریرہ نے کہا "تمہارا کیا خیال ہے اگر موسیٰؑ کا بیٹا فوت ہو جاتا تو کیا وہ اپنے باپ کے ساتھ دفن نہ ہوتا۔

طبقاتِ ابنِ سعد میں ہے کہ حضرت عائشہ بھی ان کے ساتھ تھیں وہ کہنے لگیں کہ رسولؐ اللہ کے ساتھ کوئی دفن نہیں ہو سکتا۔

ابنِ سعد کا بیان ہے کہ مروان نے معاویہ کی طرف خط لکھا کہ بنو ہاشم نے چاہا تھا کہ حسنؑ کو رسولؐ اللہ کے پاس دفن کردیں اور سعید بن عاص بھی اس معاملے میں بنی ہاشم کا ہمنوا ہوگیا تھا۔ میں نے عثمان مظلوم کی وجہ سے انھیں روک دیا کہ عثمان تو جنت البقیع میں دفن ہوں اور حسنؑ رسولؐ اللہ اور ابوبکر کے ساتھ ہوں اس پر معاویہ نے شکریہ کا خط اس کی طرف لکھا اور سعید بن عاص کو معزول کردیا۔ اور مروانؑ کو حاکم مدینہ بنا دیا۔

واقدی کہتا ہے جب آپ کی وفات کی خبر معاویہ کو ملی تو وہ اس وقت مقام خضراء میں تھے انہوں نے تکبیر کی آواز بلند کی۔ جسے تمام اہلِ مسجد نے سُنا۔

ابن سعد کہتا ہے کہ جب امام حسنؑ فوت ہوئے تو ابن عباس اس وقت شام میں تھے اُن کی بصارت جاتی رہی تھی وہ معاویہ کے پاس گئے۔ اور اپنے راستہ چلانے والے سے کہا کہ مجھے کھینچنا نہیں تاکہ معاویہ شماتت نہ کرے۔ معاویہ کہنے لگا خدا کی قسم میں تجھے ایسی بات کی خبر دیتا ہوں جو تیری شماتت سے بھی زیادہ سخت ہے۔ پھر کہا کہ حسن بن علیؑ فوت ہو گئے۔ ابن عباس نے کہا "انا للّٰہ و انا الیہ راجعون! اور خدا کی قسم اے معاویہ! تو بھی اُن کے بعد زندہ نہ رہے گا۔"
(تذکرۃ الخواص، عنوان شہادت حسنؑ)

مورخ مسعودی لکھتا ہے:

محمد بن جریر طبری، محمد بن حمید رازی، علی بن مجاہد، محمد بن اسحاق اور فضل بن عباس بن ربیع کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

عبداللہ بن عباس معاویہ کے پاس وفد لے کر گئے تو پہلے مسجد میں تشریف لے گئے۔ وہاں انہوں نے معاویہ کو اہلِ خضراء میں نعرۂ تکبیر بلند کرتے سُنا۔ ان کے ساتھ اہلِ خضراء نے بھی نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ جب ان لوگوں نے جو اس وقت مسجد میں موجود تھے اہلِ خضراء کو نعرۂ تکبیر کرتے سنا تو ان کی تقلید میں نعرہ ہائے تکبیر بلند کرنے لگے۔

ابن عباس نے دیکھا کہ یہ نعرے سُن کر فاختہ بنت قرظہ بن عمرو بن نوفل، بن عبد مناف گھر سے باہر آئی اور اس نے معاویہ سے پوچھا "یا امیر المومنین! اللہ آپ کو خوش رکھے، آج ایسی کیا خبر آئی ہے جو آپ اسقدر خوشی سے نعرے لگا رہے ہیں۔؟" فاختہ کے جواب میں معاویہ بولے "حسن بن علیؑ کی موت کی خبر آئی ہے۔" فاختہ نے جب یہ سُنا تو انا للّٰہ و انا الیہ راجعون کہہ کر رونے لگی پھر بولی آہ! سید المرسلین ابن بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے۔!"

معاویہ نے کہا "ہاں! یہ درست ہے۔ لیکن تو اسطرح کیوں رو رہی ہے؟ کیا تیرا کوئی رشتہ دار مر گیا ہے؟" جب ابن عباس کی آمد کی خبر معاویہ کو ملی تو وہ اور زیادہ خوش ہوتے اور جس وقت اوالذکر ان کے پاس پہنچے تو وہ ان سے بولے "ابن عباس میں نے سُنا ہے کہ حسنؑ وفات پا گئے؟"

ابن عباس نے کہا "جی ہاں! لیکن آپ اُن کی وفات کی خبر سُن کر خوشی سے نعرۂ تکبیر

بلند کر رہے تھے؟"

معاویہ نے جواب دیا "ھاں"

ابن عباسؓ یہ سن کر بولے "ان کی موت سے آپ کی موت مؤخر نہیں ہو سکتی نہ اُن کے زیر زمین جانے سے آپ کے زیر زمیں جانے میں تاخیر ہو سکتی ہے۔

(مروج الذہب دوم، باب ۷۴، ذکر شہادت حسنؑ)

تاریخ ابن کثیر میں ہے کہ:

محمد بن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ بنی سعد بن بکر کے غلام مساور نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ جس روز حضرت امام حسنؑ فوت ہوئے، میں نے حضرت ابو ہریرہؓ کو رسول اللہ کی مسجد پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے اعلان کرتے دیکھا۔ "اے لوگو! آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب فوت ہو گیا ہے۔ پس تم گریہ کرو۔ آپ کے جنازے کے لئے لوگ جمع ہو گئے۔ حتیٰ کہ بقیع میں کسی آدمی کے سمانے کی گنجائش نہ رہی اور مردوں و عورتوں نے سات روز آپ پر گریہ کیا۔ اور بنی ہاشم کی عورتیں ایک ماہ تک آپ کا نوحہ کرتی رہیں۔ نیز بنی ہاشم کی عورتوں نے ایک سال تک آپ کا سوگ کیا۔"

اس کا مطلب یہ ہوا کہ آلِ رسولؐ کی مظلومانہ شہادتوں پر گریہ وزاری و نوحہ گری شروع ہی سے چلی آرہی ہے یہ کوئی نئی رسم (بدعت) نہیں، اور یہ روایت جو آپ نے پڑھی ہے، یہ کسی شیعہ کی نہیں بلکہ ابن کثیر جیسے حامی بنو امیہ کی ہے۔

جنگِ قسطنطنیہ

جنگِ قسطنطنیہ کی اہمیت اپنی جگہ پر ہے، لیکن اسے یزیدؔ بن معاویہ سے محبت کرنے والوں نے بہت شہرت دی ہے۔ ان کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے جس کی رو سے قسطنطنیہ پر حملہ آور ہونے والا لشکر جنتی تھا۔ اب چونکہ یزیدؔ بھی اس میں شامل تھا، لہٰذا وہ بھی جنتی ہے۔ ہم یہاں اس حدیث کی ثقاہت پر بحث نہیں کریں گے کیونکہ یہ ہمارے موضوع سے باہر ہے۔ ہم صرف تاریخ سے اس لشکر میں یزید کی شمولیت پر گفتگو کریں گے۔ مورخ ابن الاثیر لکھتا ہے:

۴۹ھ اور بقول بعض ۵۰ھ میں امیر معاویہ نے ایک فوجِ کثیر بغرضِ جنگ بلادِ روم بھیجی۔ سفیان ابنِ عوف کو ان پر امیر مقرر کیا اور اپنے بیٹے یزیدؔ کو ان کے ہمراہ جانے کا حکم دیا۔ یزیدؔ نے اس کو بار گراں سمجھ کر سستی کی اور مرض کا بہانہ کیا۔ اس لئے اس کے والد نے اسے رہنے دیا۔ اتفاق سے لوگوں کو بھوک اور مرضِ شدید کا سامنا کرنا پڑا۔ اس پر یزید نے یہ اشعار پڑھے۔

(ترجمہ) مجھے اس بات کی پرواہ نہیں ہے کہ انکی افواج پر مقام فرقدونا میں بخار اور چیچک کی کیا کیا مصیبتیں پڑیں۔ اس وقت میں دیر مردان میں تکیہ لگائے بیٹھا تھا۔ اور ام کلثوم میرے پاس تھی۔"

ام کلثوم یزید کی بیوی کا نام تھا جو عبد اللہ ابن عامر کی صاحبزادی تھیں۔ جب معاویہ کو ان اشعار کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے کہا کہ "یزید کو ضرور سفیان کے پاس قسطنطنیہ بھیجوں گا۔ تاکہ جو مصائب دوسروں پر پڑے ہیں اس پر بھی پڑیں چنانچہ یزید کے ہمراہ اور بہت سے آدمی روانہ ہوئے جن کو اس کے والد نے اس کے ساتھ کر دیا تھا۔ (تاریخ کامل ابنِ اثیرؒ خلافت بنو امیہ عنوان جنگ قسطنطنیہ)

ابن الاثیر کی روایت یزید کے کردار سے پوری مطابقت رکھتی ہے۔ لہٰذا ان

اموی مورخین کی روایات کہ جن میں یزیدؔ کے سردار کی حیثیت سے جانے کا تذکرہ ہے وہ جھوٹی ہیں۔طبری جیسے مورخ کے ہاں بھی اسطرح کی روایت موجود نہیں ہے۔

ابن الاثیر کی روایت کے مطابق جس طرح مجبوری کے عالم میں یزیدؔ نے لشکر میں شرکت کی ہے اس کے بعد لشکریوں کی مغفرت کے لئے ایک حدیث تو کیا ہزاروں حدیثیں بھی سنادی جائیں تو بھی یزیدؔ کی بخشش کا مصداق نہیں ہو سکتیں۔ اور پھر یہ کہ اگر قسطنطنیہ والی حدیث صحیح بھی ہو تو اس کا اطلاق تمام لشکریوں پر ہونا خلاف عدل بھی ہے اور خلاف عقل بھی بخشش کیلئے پہلی شرط تو ایمان کی ہے اگر کوئی شخص جنگ قسطنطنیہ میں شامل ہونے کے بعد واقعہ کربلا اور واقعہ حرہ جیسے جرائم کا ذمہ دار ہو تو اس کی بخشش کیسی ؟ جس کا نام گالی بن چکا ہو اس کے لئے ایک گھڑی ہوئی حدیث کیا کام آسکتی ہے۔

زیاد کا کوفہ پر تسلط

۵۰ھ میں والیٔ کوفہ مغیرہ ابنِ شعبہ طاعون کے مرض میں مبتلا ہو کر انتقال کیا۔ مغیرہ کے بعد معاویہ نے کوفہ کی عملداری بھی زیاد کو دے دی۔ چنانچہ زیاد سمرہ ابنِ جندب کو بصرہ میں اپنا قائمقام مقرر کر کے کوفہ روانہ ہو گئے۔

سمرہ بن جندب کے مظالم کی جھلک

جب زیاد بصرے میں سمرہ کو اپنا قائمقام بنا کر چھوڑ آتے تو سمرہ نے بکثرت لوگوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ چنانچہ ابنِ سرین کا بیان ہے کہ انہوں نے زیاد کی غیر حاضری میں ۸ ہزار آدمیوں کو قتل کیا۔ زیاد نے ان سے پوچھا "کیا تم کو خوف ہے کہ تم نے بے گناہ کو بھی قتل کیا۔ اس نے کہا "میں نے جتنے قتل کئے ہیں اگر اتنے اور قتل کر دیتا تب بھی مجھے خوف نہ ہوتا۔"

ابو سوار العدوی کا بیان ہے کہ سمرہ نے ایک ہی صبح کو صرف میری قوم میں سے ۴۷ آدمی قتل کئے اور وہ سب کے سب جامع القرآن تھے۔

سمرہ جب شہر میں نکلتا تو اس طرح کہ اس کے ساتھ سپاہیوں کا ایک دستہ ہوتا دستہ سے فاصلے پر آگے آگے بھی کچھ سپاہی ہوتے۔ انہی لوگوں نے ایک آدمی کو قتل کیا۔ جب سمرہ اس شخص کے نزدیک سے گذرا تو اسے خون میں لتھڑا ہوا دیکھ کر پوچھا کہ یہ کیا ہوا۔ لوگوں نے جواب دیا کہ آپ کے آگے آنے والے سپاہیوں نے اس بچارے کی یہ گت بنائی ہے۔ اس پر سمرہ نے کہا کہ جب تم لوگ یہ سنا کرو کہ ہم سوار ہو کر نکلے ہیں تو ہمارے نیزوں سے بچا کرو۔

(تاریخ کامل خلافتِ بنو امیہ ۵۰ھ کے واقعات)

ظلم کی اس جھلک سے یقیناً اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ بنو امیّہ کے دور میں اسلام کے تصوّرِ عدل کے جس طرح پرخچے اڑے ہیں اس کی ابتدا معاویہ کے دور میں اچھی طرح ہو چکی تھی۔ ملاحظہ فرمایئے سمرہ بن جندب خلیفہ کی طرف سے بصرہ کا والی نہیں تھا بلکہ محض زیاد کے ایک نائب کی حیثیت سے تھا اور تیور بادشاہ سلامت جیسے تھے کہ جب باہر نکلتا تو "ہٹو بچو" کرنے والے آگے آگے ہوتے۔ اور بادشاہ بھی وہ کہ جن کے نزدیک انسان کی حیثیت کیڑے مکوڑوں سے زیادہ نہیں ہوتی۔

زیاد اور حجر بن عدی

زیاد کوفہ آنے کے بعد منبر پر گیا اور خطبہ شروع کیا۔ اور حسبِ عادت ڈرانے دھمکانے کے بعد عثمان کی ستائش کی اور انکے قاتلوں پر نفرین کی۔ حجر سے نہ رہا گیا انہوں نے زیاد سے بھی وہی سلوک کیا جو کہ وہ مغیرہ بن شعبہ سے کیا کرتے تھے۔ زیاد نے ان سے درگذر کیا۔ عمرو بن حریث کو اپنا نائب بنایا اور واپس بصرے چلا گیا۔ عمرو بن حریث بھی خطبہ میں حضرت علیؑ اور ان کے ساتھیوں کو برا بھلا کہتا۔ حجر بن عدی اور ان کے ساتھی شور و غل کرتے اور اسے کنکریاں مارتے۔ عمرو بن حریث نے ساری صورتحال زیاد کو لکھ بھیجی اور اسے یہ بھی اطلاع ملی کہ شیعانِ علیؑ حجر کے پاس جمع ہوتے ہیں اور معاویہ پر اعلانیہ لعن اور بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ پھر کوفہ واپس آ گیا، منبر پر جا کر خطبہ دینا شروع کیا۔ حجر بھی مسجد میں موجود تھے اور ان کے ساتھ آج بھی بہت زیادہ مجمع تھا۔ زیادہ نے حجر اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں انتہائی سخت کلمات کہے اور دھمکیاں دیں۔ زیادہ کے خطبہ کے الفاظ یہ ہیں۔

"حمد و ثنائے الٰہی کے بعد کہا، بلاشبہ بغاوت کا انجام ناخوش گوار ہوتا ہے ان لوگوں نے مجھے امین بنایا ہے اور پھر مجھ پر جرأت کی ہے۔ خدا کی قسم اگر تم سیدھے نہ ہوئے تو میں تمہارا علاج کروں گا۔ پھر کہا اگر میں کوفہ کے چوک کو حجر اور اس کے اصحاب سے محفوظ نہ کر دوں تو میں کوئی چیز نہیں اور میں اسے اس کے بعد آنے والوں کے لئے عبرت بنا دوں گا۔ اے حجر!

تیری ماں ہلاک ہو جائے۔ شام کے کھانے نے تجھے بھیڑیئے پر گرا دیا ہے۔

(تاریخ ابن کثیر ہشتم، ۵۱ ھ کے واقعات)

اس روایت کو طبری اور ابن الاثیر نے بھی چند الفاظ کے فرق کے ساتھ نقل کیا ہے۔

اب ایک اور روایت ملاحظہ ہو:

جمعہ کے دن زیاد نے خطبہ کو بہت طول دیا اور نماز میں تاخیر ہو گئی۔ حجر بن عدی نے پکار کر کہا الصلوٰۃ! اس پر بھی اس نے خطبہ جاری رکھا۔ انہوں نے پھر کہا الصلوٰۃ اور اس نے خطبہ جاری رکھا۔ حجر نے جب دیکھا کہ نماز جاتی ہے تو ہاتھ مار کر مٹھی میں کنکر اٹھائے اور نماز کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کے ساتھی سب لوگ اٹھے۔ یہ رنگ دیکھ کر زیاد اتر آیا۔ اور سب کو نماز پڑھائی۔ فارغ ہونے کے بعد اس نے معاویہ کو ان کی شکایت میں ایک خط لکھا اور بہت سی باتیں لکھ بھیجیں۔ معاویہ نے جواب میں لکھا کہ اسے زنجیروں میں جکڑ کر میرے پاس روانہ کر دو۔ جب یہ خط آیا تو ان کی ساری برادری حمایت پر آمادہ ہو گئی۔ مگر حجر نے ان سب کو منع کیا۔ اور کہا سمع وطاعۃ (سنو اور اطاعت کرو) غرض حجر کو پابہ زنجیر معاویہ کے پاس روانہ کر دیا گیا۔

(تاریخ طبری و کامل ابن اثیر ۵۱ ھ کے واقعات)

اس روایت کے علاوہ اور جو روایتیں بیان کی گئیں ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حجر اور اُن کے ساتھی اتنی آسانی سے پابہ زنجیر کر کے نہیں بھیج دیئے گئے تھے بلکہ اس کے لئے زیاد کو خاصی جدوجہد کرنی پڑی۔ اس سلسلہ میں مختلف تاریخی ماخذوں میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔

مسجد میں ہنگامہ آرائی کے بعد زیاد نے کوفہ کے بعض سرداروں کو حجر کے پاس بھیجا تاکہ وہ انھیں سمجھائیں کہ وہ اپنی روش تبدیل کر دیں۔ جب یہ لوگ حُجر کے پاس پہنچے تو انہوں نے ان لوگوں کی باتوں کو نظر انداز کر دیا۔ جب یہ لوگ واپس زیاد کے پاس آئے تو انہوں نے حُجر کے سلسلے میں کچھ باتیں آکر اس سے بیان کیں اور کچھ کو دبا گئے اور اسے

مشورہ دیا کہ وہ زیاد کے معاملہ پر غور کرے لیکن زیاد نے ان کا مشورہ نہ مانا اور پولیس سے انسپکٹر حجر کے پاس بھیجا کہ وہ انھیں بلا کر لائے، اگر وہ نہ آئیں تو ان پر سختی کی جائے اور انھیں زبردستی لایا جائے۔ حجر نے ان کے ساتھ چلنے سے انکار کر دیا۔ حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کا پولیس کے ساتھ مقابلہ ہوا۔ دونوں طرف سے صرف ڈنڈے اور پتھر استعمال ہوئے۔ مقابلے کے دوران حجر کو بچ نکلنے کا موقع مل گیا۔ اور پولیس والے زیاد کے پاس ناکام لوٹ آئے۔

حجر بن عدی وہاں سے بچ نکلنے کے بعد چھپتے چھپاتے قبیلہ نخع میں پہنچے۔ اور جناب مالک اشتر کے بھائی عبداللہ بن حارث کے ہاں گئے انہوں نے حجر کا بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا اور ان کے لئے بستر لگا دیا۔ لیکن کسی نے آکر اطلاع دی کہ حجر کو اہل شرط قبیلہ میں پوچھتے پھر رہے ہیں۔ یہ خبر سن کر حجر رات کو بھیس بدل کر نکلے اور عبداللہ بن حارث بھی ان کے ساتھ تھے۔ یہ لوگ محلہ ازد میں پہنچے۔ اور ربیعہ ازدی کے ہاں قیام کیا۔

پولیس حجر بن عدی کو تلاش کرنے میں ناکام ہو گئی تو زیاد نے محمد بن اشعث کو بلا کر دھمکی دی کہ اگر تو نے حجر کو تین دن کے اندر اندر حاضر نہیں کیا تو تیرے ٹکڑے اڑا دوں گا۔

حجر کو جب بات کا علم ہوا تو انہوں نے محمد بن اشعث سے کہلا بھیجا کہ وہ امان کی شرط پر اپنے آپ کو زیاد کے حوالے کرنے کے لئے تیار ہیں کہ وہ انھیں معاویہ کے پاس بھیج دے زیاد نے امان کا وعدہ کیا۔ چنانچہ محمد بن اشعث نے حجر بن عدی کو حاضر کر دیا۔

(طبری، ابن الاثیر، ابن کثیر)

حجر اور زیاد کی گفتگو: زیاد کہنے لگا "ابو عبدالرحمٰن۔ مرحبا۔ زمانہ امن میں بھی لڑنے کو تیار۔ وہی مثل ہوئی کہ اپنے ہی لوگوں کو کتیا نے بھونک کر قتل کر دیا۔ حجر نے کہا میں نے اطاعت سے سرکشی کی نہ جماعت سے علیحدگی اختیار کی۔ میں اپنی بیعت پر قائم ہوں۔ زیاد نے کہا کبھی یہ دعویٰ اے حجر اور کبھا تو ایک ہاتھ سے چھری مارتا ہے۔ دوسرے سے

پٹی باندھنا ہے' جب خدا نے تجھے ہمارے قابو میں دے دیا تو اب ہمیں خوش کرنا چاہتا ہے واللہ یہ ہرگز نہ ہوگا۔ حجر نے پوچھا کیا تو نے اتنی امان مجھے نہیں دی ہے کہ میں معاویہ کے پاس چلا جاؤں اور میرے باب میں وہ اپنی رائے قائم کریں' زیاد نے کہا "ہاں! یہی ہمیں منظور ہے۔ اسے لے جاؤ قید خانہ میں۔ جب وہ زیاد کے پاس سے بھیج دیئے گئے تو وہ کہنے لگا قسم بخدا! اگر امان نہ دی ہوتی تو وہ یہاں سے ہل نہیں سکتا تھا' یہاں تک کہ اسکی جان نکال لی جاتی۔ قسم بخدا! اس کی رگ گردن کاٹنے کے لئے میرا دل لوٹ رہا ہے۔ زیاد کے پاس سے حجر کو جب زندان کی طرف لے جا رہے تھے تو انہوں نے بلند آواز سے کہا "بارالٰہا میں اپنی بیعت پر قائم ہوں۔ نہ میں اسے چھوڑوں گا۔ نہ چھوڑنا چاہتا ہوں۔ (طبری)

عمرو بن الحمق کا قتل

عمرو بن الحمق زیاد کے خوف سے رفاعہ بن شداد کے ساتھ کوفہ سے نکل گئے۔ پہلے مدائن پہنچے پھر وہاں سے موصل چلے گئے اور وہاں ایک پہاڑ میں جا کر چھپ گئے۔ وہاں کے عامل کو اس بات کی خبر پہنچی کہ دو مشتبہ شخص یہاں روپوش ہیں' چنانچہ وہ اپنے سواروں اور گاؤں کو لیکر ان کے سروں پر پہنچ گیا۔ رفاعہ بن شداد تو قوی ہیکل جوان تھا وہ لڑتا بھڑتا نکل جانے میں کامیاب ہو گیا۔ عمرو بیمار تھے وہ اپنے آپ کو بچا نہ سکے اور گرفتار ہو گئے۔

یہ گاؤں کا عامل کہ جس کا نام عبداللہ بن ابی بلتعہ تھا' عمرو بن الحمق سے پوچھتا رہا کہ تو کون ہے؟ لیکن انہوں نے بتا کر نہ دیا' چنانچہ ان کو موصل عبدالرحمٰن ثقفی کے پاس بھیج دیا گیا۔ اس نے دیکھتے ہی انھیں پہچان لیا اور اس کی اطلاع معاویہ کو بھیج دی۔ انہوں نے جواب میں کہلا بھیجا کہ اس نے عثمان پر نیزے سے ۹ وار کئے تھے لہٰذا تو بھی اس پر ۹ وار کر چنانچہ معاویہ کے حکم کی تعمیل کی گئی اور بیچارے عمرو بن الحمق دوسرے ہی وار میں ختم ہو گئے۔

ایک اور روایت کے مطابق عمرو بن الحمق کو سانپ نے ڈس لیا تھا اور جب سپاہی وہاں پہنچے تو انہیں مردہ پایا۔ موصل کے گورنر نے ان کا سر کاٹ کر معاویہ کے پاس بھیج دیا گیا۔

ابن کثیر دمشقی لکھتا ہے:

کے۔ آپ کا سر کاٹ کر معاویہ کے پاس بھیج دیا گیا اور اسے شام وغیرہ میں پھرایا گیا۔ اور یہ پہلا سر تھا جسے پھرایا گیا۔ پھر حضرت معاویہ نے آپ کے سر کو اس کی بیوی آمنہ بنت الشرید کے پاس بھیج دیا ۔۔۔ جو آپ کے قید خانہ میں تھی ۔۔۔ اور اسے اس کی گود میں پھینک دیا۔ اس نے آپ کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر آپ کے منہ کو چوم لیا اور کہنے لگی تم نے اسے طویل عرصہ مجھ سے غائب رکھا پھر تم نے اسے میری طرف قتل کر کے بھیج دیا۔"

(تاریخ ابن کثیر)

عالم اسلام میں مرنے کے بعد سر قلم کرنیکا پہلا واقعہ صفین میں ہوا کہ شہادت کے بعد صحابی رسولؐ جناب عمار یاسرؓ کا سر کاٹا گیا۔ یہ دوسرا واقعہ بھی معاویہ کے حکم سے ہوا۔ اور پھر اسکی بیوی (کہ جو قید خانہ میں تھی) کو اسطرح پرسہ دیا گیا کہ اس کے شوہر کا سر قید خانہ کی تنہائی میں اس کی گود میں ڈال دیا گیا ۔۔۔

حجر بن عدی کے خلاف گواہیاں

زیاد نے حجر اور ان کے ۱۲ ساتھیوں کو قید خانہ بھیج دیا تو اسے ان کے خلاف شہادتیں جمع کرنے کی فکر ہوئی، اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو طبری کی روایت:

زیاد نے رؤسا ارباع کو بلایا (شہر چار رباع میں تقسیم تھا، ہر ربع پر ایک رئیس مقرر تھا) ان سے کہا حجر کے جو افعال تم نے دیکھے ہیں اس کے گواہ ہو جاؤ۔ اس زمانہ میں رؤسا ارباع یہ لوگ تھے۔ عمرو بن حریث ربع اہل مدینہ پر، خالد بن عرفطہ ربیع تمیم و ہمدان پر، قیس بن ولید ربیعہ کندہ پر۔ ابو بردہ ابن ابو موسیٰ اشعری قبیلہ مذحج و اسد پر مقرر تھے۔ ان چاروں رئیسوں نے اس امر پر گواہی دی کہ حجر نے لوگوں کو اپنے پاس جمع کیا۔ خلیفہ کو علانیہ برا بھلا کہا۔ امیر المومنین سے جنگ کرنے پر لوگوں کو آمادہ کیا۔ اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ آل ابو طالب کے سوا خلافت کسی کے لئے جائز نہیں ہے اور انہوں نے خروج کر کے امیر المومنین کے عامل کو نکال دیا۔ اور ابو تراب کو معذور سمجھتے ہیں اور ان پر رحمت بھیجتے ہیں ان کے دشمن اور ان سے جنگ کرنے والوں سے برأت کا اظہار کرتے ہیں اور جو لوگ انکے

ساتھ ہیں وہ ان کے ساتھیوں کے سرگروہ ہیں اور انہی جیسی رائے رکھتے ہیں۔

زیاد لوگوں کی اس رائے سے مطمئن نہیں ہوا۔ اس نے اسے ناکافی سمجھا۔ چنانچہ ابوموسیٰ اشعری کے بیٹے ابوبردہ نے ان لوگوں کی انداز سے تکفیر کی۔

ابوبردہ ابن ابوموسیٰ رضا الہیٰ کے لئے شہادت دیتا ہے کہ حجر بن عدی نے طاعت وجماعت کو ترک کیا اور خلیفہ پر لعن کی اور جنگ و فتنہ پر لوگوں کو آمادہ کیا۔ اور اپنے پاس لوگوں کو جمع کیا کہ وہ بیعت کو توڑ دیں اور امیرالمومنین معاویہ کو خلافت سے معزول کریں اور خدا عزوجل کے ساتھ کفر کیا۔ زیاد نے اس شہادت کو دیکھ کر کہا اسی طرح کی شہادت تم سب لوگ دو۔ سنو واللہ میں اس اجل رسیدہ احمق کی گردن کے قطع ہونے میں جہد بلیغ کروں گا۔ باقی رؤسا ارباع کے مثل تم بھی شہادت دو۔ اور ساری تحریر ان کو پڑھ کر سنائی۔ چنانچہ کل ستر (۷۰) آدمی تھے کہ جنھوں نے گواہی دی ان میں بعض صحابہ زادے بھی تھے جیسے اسحاق بن طلحہ، اسماعیل بن طلحہ، منذر بن زبیر اور عمر بن سعد بن ابی وقاص وغیرہ۔ بعد میں زیاد کے حکم سے ایسے لوگوں کے نام گواہی سے نکال دیئے گئے کہ جو اسکے مطابق صاحب حسب اور دیندار نہیں تھے۔ اور شریح بن حارث قاضی اور شریح بن ہانی کے نام بڑھا دیئے گئے

قاضی شریح کا بیان ہے کہ زیاد نے مجھ سے حجر کا حال پوچھا تھا، میں نے کہا وہ بڑے روزہ دار نماز گذار شخص ہیں۔ اور شریح بن ہانی کہتے ہیں کہ میں نے گواہی دی ہی نہیں، جب مجھے خبر ہوئی کہ میری گواہی بھی لکھی گئی ہے تو میں نے زیاد کو ملامت کی اور اسے کاذب کہا۔ " (طبری)

حجر کی شام روانگی

وائل بن حجر اور کثیر بن شہاب رات کے وقت سب لوگوں کو لیکر روانہ ہوئے۔ صاحب شرطہ بھی ساتھ ساتھ رہا اور کوفہ کے باہر تک انھیں نکال آیا۔ یہ لوگ راستے ہی میں تھے کہ شریح بن ھانی ایک خط لئے ہوئے پہنچے اور کثیر سے کہا کہ میرا یہ خط امیرالمومنین کو پہنچا دینا۔ لیکن کثیر نے خط لینے سے انکار کر دیا۔ پھر شریح نے یہ خط وائل کو دیا، تو

انہوں نے لے لیا۔ قیدیوں کا یہ قافلہ مرج عذرا میں جاکر ٹھہرا۔ یہ مقام دمشق سے بارہ میل کے فاصلہ پر ہے۔ حجر اور ان کے اصحاب کو معاویہ کے حکم سے یہیں قید کر دیا گیا ان کے نام یہ ہیں:

حجر بن عدی کندی، ارقم بن عبداللہ کندی شریک بن شداد حضرمی صیفی بن فسیل، قبیصہ بن ضبیعہ عبسی، کریم بن عفیف خثعمی عاصم بن عوف بجلی ورقاء بن سمی بجلی اور کدام بن حیان عنزی اور عبد اللہ حسان عنزی، محرز بن شہاب تمیمی اور عبداللہ بن حویہ سعدی۔ زیاد نے عامر بن اسود عجلی کے ساتھ دو آدمی اور بھیجے ـــ عتبہ بن اخنس اور سعد بن عزان ہمدانی۔ کل ملا کر چودہ آدمی ہوئے (طبری، ابن الاثیر، ابن کثیر)

وائل اور کثیر نے معاویہ کو زیاد کا خط پہنچایا۔ اس میں حجر اور ان کے ساتھیوں کو باغی قرار دیا گیا تھا اور اس پر صلحا اور اخیار شہر (بقول زیاد) کی گواہیاں درج تھیں معاویہ نے یہ خط اہل شام کو پڑھ کر سنایا اور رائے لی کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے لوگوں کی رائے یہ تھی کہ انہیں ملک شام کے دیہات میں منتشر کر دیا جائے

شریح بن ہانی کا وہ خط کہ جو انہوں نے وائل کو راستہ میں دیا تھا، وائل نے معاویہ کو دے دیا۔ معاویہ نے اس خط کو بھی پڑھا اس میں لکھا تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ بندۂ خدا امیرالمومنین معاویہ کو شریح بن ہانی کی طرف سے ـــ مجھے خبر ملی ہے کہ زیاد نے آپ کے پاس حجر بن عدی کے خلاف میری شہادت لکھ کر بھیجی ہے، حجر بن عدی کے باب میں میری شہادت یہ ہے کہ وہ نماز پڑھنے والوں، زکواۃ دینے والوں، ہمیشہ حج و عمرہ بجا لانے والوں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے والوں میں ہیں، ان کا خون بہانا ان کا مال لینا حرام ہے اب جا ہو ان کو قتل کر دو۔ چاہو چھوڑ دو۔ (طبری، ابن الاثیر، ابن کثیر)

معاویہ حجر اور ان کے ساتھیوں کے قتل کا حکم دینے میں تذبذب کا شکار تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنی اس کیفیت کے بارے میں زیاد کو لکھ بھیجا، اس نے جواب میں لکھا کہ اگر آپ اس شہر پر قبضہ رکھنا چاہتے ہیں تو حجر اور اس کے اصحاب کو ہرگز میرے پاس واپس نہ کیجئے گا۔ زیاد کا یہ جوابی خط یزید بن حجیۃ لیکر آیا۔ جب یہ شخص مرج عذرا میں پہنچا

تو اس نے قیدیوں سے کہا کہ یہ خط جو میں لایا ہوں اس کا انجام تمہارا قتل ہے۔ اب جو کچھ اپنے لئے بہتر سمجھتے ہو، بتاؤ تاکہ جو کچھ مجھ سے ہو سکے وہ میں کروں۔ حجر نے کہا کہ معاویہ کو یہ پیغام پہنچا دو کہ ہم لوگ اپنی بیعت پر قائم ہیں ہم نہ اسے توڑنا چاہتے ہیں اور توڑیں گے۔ جنہوں نے ہمارے خلاف شہادت دی ہے وہ سب ہمارے دشمن اور بدخواہ ہیں۔ یزید بن حجیۃ نے زیاد کا خط اور ان کا پیغام معاویہ کو پہنچا دیا، معاویہ نے پیغام سن کر کہا ہم زیاد کو حجر سے زیادہ راست گو جانتے ہیں۔

حجر کا قتل

معاویہ نے حجر کے اصحاب میں سے چھ افراد کو رؤسا شام اور اپنے مقربین کی سفارش پر معاف کر دیا گیا اور باقی قیدیوں کے لئے یہ پیغام بھیجا کہ اگر وہ علی سے تبرا اور ان پر لعنت کریں تو انہیں چھوڑ دیا جائے۔ یہ پیغام سن کر حجر اور ان کے باقی ساتھیوں نے کہا "خدا وندا! ہم سے تو یہ فعل کبھی نہ ہو سکے گا۔ چنانچہ ان کے لئے قبریں کھودنے کا حکم دے دیا گیا، قبریں کھدنے لگیں اور کفن سب کے لئے آ گئے وہ لوگ رات بھر نمازیں پڑھتے رہے صبح ہوئی تو اصحاب معاویہ نے ان سے کہا کہ رات کو ہم نے تمہاری طولانی نمازوں اور دعاؤں کو دیکھا۔ یہ بتاؤ کہ عثمان کے بارے میں تمہارا کیا عقیدہ ہے؟ انہوں نے کہا وہ تو پہلے شخص ہیں جنہوں نے جور اور ناحق پر عمل کیا۔ یہ سن کر اصحاب معاویہ نے کہا "امیر المومنین نے تم کو خوب پہچانا تھا" اور یہ کہہ کر انہیں قتل کرنے کو کھڑے ہوئے اور کہا کہ اس شخص (علیؑ) پر تبرا کرو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو ان سے تولی رکھتے ہیں اور جس نے ان سے تبرا کیا ہم بھی اس سے تبرا کرتے ہیں۔ اب ایک ایک شخص نے ایک ایک شخص کو قتل کرنے کے لئے کھینچا، جب تلواریں کھینچی دیکھیں تو دو آدمیوں نے کہا کہ ہمیں معاویہ کے پاس بھیج دو اس شخص (علیؑ) کے لئے جو دہلوانا چاہتا ہے ہم کہہ دینگے چنانچہ ان دونوں کو معاویہ کے پاس بھیج دیا گیا۔

پھر حجر نے ان لوگوں سے کہا ذرا مجھے وضو کر لینے دو۔ کہا کر لو، جب وہ وضو کر چکے تو کہا دو رکعت نماز بھی پڑھ لینے دو، بخدا، میں نے جب بھی وضو کیا دو رکعت نماز

ضرور پڑھی۔ کہا پڑھ لو۔ حجر نماز پڑھ کر واپس آئے اور کہنے لگے "واللہ! اتنی مختصر نماز میں نے کبھی نہیں پڑھی، اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم خیال کروگے کہ مجھے موت سے اضطراب ہے تو میں اس نماز کو اپنی خواہش کے مطابق طول دیتا، پھر کہا" خداوندا! ہم لوگ تجھ سے اس امت کے مقابلے میں مدد چاہتے ہیں۔ یہ سن کر یک چشم قاتل ہدبہ قضاعی تلوار کھینچے ہوئے ان کی طرف بڑھا تو ان کے ہاتھ پیر کانپنے لگے۔ ہدبہ نے کہا ہاں ہاں! تم تو سمجھتے تھے کہ موت سے تم کو اضطراب نہیں ہے۔ لو! میں تمہیں چھوڑے دیتا ہوں۔ اپنے صاحب سے برأت کا اقرار کر لو۔ حجر نے کہا۔ کیونکر مجھے اضطراب نہ ہو" دیکھ رہا ہوں کہ قبر کھدی ہوئی ہے کفن سامنے پھیلا ہوا ہے، تلوار سر پر تنی ہوئی ہے۔ اور واللہ اس اضطراب میں بھی ایسا کلمہ منہ سے نہ نکالوں گا" جس سے خدا ناراض ہو۔ اس کے جواب میں تلوار سنسناتی ہوئی چلی اور سچے صحابی رسولؐ اور عاشقِ علیؑ ابن ابیطالبؑ کی گردن تن سے جدا ہو گئی۔ پھر اور سب بڑھے اور اپنے اپنے شکار کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اور اسطرح حجر بن عدی سمیت سات معصوم انسان قتل کر دیئے گئے۔ معاویہ بن ابوسفیان اور زیاد جیسے جاسوس پر بے شمار لعنتیں ہوں! خدا ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے! آمین!

حجر کے ۲ دو ساتھیوں کا انجام

ان کا نام عبدالرحمٰن بن حسان غزی اور کریم بن عفیف خشعمی تھا۔ یہ دونوں معاویہ کے سامنے لائے گئے تو خشعمی نے کہا۔" اے معاویہ! خدا سے ڈر، اس دارِ فانی سے دارالآخرۃ کی طرف تجھے بھی جانا ہے۔ اور اس بات کا جواب دینا ہے کہ ہمیں تو نے کیوں قتل کیا۔ معاویہ نے پوچھا" علیؑ کے باب میں تو کیا کہتا ہے؟ کہا جو تم کہتے ہو۔ پوچھا علیؑ کا دین پر تھے کیا تو اس دین سے برأت کرے گا۔ انہوں نے جواب نہیں دیا۔

شمر ذی الجوشن نے اٹھ کر کہا" اے امیر المومنین! یہ میرا ابن عم ہے، مجھے بخش دیجئے۔ معاویہ نے کہا بخشا۔ مگر میں اسے مہینہ بھر قید رکھوں گا۔ معاویہ ان کی سوچ کا اندازہ لگانے کے لئے انہیں ہر دوسرے تیسرے دن طلب کرتے معاویہ اور ان میں باتیں ہوا

کرتی، آخر کار معاویہ نے ان سے کہہ دیا کہ تجھ جیسے آدمی کا عراق میں رہنا مجھے گوارہ نہیں شمر نے دوبارہ سفارش کی تو انھیں اس شرط پر رہا کر دیا کہ جب تک معاویہ کی حکومت ہے وہ کوفہ نہیں جائیں گے چنانچہ وہ اپنی خواہش کے مطابق موصل چلے گئے

پھر معاویہ نے عبدالرحمٰن عنزی کی طرف رخ کر کے کہا علیؓ کے باب میں تیرا کیا قول ہے جواب دیا کہ یہی بہتر ہے کہ یہ بات مجھ سے نہ پوچھو۔ کہا جب تک تو یہ نہ بتائے گا۔ میں تجھے نہیں چھوڑوں گا۔ کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ ذکر خدا کرنے والے حق کا حکم دینے والے عدل قائم کرنے والے اور لوگوں سے درگذر کرنے والے تھے۔ کہا عثمان کے بارے میں تیرا کیا قول ہے؟ جواب دیا انہیں نے سب سے پہلے ظلم کا دروازہ کھولا اور حق کے دروازے کو بند کر ڈالا۔

یہ حق گوئی سن کر معاویہ نے کہا: خود تو نے اپنے آپ کو قتل کیا۔ میں نے تجھے قتل نہیں کیا۔

معاویہ نے انھیں زیاد کے پاس بھیج دیا اور لکھا کہ تیرے بھیجے ہوئے لوگوں میں سب سے بدتر یہ عنزی ہے۔ اسے بُری طرح قتل کرنا۔ جب یہ زیاد کے پاس پہنچے تو اس نے انکو زندہ دفن کر دیا۔ (طبری، ابن الاثیر)

حجر بن عدی کے قتل پر ردِ عمل

حجر کی شہادت پر مرثیے کہے گئے، ایک انصاری شاعرہ ہند بنت زید کے چند اشعار کا ترجمہ:

"اے مہتاب روشن۔ بلند ہو۔ ذرا دیکھ تو سہی تجھے کہیں حجر سفر کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ وہ ابنِ حرب (معاویہ) کی طرف جا رہا ہے۔ تاکہ امیر کے ارادے کے مطابق قتل کیا جائے۔ حجر کے بعد ظالم و جابر لوگوں کو آرام آ گیا ہے۔ اے حجر! اے بنو عدی کے حجر خدا تجھے خوش اور مسرور رکھے۔ (طبری و ابن الاثیر)

بی بی عائشہؓ ناراض ہو گئیں

مورخین لکھتے ہیں کہ بی بی عائشہؓ نے حجر کو بچانے کے لئے معاویہ کو پیغام بھیجا لیکن پیغامبر اس وقت پہنچا جب حجر اور ان کے اصحاب قتل کئے جا چکے تھے۔ بی بی عائشہ کو جب ان کے قتل کی خبر پہنچی تو انہوں نے دکھ کا اظہار کیا۔ آپ فرماتی تھیں "میرے علم میں تو یہ ہے کہ وہ شخص دیندار تھا حج وغیرہ کا بجا لانے والا تھا۔

معاویہ جب حج کیلئے گئے تو عائشہؓ سے بھی ملے بی بی نے پوچھا معاویہ! حجرؓ اور اصحاب حجرؓ کے قتل کرنے میں تمہیں خدا کا خوف نہیں ہوا۔ معاویہ نے جواب دیا کہ میں نے انہیں قتل نہیں کیا۔ جنہوں نے ان کے خلاف گواہیاں دیں انہیں نے ان کو قتل بھی کیا۔

عبداللہ بن عمر خطابؓ کو صدمہ

حضرت ابن عمر بازار میں تھے کہ انہیں حجر کی موت کی خبر دی گئی۔ پس آپ نے اپنی چادر ڈھیلی کی۔ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور بے اختیار روتے ہوتے آپ کی چیخ نکل گئی (استیعاب)

حضرت ابن عمر حضرت حجر کی خبر خبر معلوم کرتے رہتے تھے پھر انہیں ان کے قتل کی اطلاع ملی جبکہ وہ بازار میں تھے، پس انہوں نے اپنی چادر کھولی اور روتے ہوتے بازار سے لوٹ آئے۔ (الاصابہ - اسد الغابہ)

ربیع بن زیاد حارثی والی خراسان چل بسے

جب ربیع بن زیاد کو خراسان میں حجر کے قتل کی خبر پہنچی تو وہ اس پر سخت ناراض ہوئے اور کہنے لگے "آج کے بعد عرب اسی طرح باندھ باندھ کر قتل کئے جاتے رہیں گے۔ اگر وہ اس قتل پر احتجاج کرتے تو وہ اس انجام سے اپنے آپ کو بچا لیتے۔ لیکن انہوں نے اس قتل کو گوارہ کر لیا۔ اس لئے وہ ذلیل ہو گئے۔ پھر اس خبر کے چند روز بعد انہوں نے جمعہ

کی نماز پڑھی اور لوگوں سے کہا میں اب زندگی سے اکتا گیا ہوں میں دعا مانگنے جا رہا ہوں اور تم آمین کہو۔ پھر انہوں نے ہاتھ اٹھائے اور کہنے لگے "اے اللہ! اگر میرے لئے تیرے پاس خیر ہے تو مجھے اپنے ہاں جلدی بلا لے۔ لوگوں نے آمین کہی۔ پھر وہ مسجد سے نکلے اور اپنے کپڑے سنبھالنے نہیں پائے تھے کہ گر پڑے، لوگ انہیں اٹھا کر گھر تک لے گئے اور

اسی دن ان کی وفات ہو گئی۔

حجر بن عدی کی عظمت و بزرگی

تمام فقہاء امت حجر بن عدی کی عظمت و بزرگی کے قائل رہے ہیں اور ان کا شمار طبقہ صحابہ میں کیا جاتا ہے اس سلسلے میں چند روایات ملاحظہ ہوں۔

مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی لکھتے ہیں۔

"حجر بن عدی، اغلب یہ ہے کہ ۹ھ میں اسلام سے مشرف ہوئے کیونکہ اسی سن میں کندہ کا وفد مدینہ آیا تھا۔ اس میں حجر بھی تھے ...... حجر کا قتل معمولی واقعہ نہ تھا اپنے خاندانی اعزاز اور حضرت علیؓ کی حمایت کی وجہ سے وہ کوفہ میں بڑی وقعت سے دیکھے جاتے تھے ...... علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ حجر فضلائے صحابہ میں تھے۔ اور اپنی صغیر سنی کے باوجود بڑوں میں شمار ہوتے تھے۔ (سیر الصحابہ جلد ہفتم)

مولانا سید سلیمان ندوی "سیرت عائشہؓ" میں لکھتے ہیں۔

حجر بن عدی ایک صحابی، حضرت علیؓ کے بڑے طرفدار اور کوفہ میں علوی فرقے کے سرگروہ تھے.... حجر کا صحابہ میں اس وقت نہایت اقتدار تھا۔ اس لئے اس واقعے کو تمام ملک نے ناگواری کے ساتھ سنا.... مسروق راوی ہیں کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ "خدا کی قسم! اگر معاویہ کو معلوم ہوتا کہ اہل کوفہ میں کچھ بھی جرأت اور خودداری باقی ہے تو کبھی وہ حجر کو ان کے سامنے پکڑوا کر شام میں قتل نہ کرتے۔ لیکن اس جگر خوارہ کے بیٹے نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ اب لوگ اٹھ گئے۔ خدا کی قسم کوفہ شجاعت اور خودداری والے عرب رئیسوں کا مسکن تھا۔ (سیرت عائشہؓ)

آپ ابھی پڑھ چکے ہیں کہ ایک عابد و زاہد صحابی رسولؐ اور ان کے سات اصحاب کے سفاکانہ قتل پر معاویہ نے بی بی عائشہ کو جواب دیا کہ میں نے انھیں قتل نہیں کیا، جنھوں نے ان کے خلاف گواہیاں دیں انہوں نے ان کو قتل کیا۔ یہ تو وہی جواب تھا کہ جو انہوں نے صفین میں عمار یاسرؓ کی شہادت کے موقع پر دیا تھا کہ جب ان کے لشکر میں اس حدیث کا چرچہ ہونے لگا کہ عمار کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔" تو معاویہ نے یہ حدیث سن کر کہا تھا کہ عمار یاسر کا قاتل میں نہیں ہوں بلکہ علیؑ ہیں کہ جو انھیں میدان میں لائے۔ یہ حیرت انگیز جواب سنکر حضرت علیؑ نے فرمایا تھا کہ اسطرح تو حمزہؓ کے قاتل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے (نعوذ باللہ) کہ وہی ان کو میدانِ جنگ میں لائے تھے۔

ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکاری کی باتیں معاویہؓ کے مزاج کا حصہ تھیں۔ یہ بات بہت آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ کسی کے قتل کی ذمہ داری گواہوں پر اسوقت عائد کی جاسکتی ہے کہ جب حاکم شرع گواہوں کی سچائی کو قوانین شریعت کے مطابق جانچ لے لیکن حجر کے کیس میں تو شرعی تقاضے ہی پورے نہیں کئے گئے صوبے کے عامل زیاد نے انتظامیہ کے فرد کی حیثیت سے حجر اور اصحاب کے خلاف شہادتیں جمع کرنے میں جو طریقہ کار اختیار کیا۔ عدل و انصاف سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ زیاد نے ابوساسا محلہ کے پہلے بیان کو ناکافی سمجھ کر علیؑ کے مخالف شخص ابوموسیٰ اشعری کے بیٹے سے بیان لیا اور اسے اپنی مرضی کے مطابق پاکر دوسرے لوگوں سے کہا کہ وہ ایسا ہی بیان دیں زیاد نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کی۔ بلکہ قاضی شریح کی جعلی شہادت بھی شامل کردی۔ اور پھر جب مقدمہ معاویہ کی عدالت میں گیا تو معاویہ نے بھی اس سلسلہ میں کوئی شرعی تقاضہ پورا نہیں کیا۔

معاویہ یقیناً جانتے ہوں گے کہ شہادتیں قبول کرنے کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرز عمل کیا تھا، سنن ابوداؤد میں روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا "جب دونوں فریق تمہارے سامنے بیٹھ جائیں تو اسوقت تک فیصلہ نہ کرو جب تک کہ دوسرے کی بات بھی نہ سن لو جس طرح تم نے پہلے کی بات سنی" اس کے علاوہ عقل سلیم کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ حاکم گواہوں کو عدالت میں جسمانی طور سے حاضر ہونے کا حکم دے اور ان کا

بیان ملزم کے روبرو لے اور ملزم کو ان کے بیان پر جرح کرنے کا موقع فراہم کرے تاکہ انکی شہادت کی اصل حقیقت سامنے آسکے۔ لیکن معاویہ نے کوئی شرعی و اخلاقی تقاضا پورا نہیں کیا۔ بلکہ وہ طریقہ اختیار کیا جو ایک مطلق العنان بادشاہ کا ہوا کرتا تھا۔

اگر شرعی قانون کے تحت حجرؓ اور اُن کے چودہ ساتھی بغاوت کے مجرم ہونے کی وجہ سے واجب القتل تھے اور معاویہ نے شرعی شہادتوں سے مجبور ہو کر (جیسا کہ اس نے عائشہؓ سے کہا تھا) ان کے قتل کا حکم دیا تھا تو پھر ان میں سے سات افراد کو معاف کرتے وقت یہ شہادتوں کی مجبوری کہاں چلی گئی تھی کہ انہیں صرف اس لئے معاف کر دیا گیا کہ ان کی سفارش مقربین نے کی تھی۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ علماء اہلسنت کے مطابق بھی حجر بن عدی صحابی تھے، اور بڑے زاہد عابد صحابی، ان کے مظلومانہ قتل پر عبداللہ ابن عمر رو دیئے، بی بی عائشہؓ نے ان کی جان بخشی کی سفارش کی۔ اور ان کے قتل پر معاویہ کی سرزنش کی۔ خود معاویہ کے اپنے آدمی ربیع بن زیاد حارثی کو اتنا زیادہ صدمہ پہنچا کہ انہوں نے اپنی جان دیدی لیکن آج کا ناصبی معاویہ کے دامن سے ان بے گناہوں کے خون کو دھونے کی خاطر حجرؓ اور ان کے اصحاب کو باغی ثابت کر کے واجب القتل قرار دیتا ہے۔ اگر سنی مسلک کے مطابق معاویہ کی لیپا پوتی محض اس لئے فرض سمجھی جاتی ہے کہ وہ ان کے نزدیک صحابی تھے، تو پھر حجرؓ تو ایک متقی پرہیزگار اور عبادت گذار صحابی تھے۔ ان کی مظلومانہ شہادت کو ایک باغی کا قتل کیوں قرار دیا جاتا ہے؟ بات صرف یہی ہے کہ حجرؓ علیؑ ابن ابیطالب علیہ السلام اور رسولؐ کے نواسوںؑ سے محبت کرتے تھے۔ ان کے حامی و مددگار تھے، لہٰذا اہلسنت کا وہ طبقہ جو بنی امیہ کی حمایت کو ہر صورت میں اپنا فرض سمجھتا ہے، حجرؓ کو باغی ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتا ہے۔ اسی طبقہ میں بیچارے تقی عثمانی صاحب بھی شامل ہیں۔

حجرؓ کے حالات کا ایمانداری سے جائزہ لیا جائے تو یہ فیصلہ کرنا مشکل نہ ہوگا کہ انکی کوئی کارروائی یا عام سرگرمیاں بغاوت کے زمرے میں نہیں آتیں۔

یہ بات تو طے ہے کہ حجر بن عدی حضرت علیؓ کے زبردست حامیوں میں سے تھے۔ جنگ صفین میں حضرت علیؓ کی طرف سے معاویہ سے جنگ کر چکے تھے اور ان کا عقیدہ بھی یہی تھا کہ خلافت صرف علیؓ اور ان کی اولاد کے لئے ہے اور وہ عثمان کے مخالف تھے، معاویہ کو باغی اور غاصب سمجھتے تھے (جیسا کہ ابوموسیٰ اشعری کے بیٹے نے اپنی شہادت قلم بند کرتے وقت لکھا ہے) لیکن اس کے باوجود انہیں واجب القتل تو قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یہ تو علوی گروہ سے وابستہ ہر شخص کے عقائد تھے اور امام حسن علیہ السلام نے صلح نامہ میں معاویہ سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ خلافت پر قابض ہو جانے کے بعد ان کے کسی حامی کو نہیں ستائے گا۔ اور معاہدے میں یہ بات شامل نہیں تھی کہ حامیان علی اپنے عقائد و نظریات ترک کر دینگے۔ ابوموسیٰ اشعری کے بیٹے کی گواہی میں صرف ایک بات ایسی ہے کہ اگر وہ ثابت ہو جائے تو بھی حجر قابل گردن زدنی نہیں تھے۔ زیادہ سے زیادہ انہیں قید کر دیا جاتا یا ملک بدر کر دیا جاتا، وہ بات یہ ہے کہ حجر معاویہ کے خلاف بغاوت پر آمادہ تھے۔ ان کے قتل کے سلسلہ میں جو کچھ حالات و واقعات تاریخ کی کتابوں میں بیان کئے گئے ہیں ان سے کہیں بھی یہ بات ثابت نہیں ہوتی

مخالفت کی ابتداء اس بات سے ہوتی ہے کہ سابق گورنر مغیرہ بن شعبہ کیطرح مدح عثمان اور سب علی کا سلسلہ شروع کیا گیا تو حجر نے بھی اسی طرح سے احتجاج کیا جسطرح وہ مغیرہ کے زمانہ میں کیا کرتے تھے۔

ایک دن زیاد کا خطبہ اتنا طولانی ہو گیا کہ نماز قضا ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا تو احتجاجاً کنکریاں اٹھائیں۔ (کیونکہ اس زمانہ میں مسجد کا فرش کچا ہوا کرتا تھا۔ لہٰذا احتجاج کرنے ناگواری کا اظہار کرنے کیلئے چند کنکریاں متعلقہ شخص کی طرف پھینک دیا کرتے تھے) اور زیاد کی طرف پھینکیں۔ ظاہر ہے کہ یہ کوئی اتنا بڑا جرم نہیں تھا کہ اس پر موت کی سزا دی جاتی۔

زیاد نے حجر کو بلوایا اور وہ گرفتاری کے خوف سے حاضر نہیں ہوئے۔ پھر پولیس بھیجی گئی تو انہوں نے مزاحمت کی۔ اور حجر اور ان کے ساتھیوں کی طرف سے ڈنڈوں اور پتھروں کا استعمال کیا گیا۔ اس وقت کے مروجہ ہتھیار باقاعدہ استعمال نہیں کئے گئے۔ پھر آخر امان کی شرط پہ حجر خود ہی پیش ہو گئے ــــ کیا اس صورتحال کے پیش نظر کوئی بھی انصاف پسند شخص

حجر پر بغاوت کا الزام لگایا جا سکتا ہے ۔؟

اگر حجر کے ہاں ان کے حامیوں کا جمع ہونا بغاوت کے مترادف سمجھا گیا تو یہ بھی غلط تھا کہ حجر حزب اختلاف کے لیڈر تھے ۔ اور ان کے پاس اُن کے حامیوں کا آنا جانا اور جمع ہونا کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔ یہ انداز تو سابق گورنر کے دور میں بھی رہا تھا۔

اگر حجر بن عدی مسلح بغاوت کرتے ہوئے شکست کھا جاتے اور پھر گرفتار ہوتے تو بھی روایات کے تحت انھیں معاف کر دینا چاہیئے تھا۔ مزید بغاوت کے خدشات کی صورت قید یا جلا وطنی کو کافی سمجھا جا سکتا تھا۔ حضرت علی علیہ السلام نے جنگ جمل میں فتح پائی لیکن آپ نے فتح کے بعد نہ تو کسی کو قید کیا اور نہ ہی قتل کیا۔ حجر تو متقی پرہیز گار عابد و زاہد صحابی رسولؐ تھے۔ حضرت علیؑ نے تو مروان جیسے دشمنِ اہلبیتؑ کو نہ تو قتل کیا۔ اور نہ قیدی بنایا۔

صفین کے قیدیوں کو جنگ کے فوراً بعد رہا کر دیا۔ جبکہ معاویہ کا ارادہ تھا کہ اپنے جنگی قیدیوں کو قتل کریں گے۔ لیکن جب انھیں یہ اطلاع ملی کہ علیؑ نے ان کے قیدی چھوڑ دیئے ہیں تو انہیں بھی مجبوراً ایسا کرنا پڑا۔ حضرت علیؑ نے خارجیوں پر اس وقت تک تلوار نہ اٹھائی جب تک وہ خود شمشیر زنی پہ آمادہ نہیں ہوئے۔ جنگ کے بعد نہ تو کسی کو قتل کیا اور نہ قیدی بنایا۔ خارجی بعض اوقات حضرت علیؑ سے منہ در منہ گستاخی کرتے لیکن آپ درگزر سے کام لیتے۔

ہم نے یہ طویل گفتگو محض اسی لئے کی کہ ظالم کو مظلوم اور مظلوم کو ظالم بنانے کا تماشہ کرنے والوں کا جواب ہو جائے ورنہ معاویہ جیسے جاننے پہچاننے، شریعت سے لاتعلق ظالم انسان کے سلسلہ میں یہ ثابت کرنا کہ ان کا حجر بن عدی اور ان کے اصحاب کو قتل کرنا خلاف شریعت اور عدل و انصاف کے عام تقاضوں کے خلاف تھا، کچھ ضروری نہ تھا۔

زیاد کی موت

رمضان ۵۳ھ میں یہ ظالم دنیا سے رخصت ہوا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ زیاد کی موت کا سبب یہ ہوا کہ اس کی انگلی میں پھوڑا نکل آیا تھا بعض نے اسے طاعون بھی لکھا ہے۔ زیاد نے قاضی شریح کو ہاتھ دکھا کر مشورہ لیا کہ کیا اسے ہاتھ کٹوا دینا چاہیئے۔ قاضی نے اسے

منع کیا، لیکن زیاد نے کہا کہ طاعون اور زیاد ایک جا در میں نہیں سو سکتے اور ہاتھ کٹوانے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن جب آگ اور داغنے کے آلات لائے گئے تو زیاد گھبرا گیا اور اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔ چنانچہ اس زہریلے پھوڑے سے اس کی موت واقع ہو گئی۔

مورخین لکھتے ہیں کہ زیاد نے معاویہ کو لکھا تھا کہ عراق کا انتظام تو اس کے بائیں ہاتھ کا کام ہے اس کا داہنا ہاتھ خالی ہے، لہٰذا حجاز کا انتظام بھی انکے سپرد کر دیا جائے۔ چنانچہ معاویہ نے پروانہ لکھ دیا۔ یہ خبر حجاز پہنچی تو مسلمان پریشان ہو گئے اور عبداللہ بن عمر کے پاس گئے اور یہ خبر سنائی۔ عبداللہ بن عمر نے کہا کہ آؤ اس کے حق میں بد دعا کریں۔ آپ قبلہ رُو ہو کر بیٹھ گئے اور خدا سے دعا کی کہ پروردگار ہمیں زیاد کے شر سے محفوظ رکھ۔ ان کی دعا قبول ہوئی زیاد علیل ہوا اور موت واقع ہو گئی۔

جب عبداللہ ابن عمر کو زیاد کے مرنے کی خبر ملی تو آپ نے کہا: جا اے ابن سمیہ نہ تو تو نے آخرت کو پایا اور نہ ہی دُنیا تجھ پر برقرار رہی۔

یزیدؒ کی ولیعہدی

معاویہ کے دل میں یزیدؒ کی ولیعہدی کا خیال مغیرہ بن شعبہ نے ڈالا تھا۔ یہ مکار شخص معاویہ کی طرف سے کوفہ کا گورنر تھا۔ اسی سلسلہ میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی فرماتے ہیں۔

"یزیدؒ کی ولیعہدی کے لئے ابتدائی تحریک کسی صحیح جذبہ کی بنیاد پر نہیں ہوئی تھی بلکہ ایک بزرگ (مغیرہ بن شعبہ) نے اپنے ذاتی مفاد کے لئے دوسرے بزرگ (معاویہ) کے ذاتی مفاد سے اپیل کر کے اس تجویز کو جنم دیا۔ اور دونوں صاحبوں نے اس بات سے قطع نظر کر لیا کہ وہ اس طرح اُمتِ محمدیہؐ کو کس راہ پر ڈال رہے ہیں۔"

(خلافت و ملوکیت)

مغیرہ کا ذاتی مفاد اپنی جاتی ہوئی گورنری کو برقرار رکھنا تھا۔ ہوا یہ کہ معاویہ نے ایک مرتبہ مغیرہ کو کوفہ کی گورنری سے معزول کر کے سعید بن العاص کو وہاں کا گورنر بنانے کا ارادہ کیا۔ مغیرہ کو ان کے ارادے کی اطلاع ہو گئی تو انہوں نے شام پہنچ کر یزیدؒ سے ملاقات کی۔ اور اسے ولی عہدی کی رغبت دلائی۔ اور ایسی گفتگو کی کہ اس کے دل میں ولیعہدی کی خواہش پیدا ہو گئی، چنانچہ اس نے اپنے باپ معاویہ سے اس بات کا تذکرہ کیا۔ معاویہ نے مغیرہ کو بلا کر استفسار کیا کہ تو اس مکار خوشامدی نے معاویہ کو یزیدؒ کی ولی عہدی کی ضرورت کا احساس اور کامیابی کا یقین دلایا۔ اور ساتھ ہی ساتھ اپنے بھرپور تعاون کا وعدہ کیا۔ اور کہا کہ اہل کوفہ کے لئے میں اور بصرے کے لئے زیاد کافی ہے ان دونوں شہروں کے بعد کوئی

شخص آپ کی مخالفت نہ کرے گا۔ معاویہ نے کہا اچھا تم اپنی ولایت کو واپس جاؤ۔ اور وہاں اس بارے میں ایسے لوگوں سے گفتگو کرو کہ جن پر تمہیں بھروسہ ہو، پھر دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔

امیر معاویہ کے پاس سے رخصت ہو کر مغیرہ اپنے دوستوں میں واپس آئے تو انہوں نے پوچھا "کیا ہوا؟ کہا کہ امیر معاویہ کے پاؤں کو اُمتِ محمدیؐ کی بعید الغایت رکاب میں رکھ دیا ہے اور ان کے لئے ہوئیں ایسا شگاف کیا ہے جو ابد تک بھی بند نہ ہوگا۔ اور یہ شعر پڑھا۔

(ترجمہ) "مجھ ہی جیسا آدمی تو دشمن کے رازوں میں شریک ہوتا ہے اور مجھ جیسے ہی آدمیوں کو بڑے بڑے غضبناک دشمن گرامی قدر سمجھتے ہیں۔"

(ابن الاثیر ۵۶ھ کے واقعات)

کوفہ واپس آکر مغیرہ نے حامیانِ بنو امیہ سے ملاقات کی اور انھیں یزیدؔ کو ولی عہد بنانے کی تجویز سے آگاہ کیا۔ جب انہوں نے اس تجویز کو قبول کر لیا تو مغیرہ نے ان میں سے دس یا زیادہ آدمیوں کو منتخب کیا۔ انھیں تیس تیس ہزار درہم دیئے اور اپنے بیٹے موسیٰ بن مغیرہ کے ماتحت معاویہ کے پاس روانہ کیا۔ یہ لوگ معاویہ کے پاس پہنچے اور بڑے زور و شور سے بیعتِ یزیدؔ کے خیال سے اتفاقِ کلی ظاہر کر کے انعقادِ بیعت کی درخواست کی۔ معاویہ نے کہا عجلت نہ کرو اپنی رائے پر جمے رہو۔ پھر موسیٰ سے سوال کیا تمہارے باپ نے ان لوگوں کے دین کو کتنے میں خریدا۔ کہا تیس ہزار درہم میں۔ معاویہ بولے ان لوگوں نے اپنے دین کو کیسا آسان سمجھ رکھا ہے۔

ایک روایت کے مطابق وفد میں چالیس آدمی تھے اور ان کے سردار عروہ بن مغیرہ تھے ان لوگوں نے بہت زور و شور سے یزیدؔ کی ولی عہدی پر آمادگی کا اظہار کیا اور کہا کہ وہ اُمتِ محمدی کی بہتری کی خاطر یہاں آئے ہیں، معاویہ نے چپکے سے عروہ سے پوچھا "تمہارے باپ نے ان سب کا دین کتنے میں خریدا۔؟" کہا کہ چار سو دینار میں معاویہ بولے کہ مغیرہ نے ان کے دین کو بہت سستا پا لیا ہے۔ پھر اہلِ کوفہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ اچھا ہم غور کریں گے۔ پھر جو کچھ خدا چاہے گا ہو جائے گا۔ پھر مشورہ کے لئے زیاد کو خط لکھا

(ابن الاثیر)

اپنے ایک مکار گورنر (مغیرہ) کے خوش کن مشورہ پر معاویہ نے دوسرے حرامزادے گورنر (زیاد) سے رائے طلب کی۔ چنانچہ اس نے معاویہ کو مزید غور و خوض کا مشورہ دیا اور کہا کہ عجلت سے کام نہ لیں معاویہ نے اس کی رائے کو قبول کر لیا۔

جب زیاد کا انتقال ہو گیا تو معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کے لئے بیعت لینے کا عزم کر لیا۔ انہوں نے ایک خط والئ مدینہ مروان بن حکم کو لکھا کہ اب میری عمر بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ میری ہڈیاں تک کھوکھلی ہو گئی ہیں مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں میرے بعد امت میں مزید اختلاف نہ ہو جائے اس لئے میں کسی ایسے شخص کو منتخب کرنا چاہتا ہوں کہ جو میرے بعد سلطنت کا ذمہ دار ہو۔ لیکن مجھے یہ پسند نہیں کہ بغیر ان لوگوں کے مشورہ کے جو تمہارے نزدیک ہیں کچھ کروں لہٰذا تم اس معاملہ کو ان لوگوں کے سامنے پیش کرو اور وہ جو کچھ اسکا جواب دیں اس کی مجھے اطلاع دو، چنانچہ مروان نے لوگوں کے سامنے کھڑے ہو کر تقریر کی۔ اور اس امر سے ان کو مطلع کیا۔ لوگوں نے کہا کہ انہوں نے ٹھیک کہا اور درست کہا۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ وہ کسی شخص کا انتخاب کر کے ہمیں بتائیں اور انتخاب میں غلطی نہ کریں، مروانؔ نے معاویہ کو یہی لکھ دیا۔ انہوں نے جواب میں یزیدؔ کے انتخاب کا ذکر کیا۔ مروانؔ نے پھر کھڑے ہو کر لوگوں سے کہا کہ امیر المومنین نے تمہارے لئے ایک شخص منتخب کر لیا ہے اور انتخاب میں غلطی نہیں کی چنانچہ اپنے بیٹے یزیدؔ کو خلیفہ بنا دیا۔

اس پر عبد الرحمٰن بن ابی بکر نے کھڑے ہو کر جواب دیا کہ اے مروان تم بھی جھوٹے ہو اور معاویہ بھی جھوٹے ہیں تمہارا ارادہ کسی اور کو منتخب کرنے کا نہیں ہے بلکہ تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ جب ایک ہرقل مر جائے تو دوسرا اس کی جگہ متمکن ہو جائے۔ مروان نے کہا یہ وہی شخص ہے جس کے لئے خدا تعالیٰ نے والذی لوالدیہ .... آیت نازل کی ہے۔

حضرت عائشہؓ نے ان کا یہ قول سنا تو انہوں نے پردے کے پیچھے سے کھڑے ہو کر فرمایا "اے مروان! اے مروان! تم یہ کہتے ہو کہ عبد الرحمٰن کے بارے میں قرآن میں یہ نازل ہوا تم جھوٹ کہتے ہو۔ خدا کی قسم وہ وہ شخص نہیں۔ بلکہ یہ آیت فلاں ابن فلاں کے بارے میں اتری مگر تم تو خدا کے نبی صلعم کی لعنت کے ایک ٹکڑے ہو۔ پھر حضرت امام حسینؑ نے کھڑے ہو کر بیعت یزید پلید سے انکار کیا۔ اور ابن زبیر نے بھی ایسا ہی کیا۔ مروانؔ نے معاویہ کو ان تمام کی خبر دی۔

وفود کی آمد

معاویہ نے اپنے عمال کو یزیدؒ کے حق میں پروپیگنڈہ کرنے کے لئے لکھا اور ی اپنے شہروں سے ایسے وفود بھیجنے کیلئے لکھا کہ جو معاویہ سے یزیدؒ کی ولیعہدی کیلئے است کریں۔

معاویہ کے پاس وفود جمع ہو گئے تو انہوں نے ضحاک بن قیس انفزاری سے کہا کہ پہلے میں کلام کروں گا۔ اور جب میں چپ ہو جاؤں تو تم لوگوں کو یزیدؒ کی بیعت کیلئے دعوت دینا۔ اور مجھے اس امر کیلئے ترغیب دینے لگنا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ معاویہ نے یزیدؒ کی اہلیت خلافت کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کی بیعت کو پیش کیا۔ پھر ضحاک بن قیس نے سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے یزیدؒ کی قصیدہ خوانی کی، اور معاویہ سے یزیدؒ کو ولی عہد بنانے پر اصرار کیا پھر ایک اور خوشامدی عمرو بن سعید الاشدق نے بھی اسی قسم کی تقریر کی، پھر یزیدؒ بن مقنع العذری نے اٹھ کر کہا، یہ امیر المومنین ہیں، ان کی موت کے بعد یہ (یزیدؒ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) امیر المومنین ہو گا۔ اگر کسی نے انکار کیا تو یہ (اپنی تلوار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) فیصلہ کرے گی۔ معاویہ نے کہا" آپ بیٹھ جائیے آپ تو سیّد الخطباء ہیں۔ اس کے بعد وفد میں جو جو لوگ موجود تھے انہوں نے تقریر کی۔

احنف بن قیس کی مخالفت

معاویہ نے احنف سے پوچھا" تم کیا کہتے ہو۔؟ انہوں نے جواب دیا کہ اگر ہم سچ کہیں گے تو آپ لوگوں سے ڈر معلوم ہوتا ہے اور جھوٹ کہتے ہیں تو خدا سے خوف آتا ہے۔ اے امیر المومنین! آپ یزیدؒ کے لیل و نہار سے اور ظاہر و باطن سے واقف ہیں، پس اگر آپ ان کو اللہ تعالیٰ اور امت کی بہتری کیلئے پسندیدہ خیال کرتے ہیں تو مشاورت کی ضرورت نہیں ہے اور اگر آپ اسکے سوا کچھ اور رائے رکھتے ہیں تو جبکہ آپ خود سفر آخرت اختیار کرنے والے ہیں تو اس معاملہ کو توشۂ دنیا نہ بنائیے۔ ویسے تو ہم پر یہی فرض ہے کہ ہم کہدیں کہ "سنا اور اطاعت کی"...... بعد ازاں لوگ متفرق

ہو گئے۔ اور احنف کی تقریر کا تذکرہ کرنے لگے۔ غرضیکہ معاویہ دُور دراز نزدیک کے آدمیوں کو انعام اکرام دیتے، ان کی خاطر مدارات اور لطف و احسان کرتے رہے یہاں تک کہ لوگوں کی ایک کثیر تعداد پختہ طور سے اُن کے ساتھ ہو گئی اور انہوں نے یزیدؔ سے بیعت کر لی۔ جب اہل عراق و شام بیعت کر چکے تو معاویہ ایک ہزار سوار لے کر حجاز کی طرف روانہ ہوئے۔

(ابن الاثیر)

بیعتِ یزیدؔ کے لئے معاویہ کی حجاز روانگی

جب معاویہ مدینہ کے قریب پہنچے تو راستے میں سب سے پہلے امام حسینؑ ابن علیؑ ملے۔ معاویہ نے ان کو دیکھتے ہی کہا میں ایسے شتر قربانی کو خوش آمدید نہ کہوں گا جس کا خون بہنے والا ہو اور خدا ہی اسے بہادے گا۔ حسین علیہ السلام نے کہا زبان سنبھال کر بات کرو خدا کی قسم ایسی باتیں میری شان کے خلاف ہیں۔ معاویہ نے کہا" ہاں ضرور بلکہ تم اس سے بھی بدتر کے لائق ہو۔۔۔۔۔ پھر عبداللہ ابن زبیر، عبداللہ ابن عمر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر سے ملاقات ہوئی اور ان سے بھی توہین آمیز سلوک کیا۔

مدینہ پہنچ کر معاویہ بی بی عائشہ سے ملاقات کرنے گئے۔ اور حسینؑ ابن علیؑ اور انکے اصحاب کا تذکرہ کیا۔ اور کہا کہ اگر وہ بیعت نہ کرینگے تو میں انہیں قتل کر دوں گا۔ بی بی عائشہ نے فرمایا کہ نرمی سے کام لو، خدا نے چاہا تو وہ لوگ یہی کرینگے جو کچھ تم چاہو گے (ابن الاثیر)

مدینہ کے بعد وہ مکہ پہنچے۔ یہاں پھر ان چاروں حضرات نے ان سے ملاقات کی۔ اس دفعہ معاویہ نے ان حضرات کی بہت تعظیم کی اور انہیں شیشہ میں اتارنے کی کوشش کی۔ ان حضرات نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا۔ ان کی باتوں میں نہ آنا اور اپنے موقف پر قائم رہنا۔

معاویہ نے جب ان حضرات کی خوب خاطر داری کر لی تو ان سے بیعت یزیدؔ کیلئے کہا، جب ان سب نے انکار کر دیا تو وہ بہت برہم ہوئے کہنے لگے۔

"میں اب لوگوں سے گفتگو کرتا ہوں ایسا نہیں ہوگا کہ آپ لوگوں میں سے کوئی

کھڑا ہو کر لوگوں کے سامنے میری تکذیب کرے اور میں برداشت کر لوں اور معاف کر دوں۔ میں ایک تقریر کرنے والا ہوں۔ اور قسم بخدا اگر آپ میں سے کسی نے میری بات کو رد کیا تو ابھی دوسری بات اس کے منہ تک نہ جا پائیگی کہ تلوار اس کے سر تک پہنچ جائے گی۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ ہر شخص اپنے اوپر رحم ہی کرے گا۔ یہ کہہ کر انکی موجودگی میں اپنے محافظ کو بلایا اور کہا کہ ان میں سے ہر ایک کے سر پر دو دو آدمیوں کو تلواریں کر کھڑا کر دو اگر ان میں سے کوئی میری بات کاٹے تو ان دونوں کو چاہیئے کہ اس کا کام تمام کر دیں اس کے بعد معاویہ ان کے ساتھ باہر آئے اور منبر پر چڑھ کر تقریر کرنا شروع کر دی جس کے بعد خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد کہا کہ اس جماعت میں مسلمانوں کے سردار اور بہترین لوگ شامل ہیں کوئی امر انکے بغیر پورا نہیں ہوتا۔ اور بغیر ان کے مشورہ کے نہیں کیا جاتا۔ یہ حضرات راضی ہیں اور یزید سے بیعت کرتے ہیں اس لئے تم سب بھی خدا کا نام لے کر بیعت کر لو۔ چنانچہ لوگوں نے بیعت کر لی کیونکہ وہ ان حضرات کی بیعت کے ہی منتظر تھے۔ اس کے بعد معاویہ مدینہ چلے گئے۔ اور پھر جب اہل مدینہ بھی بیعت کر چکے تو معاویہ شام واپس چلے گئے۔ (ابن الاثیر)

لوگوں نے ان حضرات سے پوچھا کہ آپ کو تو یہ زعم تھا کہ یزیدؔ کی بیعت نہ کریں گے۔ پھر آپ لوگ کیوں راضی ہو گئے۔ انہوں نے کہا خدا کی قسم ہم نے ایسا نہیں کیا۔ لوگوں نے کہا "پھر آپنے اس کی بات کو رد کیوں نہیں کیا۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم لوگ بے کسی کے عالم میں تھے اور قتل ہونے سے ڈرتے تھے۔ (ابن الاثیر)

جیسا کہ آپ پڑھ ہی چکے ہیں کہ معاویہ کو اس کے بیٹے یزیدؔ کی ولی عہدی کا خیال مغیرہ بن شعبہ نے دلایا تھا۔ بعض اپنے مفاد کی خاطر۔ معاویہ کے ذہن میں یہ خیال آتا تھا کر جم کے رہ گیا، محض اپنے بیٹے کی محبت میں۔ چنانچہ اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اس نے دھونس، دھمکی، لالچ ۔۔۔ غرضکہ ہر ہتھکنڈہ آزمایا۔ شیعہ معاویہ کے اس اقدام کے جواز یا عدم جواز پر کسی علمی بحث کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ ان کے نزدیک خود معاویہ کھلے غاصب تھے، انہیں نہ اسلام سے دلچسپی تھی اور نہ انسانیت سے کوئی لگاؤ انہیں تو اپنی بادشاہت کا نشہ تھا۔ البتہ فقہا و علماء اہلسنت نے یزیدؔ کی ولی عہدی کے جواز

عدم جواز پر بڑی طول طویل گفتگو کی ہے لیکن علماء اہلسنت بالعموم اسکے عدم جواز کے قائل ہیں اور معاویہ کے اس فعل کو درست نہیں سمجھتے لیکن چونکہ اسے صحابی سمجھتے ہیں لہٰذا حتی المقدور لیپا پوتی بھی کرتے ہیں چنانچہ صورتحال خاصی مضحکہ خیز ہو جاتی ہے انہی سنّی حضرات میں کچھ ایسے بھی ہیں جو معاویہ کے احترام میں اس حد تک آگے بڑھ جاتے ہیں کہ وہ یزید کی ولیعہدی کی بیعت کو ایک نیک کام قرار دیتے ہیں ان کا خیال ہے کہ معاویہ نے یہ سب کچھ اسلام کی محبت میں کیا تھا۔

بعض علماء اہلسنت ایسے بھی ہیں کہ جنہیں صحابہ (نام نہاد) سے زیادہ اسلام عزیز ہے لہٰذا وہ بغیر لیپا پوتی کے معاویہ کے اس فعل کو غلط قرار دیتے ہوئے اسے اسلام میں ملوکیت کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں اور خطائے اجتہادی کی اصطلاح سے بھی فائدہ نہیں اٹھاتے بلکہ صاف صاف کہہ دیتے ہیں کہ یہ سب کچھ بیٹے کی محبت میں کیا گیا۔ ان لوگوں میں سید قطب شہید (مصری) ڈاکٹر طہٰ حسین (مصری) اور مولانا مودودی جیسی جانی پہچانی شخصیتیں ہیں۔
اس سلسلہ میں مولانا مودودی کی کتاب "خلافت و ملوکیت" سے چند اقتباسات:
"یزید کی ولی عہدی کے لئے ابتدائی کسی صحیح جذبہ کی بنیاد پر نہیں ہوئی تھی بلکہ ایک بزرگ (مغیرہ بن شعبہ) نے اپنے ذاتی مفاد کے لئے دوسرے بزرگ (حضرت معاویہ) کے ذاتی مفاد سے اپیل کر کے اس تجویز کو جنم دیا۔ اور دونوں صاحبوں نے اس بات سے قطع نظر کر لیا کہ وہ اس طرح امتِ محمدیہ کو کس راہ پر ڈال رہے ہیں۔"

(خلافت و ملوکیت)

"خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے بحال ہونے کی آخری صورت یہ باقی تھی کہ اگر حضرت معاویہ اپنے بعد اس منصب پر کسی شخص کے تقرر کا معاملہ طے کرنا ضروری سمجھتے تھے تو مسلمانوں کے اہل علم اور اہل خیر کو جمع کر کے انہیں آزادی کے ساتھ یہ فیصلہ کرنے دیتے کہ ولی عہد کیلئے امت میں موزوں ترین آدمی کون ہے لیکن اپنے بیٹے یزید کی ولی عہدی کے لئے خوف و طمع کے ذرائع سے بیعت لے کر انہوں نے اس امکان کا بھی خاتمہ کر دیا ....
سب سے زیادہ حیرت مجھے اس استدلال پر ہے کہ جس سے یزید کی ولی عہدی کو جائز ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے بعض حضرات یہ تو مانتے ہیں کہ اس کارروائی سے بُرے

نتائج برآمد ہوتے۔ مگر وہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ اگر یزید کو جانشین نامزد کر کے اپنی زندگی ہی میں اس کے لئے بیعت نہ لے لیتے تو ان کے بعد مسلمانوں میں خانہ جنگی ہوتی اور قیصر روم چڑھ آتا۔ اور اسلامی ریاست کا ہی خاتمہ ہو جاتا۔ اس لئے ان بدترین نتائج کی بہ نسبت وہ نتائج کمتر درجے ہیں جو یزید کو ولی عہد بنانے سے رونما ہوئے تھے۔ میں پوچھتا ہوں کہ اگر فی الواقع معاویہ کا خیال یہ تھا کہ ان کے بعد کہیں جانشینی کے لئے امت میں خانہ جنگی بپا نہ ہو اور اس بات پر وہ بہ ضرورت محسوس فرماتے تھے کہ اپنی زندگی ہی میں اس کا فیصلہ کر کے اپنے ولی عہد کے لئے بیعت لے لیں تو کیا وہ اس نہایت مبارک خیال کو عمل میں لانے کے لئے یہ صورت اختیار نہ فرما سکتے تھے کہ بقایائے صحابہ اور اکابر تابعین کو جمع کرتے اور ان سے کہتے کہ میری جانشینی کے لئے ایک موزوں ترین آدمی کو میری زندگی ہی میں منتخب کر لو اور جس کو وہ لوگ منتخب کرتے اس کے حق میں سب سے بیعت لے لیتے؟ اس طریقہ کار میں آخر کیا امر مانع تھا؟ اگر امیر معاویہ یہ راہ اختیار کرتے تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ خانہ جنگی پھر بھی برپا ہوتی. اور قیصر روم پھر بھی چڑھ آتا۔ اور اسلامی ریاست کا خاتمہ کر ڈالتا۔

(خلافت وملوکیت)

بعض وکلاء معاویہ و یزید اپنی بحث میں یہ رخ بھی اختیار کرتے ہیں کہ یزید بدکردار نہیں تھا اور بار خلافت اٹھانے کی اہلیت رکھتا تھا۔ اور یہ ضروری نہیں ہے کہ باپ اپنے بیٹے کو ولیعہد نامزد نہ کرتے۔ اب ہم اس کا جواب اکابر علماء اہلسنت (کہ جو ان کے ہر فرقہ میں احترام کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں) کی تحریروں سے دیتے ہیں۔

معاویہ کو طلقاء میں شمار کئے جانے کے سبب نہ تو خلافت کا مستحق سمجھا جاتا تھا۔ اور نہ ہی اہل حل و عقد میں شمار کیا جاتا تھا" چنانچہ شاہ ولی اللہ "ازالۃ الخفاء" میں ایک قول نقل کرتے ہیں۔

"جن لوگوں نے حضرت علیؑ سے بیعت کی ہے وہ ان سے بہتر ہیں جنہوں نے نہیں کی۔ اور معاویہ کا شوریٰ میں کیا دخل؟ وہ طلقاء میں سے ہیں جن کے لئے خلافت جائز نہیں۔"

ملاحظہ فرمایئے کہ جو شخص انتخابِ خلیفہ میں رائے دینے کا حق نہ رکھتا ہو وہ اپنے بیٹے اور وہ بھی فاسق و فاجر اور نالائق بیٹے کو نامزد کرنے کا حق کہاں سے رکھتا ہوگا۔

شاہ ولی اللہ کے فرزند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سرالشہادتین میں لکھتے ہیں "حسین علیہ السلام نے بیعتِ یزید سے انکار کیا کیونکہ یزید فاسق، شرابی، ظالم اور زانی تھا۔"

مولانا امجد علی صاحب، شاگردِ رشید امام اہلسنت احمد رضا خاں بریلوی لکھتے ہیں۔

"یزید پلید فاسق و فاجر، مرتکب کبائر تھا۔ معاذ اللہ اس سے ریحانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیا نسبت؟ آج کل جو بعض گمراہ کہتے ہیں کہ ہمیں ان کے معاملے میں کیا دخل ہے؟ ہمارے وہ بھی شہزادے، وہ بھی شہزادے۔ ایسا کہنے والا مردود خارجی، ناصبی اور مستحق جہنم ہے۔ ہاں یزید کو کافر کہنے اور اس پر لعنت کرنے میں علماء اہلسنت کے تین قول ہیں اور ہمارے امام اعظم کا مسلک سکوت ہے، یعنی اسے فاسق و فاجر کہنے کے سوا نہ کافر کہیں نہ مسلمان۔"

(بہار شریعت۔ جلد اول)

بریلوی اور دیوبندی دونوں کہتے ہیں کہ علما اہلسنت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ یزید فاسق و فاجر تھا، لیکن اپنی سُنیوں میں کچھ ایسے بھی ہیں کہ جو یزید کو بھی ایک اچھا اور قابلِ احترام مسلمان سمجھتے ہیں، اور اگر کوئی پوچھے کہ اس بوالعجبی کا سبب کیا ہے تو کہتے ہیں کہ دو روایتیں ہیں: ایک بلاذری کی ہے جس میں منقول ہے کہ معاویہ کا بیٹا من صالحی اہلہ یعنی ان کے صالح اہلِ خانہ میں سے ہے اس کے راوی عبداللہ ابنِ عباس ہیں۔ یہ ایک گول مول سی تعریف ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی دباؤ یا لالچ کی وجہ سے کی گئی۔ یہ روایت صاف صاف مصلحت آمیزی کا پتہ دے رہی ہے۔

عبداللہ ابن عباس کا کردار بھی ان باتوں سے مطابقت رکھتا ہے یہ وہی عبداللہ ابن عباس ہیں کہ جن پر بصرہ کی گورنری کے دوران غبن کا الزام لگا۔ اور یہ صاحب اس الزام کی صفائی پیش کرنے کی بجائے بصرہ کا بیت المال لے کر مکہ بھاگ گئے۔ اور اپنے چچا زاد بھائی

امیر المومنین حضرت علیؑ کی مصیبتوں میں اضافہ کر گئے۔ یہ اکثر معاویہ سے مالی منفعت حاصل کیا کرتے تھے۔ یہ بنو ہاشم کے ان چند لوگوں میں سے تھے کہ جنھوں نے یزید کے مقابلے میں حسینؑ ابنِ علیؑ کی کوئی عملی مدد نہیں کی۔

دوسری روایت ابن کثیر دمشقی کی ہے۔ یہ شخص بنو امیہ کی حمایت میں مشہور ہے اسکے مطابق محمد بن حنفیہ نے فرمایا "میں نے یزید کو نماز کا پابند اور خیر کا طالب پایا وہ فقہ کے مسائل پوچھتا ہے اور سنت کا پابند ہے۔ یہ محمد حنفیہ امام حسینؑ و امام حسنؑ کے مختلف البطن بھائی ہیں انکا رویہ ہمیشہ سے حسنؑ و حسینؑ کے ساتھ بیگانوں کا سا رہا ہے عبداللہ ابن عباسؓ کی طرح انہوں نے بھی یزید کے مقابلے میں امام حسینؑ کا عملاً ساتھ نہیں دیا۔ یہ کچھ عرصہ شام میں یزید کے پاس ٹھہرے تھے، ممکن ہے انہوں نے جو بتایا وہی دیکھا ہو لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ ایسے عالم میں کہ جب ہر طرف فسق و فجور کا چرچا تھا (جو کہ ارباب حل و عقد کا مرکز تھا) کی ایک ممتاز شخصیت کے سامنے نماز کی پابندی اور سنت سے دلچسپی کا اظہار ـــ کیا صرف مصلحت کی وجہ سے نہیں ہو سکتا۔؟ اور کون ایسا بے وقوف شخص ہو گا کہ ان حالات میں اور ایسی شخصیت کے سامنے اپنے فسق و فجور کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش نہیں کرے گا۔

تاریخ میں تو ہر طرح کی روایات کا انبار لگا ہوا ہے محض دو کمزور سی روایتوں کی بنیاد پر یزید کو صالح نوجوان اور خلافت کا اہل شخص کہنا کہاں کا انصاف ہے! یزید کے فسق و فجور کی گواہی دینی ہوئی بہت سی روایتوں سے یہ کہہ کر صرف نظر کرنا کہ یہ مستند نہیں کھلی بد دیانتی کے سوا اور کیا ہے! شیعہ تو یزید اور اس کے باپ معاویہ کے کھلے دشمن ہیں لیکن آخر علمائے اہلسنت کس وجہ سے یزید کو فاسق و فاجر کہنے پر متفق ہیں؟

اس سلسلے میں ایک اور حیران کن پہلو سامنے آتا ہے کہ بعض سنی علماء کہ جو یزید کے فسق و فجور کے قائل تھے اس وجہ سے پریشان ہوئے کہ معاویہ کو اس گناہ عظیم سے کیسے بچائیں کہ انہوں نے اپنے فاسق بیٹے کو مسلمانوں کی گردن پر مسلط کر دیا تھا، چنانچہ انہوں نے اس بہانے میں پناہ تلاش کی کہ یزید کے اعمال شنیعہ معاویہ کے علم ہی میں نہ تھے۔ اس سلسلے میں سب سے دلچسپ گفتگو حجر بن مکی کی ہے یہ وہی بزرگ ہیں کہ جنھوں نے اہل تشیع کے خلاف ایک کتاب

" صواعق محرقہ تحریر فرمائی ہے۔ اور ایک کتاب معاویہ کی شان میں تطہیر الجنان کے نام سے لکھی، اس کتاب کی ایک تحریر ملاحظہ فرمایئے۔

" امیر معاویہ کے غلبۂ محبت نے طریق ہدایت کو گم کر دیا اور اس فاسق وفاجر اور بے دین کے ساتھ دوسرے لوگوں کو بھی ھلاکت میں ڈال دیا لیکن قضا وقدر کی جو باتیں تھی وہ پوری ہو کے رہی پس آپکی وہ ذہنی اور عملی صلاحیت اور ضرب المثل مدبرانہ قیادت سلب کر لی گئی۔ اور ان کے لئے یہ بات مزین کر دی گئی کہ یزید نیکو کار از راہ انحراف و خلل سے پاک ہے۔ یہ سب کچھ اس ارشاد نبوی کے مطابق ہوا جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ جب اللہ کسی امر کو نافذ کرنا چاہتا ہے تو عقل والوں کی عقل چھین جاتی ہے حتی کہ اللہ اپنے ارادے کا نفاذ فرما دیتا ہے۔ پس معاویہ نے جو کچھ یزید کے لئے کیا وہ اس میں معذور تھے کیونکہ ان کے نزدیک اس میں کوئی نقص ثابت نہ تھا بلکہ اپنے والد کے پاس ایسے لوگوں کو گھسا دیتا تھا جو ان کے سامنے اس کے کوائف کو اچھا بنا کر پیش کرتے۔ یہاں تک کہ وہ یقین کرنے لگے کہ یزید صحابہ کرام کی موجودہ اولاد سے افضل ہے۔ پس انہوں نے اس فضیلت کی تصریح کرتے ہوئے یزید کو ان سب پر ترجیح دی۔ اور یہ فضیلت کا تخیل ان لوگوں کا پیدا کردہ تھا جو امیر معاویہ پر مسلط کئے گئے تھے تاکہ وہ یزید کی اس فضیلت کو خوشنما بنائیں، امیر معاویہ کا یزید کو ولی عہد منتخب کرنا اس بناء پر تھا کہ ان کے گمان میں لوگ یزید کی ولی عہدی کو فسق کی وجہ نہیں بلکہ حسد وغیرہ کے ناپسند کرتے تھے۔" (ترجمہ تطہیر الجنان)

دیکھئے معاویہ کی محبت نے کیا کیا گل کھلائے ہیں کس طرح قضاء قدر کے فیصلہ کو نافذ کیا گیا اور ستم یہ کہ سب کچھ ارشاد نبوی کے مطابق ہوا۔ اور پھر بالائے ستم کہ اللہ کو اپنے ارادہ (یزید کی ولی عہدی) کو نافذ کرنا تھا لہٰذا معاویہ نے جو کچھ یزید کے لئے کیا وہ اس میں معذور تھے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صرف معاویہ ہی کیوں معذور رہے، اس فلسفہ کے تحت تو یزید، ابن زیاد، شمر بن ذوالجوشن، اور دنیا کے ہر ظالم کو معذور سمجھنا چاہیئے اور مسلمانوں کو اس جہنم کی آگ کو بجھا دینا چاہیئے کہ جو ظالموں کا انتظار کر رہی ہے ___ اب صرف ایک صورت رہ جاتی ہے کہ معاویہ کی کوئی استثنائی حیثیت تھی یا (نعوذ باللہ) اللہ تعالی نے خاص طور سے

فرمایا تھا کہ معاویہ اس وقت تک کوئی سنگین غلطی نہیں کرتا کہ جب تک میں اس کی عقل کو سلب نہ کرلوں۔

جبکہ یزیدؔ کا فسق وفجور ثابت ہے تو اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی کہ معاویہ نے اس کی ولیعہدی کی بیعت دھونس، لالچ اور مکروفریب سے لی ہوگی۔ کیونکہ عقل سلیم کا تقاضا ہے کہ ہم یہ بات تسلیم کریں کہ یہ بات ممکن نہیں ہے کہ اس زمانہ کا مسلمان صالحین صحابہ وتابعین کی موجودگی میں بغیر کسی خوف ولالچ کے ایک فاسق کے ہاتھ پر بیعت کرے گا۔

بہرحال یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ معاویہ کی پہلی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو خلافت کے لئے نامزد کیا وہ بھی ایسے بیٹے کو کہ جسے مسلمان ایک فاسق نوجوان سمجھتے تھے اور پھر اس کی بیعت کے لئے دھونس، دھمکی، لالچ اور مکروفریب سے کام لیا۔

معاویہ کی وفات

رجب ۶۰ھ میں معاویہ اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ ان کی تاریخ وفات کے بارے میں اختلاف ہے۔ لیکن یہ بات یقینی ہے کہ مہینہ رجب کا تھا اس سلسلے میں ابن اثیر لکھتا ہے،

"ایک روایت کے مطابق ان کا انتقال رجب کی پہلی کو ہوا۔ ایک روایت ہے کہ نصف رجب میں، اور ایک بیان ہے کہ رجب کے ختم ہونے سے ۸ روز قبل۔ اور مورخ طبری لکھتا ہے کہ ان کی وفات ۲۲ رجب ۶۰ھ جمعرات دن دمشق میں ہوئی ــــ عام طور سے مسلمان اسی تاریخ کو صحیح مانتے ہیں۔

معاویہ کی موت کے وقت ان کی عمر کیا تھی؟ ــــ اس میں بھی اختلاف ہے اور ۷۳، ۷۵، ۷۸، اور ۸۵ تک کی روائتیں ہیں۔

جب معاویہ کو اپنی زندگی کے دن لوٹے ہوتے نظر آتے تو انہوں نے یزید کو طلب کیا۔ اور کہا، "بیٹا میں نے تجھے مشقت سفر سے بچالیا تیرے لئے دشمنوں کو رام کرلیا۔ تیرے لئے عرب کی گردنوں کو جھکا دیا۔ تیرے لئے میں نے جو کچھ جمع کیا ہے وہ کسی نے نہ کیا ہوگا۔

مجھے اس بات کا اندیشہ نہیں ہے کہ امر خلافت، جو تیرے لئے مستحکم ہو چکا ہے۔ قریش میں چار شخصیتوں کے سوا کوئی تجھ سے اس باب میں نزاع کرے گا۔ حسینؓ ابن علیؓ، عبداللہ ابن عمرؓ، عبداللہ ابن زبیر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر ۔۔۔ عبداللہ ابن عمر کا تو عبادت نے کام تمام کر دیا ہے، جب وہ دیکھیں گے کہ ان کے سوا کوئی باقی نہیں رہا تو وہ تجھ سے بیعت کرلیں گے۔ اور حسینؓ ابن علیؓ کو لوگ جب تک خروج پر آمادہ نہ کرلیں گے ہرگز نہ چھوڑینگے۔ اگر وہ تجھ پر خروج کریں اور تو ان پر قابو پا جائے تو در گذر کرنا۔ ان کو رسول اللہ سے قرابت قریبہ حاصل ہے۔ اور بہت بڑا حق رکھتے ہیں۔ پسر ابو بکر وہ شخص ہے کہ اپنے اصحاب کو جو کام کرتے دیکھے گا ویسا خود بھی کرے گا۔ اسے عورتوں اور لہو لعب کے سوا کسی بات کا خیال نہیں ہے۔ ہاں! جو شخص شیر کی طرح تیری گھات میں بیٹھے گا اور لومڑی کی طرح تجھے دھوکہ دیگا اور جب اُسے موقع ملے گا۔ حملہ کر دیگا۔ وہ ابن زبیر ہے، اگر ایسی حرکتیں وہ تیرے ساتھ کرے اور تیرے قابو میں آجائے تو اس کے ٹکڑے ٹکڑے اڑا دینا۔

(طبری - ابن الاثیر - ابن کثیر ۶۰ھ کے واقعات)

وقتِ آخر جذباتی کیفیات

معاویہ نے اپنے گھر والوں سے کہا میری آنکھوں میں سرمہ لگا دو اور میرے سر میں تیل ڈالدو، لوگوں نے ایسا ہی کیا، ان کے چہرے کو چکنا کر دیا۔ پھر ان کے لئے فرش بچھا دیا۔ کہا مجھے تکیے سے لگا کر بٹھا دو، پھر کہا لوگوں کو بلالو۔ وہ کھڑے کھڑے سلام کریں کوئی بیٹھے نہیں۔ لوگ آتے اور کھڑے کھڑے سلام کرتے اور دیکھتے کہ وہ سُرمہ لگائے ہوئے ہیں تیل ڈالے ہوئے ہیں تو کہتے کہ ہم تو سنتے تھے کہ ان کا آخری وقت ہے۔ یہ تو سب سے زیادہ تندرست ہیں۔ جب وہ سب چلے گئے تو معاویہ نے یہ شعر پڑھا۔

"میں نے دشمنوں کے لئے اتنی جراءت کی ہے کہ ان کو دکھادوں کہ
حادثاتِ زمانہ سے میں متزلزل نہیں ہوتا۔"

(طبری - ابن الاثیر)

یعنی مرتے دم تک اس شخص کی سیاست اور مکّاری ختم نہیں ہوئی۔ دُنیا سے جا رہا ہے، اور لوگوں کو دھوکہ دے رہا ہے کہ میں نہیں جا رہا ہوں۔

یہ بات تاریخوں میں واضح نہیں ہے کہ ان کا مرض الموت کیا تھا۔ ؟ ابنِ کثیر کا بیان ہے کہ آپ کو لقوہ ہو گیا تھا اور آپ اپنے چہرے کو چھپائے رکھتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ اللہ اس بندے پر رحم کرے جو میرے لئے صحت کی دعا کرتا ہے۔"

طبری لکھتا ہے آخری دن انہیں خون تھوکنے کا مرض لاحق ہوا اور اسی دن انتقال ہو گیا۔ اس مرض میں ان کی دو بیٹیاں انہیں کروٹ لوا رہی تھیں تو انہوں نے کہا تم اس شخص کو الٹ پلٹ کر رہی ہو جو دنیا کے الٹ پلٹ کرنے میں استاد تھا۔ شباب سے لیکر بڑھاپے تک مال جمع کرتا رہا۔ دوزخ میں نہ جائے تو۔ پھر ایک شعر پڑھا (طبری) ان کی بیٹیوں میں سے کسی نے یا کسی اور شخص نے کہا۔

"جہاں انسان موت کے پنجے میں آیا۔ میں نے دیکھا پھر کوئی تعویذ نفع نہیں کرتا۔" (طبری - ابن الاثیر)

مؤرخ مسعودی لکھتا ہے کہ جب ان کا وقت قریب آ گیا اور ان کی بیماری شدّت اختیار کر گئی اور وہ صحت یاب ہونے سے مایوس ہو گئے۔ تو کہنے لگے۔

"اے کاش! میں حکومت کو ایک ساعت نہ دیکھتا اور نہ لذات میں اپنی آنکھوں کو اندھا کرتا۔" (مروج الذہب دوم)

طبری اور ابن الاثیر کی روایتوں سے معلوم نہیں ہوتا کہ یہ جو تعویذ کا تذکرہ کیا گیا محض محاورتاً یا واقعی میں معاویہ نے کوئی تعویذ پہنا تھا کہ جس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ لیکن علامہ راغب اصفہانی کی کتاب "محاضرات" میں یہ دلچسپ روایت درج ہے جب معاویہ بیمار ہوئے تو ایک طبیب نے ان کو دیکھ کر تسکین دی اور کہا کہ تم اچھے ہو جاؤ گے۔ چنانچہ وہ اچھے ہو گئے پھر دوبارہ علیل ہوئے تو ایک نصرانی ان کے پاس آیا اور کہنے لگا میرے پاس ایسا تعویذ ہے کہ جو شخص اسے پہن لے اس کو شفا ہو جاتی ہے۔ معاویہ نے وہ تعویذ لے کر گلے میں لٹکا لیا۔ اتفاقاً اس طبیب کا پھر گذر ہوا جو پہلے آیا تھا

اس نے معاویہ کو دیکھ کر کہا۔" یہ یقیناً مرجائیں گے۔ چنانچہ اسی رات کو ان کا انتقال ہوگیا۔

لوگوں نے طبیب مذکور سے پوچھا کہ تم نے کیونکر جانا کہ یہ مرجائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ امیرالمومنین سے روایت کی گئی ہے کہ معاویہ اس وقت تک نہ مریں گے جب تک ان کے گلے میں صلیب نہ لٹکائی جائے گی۔ چنانچہ جو تعویذ وہ پہنے ہوئے تھے اس پہ صلیب بنی ہوئی تھی اس لئے میں نے یقین کیا کہ وہ ضرور مرجائیں گے۔

محاضرات راغب اصفہانی)

معاویہ کی منقبت

معاویہ کی منقبت میں کوئی ایسی حدیث نہیں ہے کہ جو سند کے اعلیٰ معیار تک پہنچے۔ سنن ترمذی میں دو حدیثیں ہیں کہ جن میں معاویہ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعائیہ کلمات ہیں۔ ترمذی کے مطابق پہلی حدیث حسن ہے اور دوسری غریب۔ پہلی حدیث کے یہ الفاظ ہیں۔

"اے اللہ! معاویہ کو ہدایت دینے والا، ہدایت پانے والا اور ہدایت کا ذریعہ بنا۔"

دوسری حدیث:۔ اس طرح بیان کی گئی ہے کہ عمر بن خطاب نے عمیر بن سعد کو معزول کردیا۔ اور ان کی جگہ معاویہ کو گورنر بنادیا تو کچھ لوگوں نے چہ می گوئیاں کیں تو عمیر بن سعد نے کہا۔

"معاویہ کا صرف بھلائی کے ساتھ ذکر کرو۔ کیونکہ میں نے نبی کریم کو ان کے متعلق یہ دعا دیتے سنا ہے کہ "اے اللہ! اس کے ذریعہ ہدایت عطا فرما۔"

ان حدیثوں کا نہ تو سند کے اعتبار سے کوئی اعلیٰ معیار ہے اور نہ ان میں ایسی کوئی خاص بات ہے کہ جس سے معاویہ کی منقبت ظاہر ہوتی ہو۔ اگر رسول اللہ نے معاویہ کے لئے باقاعدہ دعا کی ہوتی تو مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق، نبی کی دعا تو قبول ہونا چاہئے تھی۔

مگر معاویہ کی پوری زندگی دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ وہ ہدایت یافتہ تھے یا ذریعہ ہدایت — وہ تو گمراہی کے امام تھے۔ انہوں نے زندگی بھر دھوکہ و فریب سے کام لے کر اپنی حکومت کو مستحکم کیا خلیفۃ المسلمین سے زیادہ کون ہدایت یافتہ اور ذریعہ ہدایت ہو سکتا ہے۔ لیکن صورتحال یہ ہے کہ خود سُنّی مسلمان بھی انہیں خلیفۂ راشد نہیں سمجھتے تو پھر جب وہ ہدایت یافتہ ہی نہیں تھے تو ذریعہ ہدایت کیسے بن سکتے ہیں۔ لہٰذا یہ حدیث عقلاً بھی قابلِ قبول نہیں ہو سکتی۔

اگر بفرضِ محال انہیں صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے تو پھر یہی ہو سکتا ہے کہ جیسے کسی بڑے آدمی کو دیکھ کر منہ سے نکل جاتا کہ "اللہ تجھے ہدایت دے" اور یہ دُعا نہیں ہوتی بلکہ ایک کلمہ ہے کہ جو محاورتاً منہ سے نکل جاتا ہے۔۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا پورا اندازہ تھا کہ بنو امیہ جنھوں نے مصلحتاً اسلام قبول کیا ہے ان کے بعد کیا گُل کھلائیں گے۔ آپ اپنے جگر گوشوں کے لئے بنی امیہ کی طرف سے دل میں بڑے خدشات رکھتے ہوں گے۔ اور آپ کو اس بات کا بھی اندازہ ہوگا کہ بنی امیہ کے سردار ابوسفیان کی اولاد میں یہی معاویہ فتنہ ثابت ہوگا۔

بخاری اور مسلم میں تو معاویہ کی منقبت میں سرے سے کوئی حدیث موجود ہی نہیں ہے بخاری میں محض تذکرہ ہے بخاری نے عنوان باب بھی "ذکر معاویہ رضی اللہ عنہ" قائم کیا ہے جب کہ دوسرے صحابہ کے معاملے میں عنوان باب مناقب قائم کیا گیا ہے۔

امام نسائی کے بارے میں تاریخ ابنِ خلکان میں ہے کہ آپ آخر عمر میں دمشق تشریف لے گئے۔ ان سے معاویہ کے فضائل کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ میں ان کے فضائل کیا بیان کروں مجھے تو ان کی طرف یہ فضیلت معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے کہا تھا کہ "خدا اس کے پیٹ کو کبھی نہ بھرے"

اہلِ دمشق نے امام نسائی کا بیان سُن کر ان کے خصیوں پر ضرب لگائی اور انہیں بری طرح روند ڈالا چنانچہ اسی سبب سے ان کی وفات ہوئی۔

یہ حدیث کہ جس کا ذکر امام نسائی نے کیا ہے اسے امام مسلم نے صحیح مسلم شریف میں درج کیا ہے ——— حدیث :-

" ابنِ عباس فرماتے ہیں میں ایک مرتبہ بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ میں دروازے کے پیچھے چھپ گیا۔ لیکن آپؐ نے مجھے دیکھ لیا۔ اور جہاں میں چھپا ہوا تھا وہاں آگئے اور مجھ سے فرمایا کہ معاویہ کو بلا لاؤ۔ ابنِ عباس کہتے ہیں کہ میں گیا اور واپس آکر بتایا کہ وہ کھانا کھا رہے ہیں، تھوڑی دیر کے بعد آپؐ نے پھر مجھے بھیجا اور میں نے واپس آکر کہا کہ وہ کھانا کھا رہے ہیں۔ اب کی بار رسول اللہؐ نے فرمایا "لا اشبع اللّٰہ بطنہ" "اللہ اس کا پیٹ نہ بھرے۔"

امام مسلم نے اس حدیث کو اس باب میں نقل کیا ہے کہ جس میں انہوں نے رسول اللہ کا یہ قول بیان کیا ہے۔

"اے اللہ! محمدؐ ایک بشر ہے اسے بعض دفعہ اسی طرح غصہ آتا ہے جس طرح دوسرے انسان کو آتا ہے اور میں نے تجھ سے عہد لیا ہوا ہے (اور تو عہد کے خلاف کبھی نہ کرتا) کہ جس مومن کو میں کوئی اذیت دوں یا برا بھلا کہوں، یا کوئی چیز ماروں تو ان چیزوں کو اس کے لئے کفارہ بنا دے اور قیامت کے دن اس چیز کو اس کے لئے اپنے تقرب کا ذریعہ بنا دے۔" (صحیح مسلم جلد ۲)

یہ روایت بنیادی طور سے غلط ہے جس رسول کے لئے قرآن صاف الفاظ میں کہہ رہا ہے کہ آپؐ اخلاق کے اعلیٰ ترین درجہ پر فائز ہیں وہ عام آدمی کی طرح (چاہے کبھی ہی سہی) غصہ میں آکر بے خطا کسی مومن کو برا بھلا کہے گا یا مارے گا۔؟

امام مسلم نے اس باب کا یہ عنوان قائم کیا ہے "جس پر حضورؐ لعنت کریں یا برا بھلا کہیں یا اس کے لئے بد دعا کریں اور وہ ان باتوں کا مستحق نہ ہو تو وہ بد دعا، لعنت وغیرہ گناہوں کی معافی اور اجر و رحمت کا سبب ہوتی ہے۔"

مندرجہ بالا حدیث اور اس قول کو اگر صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو بھی اس کا اطلاق معاویہ پر نہیں ہو سکتا کیونکہ بیشتر حدیث میں معتوب کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ مومن ہو اور معاویہ کا ایمان مومنین اور امیرالمومنین حضرت علیؑ کے نزدیک ظاہری تھا جیسا کہ آنجنابؑ کے خطوط اور خطبات سے صاف ظاہر ہے۔ اب رہا یہ قول کہ جس میں معتوب کے لئے

منتج لعنت و بددعا نہ ہونے کی شرط ہے تو اس کا بھی جائزہ لے لیجئے۔ یہ بات بالکل صاف ہو جائے گی۔

معاویہ کو اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے ان کے ماں باپ یا استاد بلاتے تو بھی ان کا فرض تھا کہ پہلی مرتبہ میں کھانا چھوڑ کر اٹھ آتے۔ نہ کہ رسول اللہ صلعم بلاتے ہیں اور وہ نہیں آتے۔ اللہ کا رسول بار بار پیغام بھیجتا ہے لیکن تعمیل نہیں ہوتی اسے صرف معاویہ کی بدتمیزی پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ اس سے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ رسول اللہ پر دل سے ایمان ہی نہیں لائے تھے۔ کیونکہ کسی مومن صادق کے لئے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ اپنے پیارے نبیؐ کو لمحہ بھر کے لئے بھی زحمت انتظار دے۔ چنانچہ معاویہ رسول اللہؐ کی بددعا کے مستحق تھے لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد فرمانا کہ "اللہ اس کا پیٹ کبھی نہ بھرے" دعا ان کے نہیں لگ سکتا۔ اگر اس کو بددعا بھی سمجھا جائے تو بھی اس امر میں تو کوئی کلام نہیں کہ معاویہ کی حکم عدولی اور بدتمیزی کے سبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر غضبناک ہوئے جبکہ تاریخ بتاتی ہے کہ معاویہ زندگی بھر انتہائی بسیار خوری کے مرض میں مبتلا رہے۔ مؤرخ ابن اثیر لکھتا ہے کہ معاویہ نے دنیا اور آخرت میں اس دعا سے فائدہ اٹھایا۔ دنیا میں اسطرح کہ جب آپ امیر شام ہو گئے تو آپ دن میں سات بار کھانا کھاتے تھے۔ جسے ایک پیالہ میں لایا جاتا تھا جس میں بہت سا گوشت اور پیاز ہوتی تھی اور حلوہ اور بہت سے پھل بھی کھاتے تھے اور کہتے تھے خدا کی قسم میں سیر نہیں ہوا۔ البتہ تھک گیا ہوں۔ یہ ایک نعمت معدہ ہے جس میں سب بادشاہ رغبت رکھتے ہیں۔ اور آخرت میں اسطرح فائدہ اٹھایا کہ مسلم نے اس حدیث کا ایک اور حدیث سے پیچھا کیا ہے جسے بخاری نے کئی طریق سے صحابہ کی ایک جماعت سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اے اللہ! میں ایک بشر ہوں پس جس بندہ کو میں نے برا بھلا کہا یا اسے کوڑے مارے یا اس پر بددعا کی اور وہ اس کا مستحق نہ تھا تو تو اسے کفارہ اور اپنی قربت کا ذریعہ بنائے۔" پس مسلم نے پہلی حدیث اور اس حدیث سے معاویہ کی فضیلت بیان کی ہے اور اس کے علاوہ انہوں نے کوئی فضیلت بیان نہیں کی۔

(تاریخ ابن کثیر حصہ ہشتم عنوان "معاویہ کے فضائل ومناقب")

معاویہ کے فضائل کے سلسلہ میں حدیث کی کیفیت واضح ہوگئی کہ ترمذی نے صرف ۲ حدیثیں بیان کی ہیں ایک حسن اور ایک غریب، بخاری نے سرے سے فضائل کا کوئی باب ہی قائم نہیں کیا۔ مسلم نے ایک حدیث پیش کی تو اسے منقبت کے بجائے منقصت کہا جائے گا لیکن حامیانِ بنوامیہ نے موضوع حدیثوں اور اقوالِ صحابہ کی اچھی خاصی تعداد جمع کر دی ہے جو کہ اپنے نفسِ مضمون ہی سے مضحکہ خیز اور من گھڑت معلوم ہوتی ہے ملاحظہ فرمائیے:

مسیب بن واضح عن ابی اسحق الفزاری عن عبدالمالک بن ابی سلیمان عن عطاء بن ابی رباح عن

ابنِ عباس نے بیان کیا ہے کہ حضرت جبرئیلؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آئے اور کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) معاویہ کو سلام کہیئے۔ اور انہیں بھلائی کی وصیت کیجئے۔ بلاشبہ وہ کتاب اور وحی پر اللہ کے امین ہیں اور بہت اچھے امین ہیں۔ پھر ابنِ عساکر نے اسے ایک اور طریق سے بحوالہ عبدالملک بن ابی سلیمان بیان کیا ہے۔ پھر اسے حضرت علیؑ اور جابر بن عبداللہ کی روایت سے اسطرح بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاویہ کو اپنا کاتب بنانے کیلئے حضرت جبرئیل سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا انہیں کاتب بنا لیجئے۔ بلاشبہ وہ امین ہیں۔ لیکن ان دونوں کی طرف اسانید میں غرابت پائی جاتی ہے پھر ابنِ عساکر نے حضرت علیؑ اور دیگر لوگوں سے اس بارے میں بہت سے غرائب بیان کئے ہیں

(تاریخ ابنِ کثیر)

ابوہریرہؓ، انسؓ، اور واثلہ بن الاسقع کے طریق مرفوعاً بیان کیا ہے کہ امین تین ہیں جبرئیلؑ، میں اور معاویہ ـــــ اور یہ اپنے جمیع وجوہ سے صحیح نہیں اور حضرت ابنِ عباس کی روایت میں ہے کہ امین سات ہیں قلم، لوح، اسرافیلؑ، میکائیلؑ، جبرئیلؑ، میں اور معاویہ ـــــ اور یہ پہلی حدیث سے بھی زیادہ منکر اور اسناد کے لحاظ سے ضعیف ہے۔ (ایضاً)

ابنِ عساکر نے اپنی اسناد سے بحوالہ نعیم بن حماد روایت کی ہے کہ محمد بن حرث نے بحوالہ ابوبکر بن ابی مریم بیان کیا کہ محمد بن زیاد نے بحوالہ عوف بن مالک اشجعی ہم سے بیان کیا۔ وہ بیان کرتا ہے کہ میں یوحنا کے کلیسا میں سویا ہوا تھا۔ ان دنوں وہ مسجد تھا اور اس میں نماز پڑھی جاتی تھی ۔۔۔ کہ اچانک میں اپنی نیند سے بیدار ہو گیا کہ دیکھتا ہوں کہ میرے آگے ایک شیر چل رہا ہے میں اپنے ہتھیار کی طرف لپکا تو شیر نے کہا ٹھہر جا! مجھے تیری طرف ایک پیغام دیکر بھیجا گیا ہے تاکہ تو اسے پہنچا دے۔ میں نے پوچھا تجھے کس نے بھیجا ہے؟ اسنے کہا مجھے اللہ تعالیٰ نے تیری طرف بھیجا ہے تاکہ تو حضرت معاویہ تک سلام پہنچا دے اور انہیں بتا دے کہ وہ اہلِ جنت میں سے ہیں. میں نے اس سے کہا کہ معاویہ کون ہیں؟ اس نے کہا معاویہ بن ابی سفیان۔ (تاریخ ابن کثیر)

بعض سلف نے بیان کیا ہے کہ میں شام میں ایک پہاڑ پر تھا کہ اچانک میں نے ہاتف کو کہتے سنا کہ جس نے حضرت صدیق سے بغض رکھا وہ زندیق ہے، جس نے حضرت عمر سے بغض رکھا اسے جہنم کی طرف گروہ کی صورت میں لایا جائے گا۔ اور جس نے حضرت عثمان سے بغض رکھا اس کا مدِّمقابل رحمٰن ہوگا۔ اور جس نے حضرت علیؑ سے بغض رکھا اسکے مدِّمقابل حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہونگے اور جس نے حضرت معاویہ سے بغض رکھا اسے سپاہی بھڑکتے جہنم کی طرف گھسیٹ کر لے جائیں گے۔ اور اسے بھڑکتے ہاویہ میں پھینک دینگے۔

اور بعض نے بیان کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپکے پاس ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ اور معاویہ بھی تھے۔ اچانک ایک شخص آ گیا۔ عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ یہ ہماری عیب گیری کرتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ڈانٹا تو اس نے کہا یا رسول اللہؐ میں ان کی عیب گیری نہیں کرتا۔ بلکہ میں اس ۔۔۔ یعنی معاویہ ۔۔۔ کی عیب گیری کرتا ہوں۔ آپ نے کہا تو ہلاک ہو گیا یہ میرا صحابی نہیں، آپ نے یہ بات تین بار کہی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نیزہ لیا اور اسے حضرت معاویہ کو دیا اور فرمایا اسے اسکے سینے میں گھسیڑ دو۔ اس نے اس نیزے سے مارا۔ میں بیدار ہو کر صبح سویرے اپنے گھر کی طرف گیا کہ دیکھتا ہوں کہ اس شخص کو حلق کا درد ہوا اور

وہ مرگیا اور وہ راشد کندی تھا (ایضاً)

ہشام بن عمار نے بحوالہ یونس بن میسرہ بن حلبس بیان کیا ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت معاویہ کو دمشق کے بازار میں دیکھا، آپ نے اپنے پیچھے ایک خادم کو بٹھائے ہوئے تھے اور آپ کی قمیض کے گریبان کو پیوند لگے ہوئے تھے۔ اور آپ دمشق کے بازاروں میں چل پھر رہے تھے (ایضاً)

آپ کو سرکارِ دو عالم سے گہرا تعلق اور عشق تھا، ایک مرتبہ آپ کو پتہ چلا کہ بصرہ میں ایک شخص ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت مشابہت رکھتا تھا۔ آپ نے وہاں کے گورنر کو خط لکھا کہ تم فوراً اُسے عزت و اکرام کے ساتھ یہاں روانہ کردو، چنانچہ اسے عزت و اکرام کے ساتھ لایا گیا، آپ نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا۔ اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ اور اس کو انعامات و خلعت سے نوازا۔

(معاویہ اور تاریخی حقائق از تقی عثمانی باب سوم)

ملاحظہ فرمائیے یہ حماقت کے پلندے!

کسی صاحب کو شیر نظر آتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس شیر کے ذریعہ معاویہ کو سلام کہلواتا ہے۔ اللہ اللہ! کہاں معاویہ اور کہاں یہ منزلت! کسی کو ہاتف کی آواز سنائی دیتی ہے کہ معاویہ سے بغض رکھنے والے کو فرشتے جہنم کی طرف گھسیٹ کر لے جائیں گے۔ اور علیؑ سے بغض رکھنے والے کے مدمقابل رسول اللہ صلعم ہوں گے۔ مگر ہم پوچھتے ہیں کہ خود اُن دونوں کے درمیان کیا تھا؟ محبت یا عداوت! کیا اس بھونڈی کوشش کے ذریعہ معاویہ کے بغضِ علیؑ کو چھپایا جا سکتا ہے جو کہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔

کسی کو خواب میں یہ نظر آتا ہے کہ رسول اللہ کے حکم سے معاویہ اپنے دشمن کو نیزہ مار رہے ہیں اور نیزہ مارا خواب میں اور راشد کندی حقیقت میں مرگیا۔ اس لئے کہ وہ معاویہ سے بغض رکھتا تھا۔

ایک صاحب کو دمشق کے بازار میں معاویہ کے گریبان میں پیوند نظر آجاتا ہے۔

آج معاویہ کا ملتبے والا لکھتا ہے کہ دیکھئے! وہ کتنی سادگی اختیار کئے ہوئے تھے۔ حالانکہ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ یہ بات ان کی زندگی سے ذرا سی بھی مطابقت نہیں رکھتی۔ اس امر پر خود ان کی ساری زندگی گواہ ہے۔ حشم و خدم، محلات و دربان، خزانہ سب ہی کچھ تھا اس غاصب بادشاہ کے پاس اور یہ وہ تاریخی حقائق ہیں کہ جنہیں آج تک کسی نے نہیں جھٹلایا، لیکن چونکہ اسکے مدمقابل حقیقی جانشین رسول علیؑ ابن ابیطالبؑ تھے کہ جن کا فقر و استغنا، زبان زد عام تھا۔ لہٰذا مسلمانوں کے کسریٰ (قول عمرؓ کے مطابق) کی قمیض پر ان بے وقوفوں نے پیوند لگانا ضروری سمجھا۔

اب آخری روایت پر غور کیجئے اور سر دھنئے کہ عشق رسولؐ کا یہ عالم تھا کہ معاویہ کو کسی بدّو میں رسول اللہؐ کی مشابہت کی اطلاع ملی تو لیے چین ہوگئے اسے خط لکھ کر بلوایا اور اسکے احترام میں کھڑے ہوگئے اسے مال و زر دیا۔ لیکن رسولؐ کی اولاد کا ہمیشہ گلا کاٹا۔ گود کے پلے سے جنگ کی۔ آپکے بڑے فرزند حسن مجتبیٰؑ کو جو رسول اللہؐ سے مشابہت بھی رکھتے تھے لیکن انہیں زہر دغا سے شہید کیا، تاکہ ان کے فاسق فرزند کیلئے خلافت کی راہ ہموار ہوسکے۔

یہ تو چند مثالیں تھیں ورنہ زندگی کا کون سا شعبہ ہے کہ جس میں معاویہ کو فضیلتوں کے اعلیٰ مدارج تک نہ پہنچایا گیا ہو۔ ہمیں صرف ان فضیلتوں سے انکار ہے کہ جن کا تعلق دین سے یا اعلیٰ انسانی اقدار سے ہے۔ چنانچہ ہمیں ان کے سیاسی تدبر، حلم و بردباری اور سخاوت سے انکار نہیں ہے۔ لیکن یہ تینوں صفتیں بھی اعلیٰ انسانی اقدار کے لئے نہیں تھیں۔ یہ صرف اپنی ناجائز حکومت کو محفوظ اور مستحکم کرنے کی خاطر تھیں۔ جیسا کہ خود انکے اعترافات سے ثابت ہے۔ ملاحظہ ہو۔

معاویہ امام حسن علیہ السلام کے ساتھ صلح کے بعد مدینہ آئے، مسجد نبوی میں جاکر منبر سے جو خطبہ دیا اسکے چند فقرے یہ ہیں:

"خدا کی قسم جب سے میں نے تمہاری امارت سنبھالی ہے اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم میری حکومت سے خوش نہیں ہو اور نہ اسے پسند کرتے ہو اور اس کے متعلق جو کچھ

تمہارے دلوں میں ہے میں اسے بھی جانتا ہوں۔ لیکن میں نے تمہیں اپنی تلوار سے جلد ہی آلیا......... میں نے اپنے نفس کو اپنے راستے پر چلایا ہے جس میں منفعت ہے اور تمہارے لئے اس میں اسی قسم کی منفعت ہے۔ اور اس میں ہر ایک کے لئے جب تک سیرت مستقیم اور اچھی اطاعت ہے' کھانے پینے کا اچھا سامان ہے...... اگر تم مجھے اپنے سارے حق کا پاسبان نہیں پاتے تو اس کے بعض سے مجھ سے راضی ہو جاؤ۔"

مدینہ آنیکے بعد معاویہ عائشہ بنت عثمان کے گھر بھی گئے آپنے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

اے میری بھتیجی! لوگوں نے ہمیں ہماری بادشاہی دیدی ہے۔ ہم نے ان کے لئے وہ حلم ظاہر کیا جس کے نیچے غضب ہے۔ اور انہوں نے ہمارے لئے اس اطاعت کا اظہار کیا جس کے نیچے کینہ ہے۔ پس ہم نے اسکے بدلے اُن سے سودا کیا ہے اور انہوں نے اس کا اسکے بدلے ہمارے ساتھ سودا کیا ہے پس اگر ہم نے انہیں وہ چیز دی جو انہوں نے ہم سے نہیں خریدی تو وہ ہمارا حق دینے میں بخل کریں گے۔ اور ہم ان کے حق کا انکار کرنے والے ہوں گے۔ (تاریخ ابن کثیر ہشتم' مناقب معاویہ)

ایک شخص نے معاویہ سے زبان درازی کی اور پھر اس میں بھی زیادتی کی۔ کسی نے کہا انہیں بھی آپ حلم سے کام لیتے ہیں۔ معاویہ نے کہا میں اس وقت تک لوگوں کی زبان نہیں روکتا جب تک وہ میری بادشاہی میں رکاوٹ نہ ڈالیں۔"

(طبری ۶۰ھ ' ابن الاثیر ۶۰ھ - اقوال و افعال معاویہ)

جہاں میرا اپنے کوڑے سے کام چل جاتا ہے وہاں میں اپنی تلوار استعمال نہیں کرتا اور جہاں میری زبان کام دیتی ہے وہاں میں اپنے کوڑے کو کام میں نہیں لاتا۔ اگر میرے اور لوگوں کے درمیان بال برابر بھی تعلق قائم ہو تو میں اُسے ٹوٹنے نہیں دیتا۔ جب لوگ اسے کھینچتے ہیں تو میں ڈھیل دے دیتا ہوں اور جب وہ ڈھیل دیتے ہیں تو میں کھینچ لیتا ہوں (یعقوبی جلد ۲)

معاویہ کو اچھی طرح معلوم تھا کہ اہل حجاز انہیں بھی اچھی طرح جانتے ہیں اور ان کے اسلام کو بھی، لیکن انہوں نے مجبوری کی اطاعت قبول کی ہے صرف یہی اہل لڑنے تھے اور انہی کو شوریٰ کا اختیار حاصل تھا لیکن معاویہ اہل شام اور بنو امیہ کی مدد سے بزور شمشیر

مہاجرین و انصار پر مسلط ہو گئے تھے...... مسجدِ نبویؐ کی تقریر اور عائشہ بنت عثمان سے گفتگو میں معاویہ نے سب کچھ عیاں کر دیا۔ ان کی یہ گفتگو خود ان کے اور اہلِ مدینہ کے جذبات کی بھرپور ترجمانی کرتی ہے۔ آپ نے دیکھ لیا کہ ان کے مشہورِ زمانہ حلم و بردباری کے نیچے اہلِ مدینہ کے لئے نفرت اور غصہ کے جذبات موجزن تھے...... جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ ان کا یہ حلم و بردباری اعلیٰ انسانی اقدار کی خاطر نہ تھا بلکہ صرف حکومت کے استحکام کے لئے تھا۔ آپ صاف صاف اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ میں اس وقت تک لوگوں کی زبان نہیں روکتا جب تک کہ وہ میری بادشاہی میں رکاوٹ نہ ڈالیں۔

ان کے جود و سخا کا بھی یہی عالم تھا کہ وہ اس سے مخالفین کے جذبات کو ٹھنڈا کرتے تھے لوگوں کے نفسوں کو خریدتے تھے' ان کے دین و ایمان کا سودا کرتے تھے۔ اور پھر جس کو جی چاہتا بے حساب عطا کرتے...... یہ سب مطلق العنان بادشاہوں کے انداز ہیں۔ معاویہ کی سخاوت کو ایک انسانی خوبی صرف اس وقت تصور کیا جا سکتا تھا کہ وہ اپنی جیبِ خاص سے یہ سخاوت دکھاتے۔ یہ سخاوت تو اس بات کا ایک اور کھلا ثبوت ہے کہ انہوں نے بیت المال کو اپنا ذاتی خزانہ سمجھ لیا تھا۔ ورنہ خلیفہ کے لئے تو یہ لازم ہے کہ وہ اپنے حقیقی بھائی کو بھی اس کے حق سے زیادہ نہ دیتے۔ جیسا کہ حضرت علیؑ نے عقیل بن ابی طالبؓ کے ساتھ کیا۔

غرضکہ معاویہ کی سیاست و تدبر' حلم و بردباری اور جود و سخا کی صفات سب انکی بادشاہت کے استحکام کے لئے تھیں نہ کہ اسلام اور انسانی اقدار کی خاطر۔ نہ تو ان کے عمل سے کبھی یہ ظاہر ہوا نہ ہی ان کے کسی قول سے۔ تاریخ گواہ ہے کہ انہوں نے اپنی ان صفات کو آشکار کرتے وقت کبھی اسلامی حوالے سے بات نہیں کی۔

معاویہ کے لئے ان روایات کو گھڑنے کی کیوں ضرورت پیش آئی۔ اس کا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ علیؑ کے دشمنوں کو علیؑ میں ڈھونڈنے سے بھی کوئی برائی نظر نہ آئی تو انہوں نے علیؑ کے سب سے گھٹیا سیاسی حریف کے بارے میں اس قسم کی روائتیں گھڑنا شروع کر دیں کہ جیسی حضرت علیؑ کی شان میں تھیں' لیکن ان بیوقوفوں نے یہ نہ سوچا کہ اسطرح کی روایات معاویہ کی عملی زندگی سے عدم مطابقت کی بنا پر کتنی مضحکہ خیز ہو جائیں گی۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور معاویہ

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اپنی کتاب خلافت و ملوکیت کے چوتھے باب میں خلافتِ راشدہ سے ملوکیت تک کے سفر کی مرحلہ وار کیفیت بیان کرنے کے بعد آخری پیراگراف میں فرماتے ہیں۔

"اس طرح خلافتِ راشدہ کے نظام کا آخری اور قطعی طور پر خاتمہ ہو گیا۔ خلافت کی جگہ شاہی خانوادے نے لے لی۔ اور مسلمانوں کو اس کے بعد سے آج تک پھر اپنی مرضی کی خلافت نصیب نہ ہو سکی۔ حضرتِ معاویہ کے محامد و مناقب اپنی جگہ پر، ان کا شرفِ صحابیت بھی واجب الاحترام ہے انکی یہ خدمت بھی ناقابلِ انکار ہے کہ انہوں نے پھر سے دنیائے اسلام کو ایک جھنڈے تلے جمع کیا۔ اور دنیا میں اسلام کے غلبہ کا دائرہ پہلے سے زیادہ وسیع کر دیا۔ ان پر جو شخص لعن طعن کرتا ہے وہ بلاشبہ زیادتی کرتا ہے لیکن ان کے غلط کام کو تو غلط کہنا ہی ہو گا۔ اسے صحیح کہنے کے معنی یہ ہونگے کہ ہم اپنے صحیح و غلط کے معیار کو خطرے میں ڈال رہے ہیں۔" (خلافت و ملوکیت)

یہ شرفِ صحابیت تو بیچارے اہلسنّت کے لئے وبال بن گیا ہے۔ نہ اگلتے بن پڑتا ہے نہ نگلتے ... ایک شعر ملاحظہ ہو کہ

اس بزم سامری میں جہالت کا ذکر کیا — خود علم کے حواس بھی رہتے نہیں بجا

بڑے بڑے علما بھی اس سحر سے نہیں نکل سکے۔ ایک طرف تو اپنے علم و دانش کے سبب غلط کو غلط کہنے پر مجبور، اور دوسری طرف اس نام نہاد شرفِ صحابیت کی لیپا پوتی پر مجبور ـــ معاویہ کو مصری شیرہ بھی بنا دیا اور پھر بھی ان کا شرفِ صحابیت واجب الاحترام! ـــ ان کے محامد و مناقب اپنی جگہ پر!

ذرا ایک نظر معاویہ کی ہسٹری شیٹ ملاحظہ ہو۔ یہ وہ ہسٹری شیٹ ہے کہ جسے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنی کتاب "خلافت و ملوکیت" میں بڑی شدت کے ساتھ تحریر کیا ہے۔

بدعت کا الزام

پہلی بدعت — رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم اور چاروں خلفاء کے زمانہ میں سنت یہ تھی کہ نہ کافر مسلمان کا وارث ہو سکتا تھا نہ مسلمان کافر کا۔ معاویہ نے اپنے زمانۂ حکومت میں مسلمانوں کو کافر کا وارث قرار دیا اور کافر کو مسلمانوں کا وارث قرار نہ دیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے آکر اس بدعت کو ختم کیا

(خلافت و ملوکیت ص ۱۷۳)

دوسری بدعت — دیت کے معاملے میں بھی معاویہ نے سنت کو بدل دیا۔ سنت یہ تھی کہ معاہد کی دیت مسلمان کے برابر ہوتی تھی۔ مگر معاویہ نے اسے نصف کر دیا اور باقی خود لینا شروع کر دیا۔ (ایضاً ص ۱۷۳، ۱۷۴)

تیسری بدعت — مالِ غنیمت کی تقسیم کے معاملے میں بھی حضرت معاویہ نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے احکام کی صریح خلاف ورزی کی۔ کتاب و سنت کی رو سے پورے مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال میں داخل ہونا چاہیئے اور باقی چار حصے اس فوج میں تقسیم ہونے چاہئیں جو لڑائی میں شریک ہوئی ہو۔ لیکن معاویہ نے حکم دیا کہ مالِ غنیمت میں سے سونا چاندی ان کے لئے الگ نکال دیا جائے۔ پھر باقی مال شرعی قاعدے کے مطابق تقسیم کیا جائے۔ (ایضاً ۱۷۴)

ان بدعتوں کے علاوہ چند اور انتہائی سنگین الزامات

حضرت علیؑ پر سب و شتم — معاویہ خود اور ان کے حکم سے ان کے تمام گورنر خطبوں میں برسرِ منبر حضرت علیؑ پر سب و شتم کی بوچھاڑ کرتے تھے حتیٰ کہ مسجد نبوی میں

منبر رسولؐ پر عین روضۂ نبویؐ کے سامنے حضورؐ کے محبوب ترین عزیز کو گالیاں دی جاتیں اور ان کے قریب ترین رشتہ دار اپنے کانوں سے یہ گالیاں سنتے تھے۔ کسی کے مرنے کے بعد اس کو گالیاں دینا شریعت تو درکنار، انسانی اخلاق کے بھی خلاف ہے اور خاص طور پر جمعہ کے خطبہ کو اس گندگی سے آلودہ کرنا تو دین اور اخلاق کے لحاظ سے سخت گھناؤنا فعل تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے آکر اپنے خاندان کی دوسری غلط روایات کی طرح اس روایت کو بھی بدلا اور خطبہ جمعہ میں سبِ علیؓ کی جگہ یہ آیت پڑھنی شروع کی

ان اللّٰہ یامر بالعدل والاحسان ....الخ

(ایضاً ص ۱۷۴)

استلحاق زیاد —— زیاد بن سمیہ کا استلحاق بھی ان کے افعال میں سے ہے جن میں انہوں نے سیاسی اغراض کے لئے شریعت کے ایک مسلّم قاعدے کی خلاف ورزی کی تھی ...... معاویہ نے زیاد کو اپنا حامی و مددگار بنانے کے لئے اپنے والد ماجد کی زناکاری پر شہادتیں لیں اور اس کا ثبوت بہم پہنچایا کہ زیاد انہیں کا ولد الحرام ہے پھر اسی بنیاد پر اسے اپنا بھائی اور اپنے خاندان کا فرد قرار دے دیا۔ یہ فعل اخلاقی حیثیت سے جیسا کچھ مکروہ ہے وہ تو ظاہر ہی ہے مگر قانونی حیثیت سے بھی یہ ایک صریحاً ناجائز فعل تھا کیونکہ شریعت میں کوئی نسب زنا سے ثابت نہیں ہوتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف حکم موجود ہے کہ بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا۔ اور زانی کے لئے کنکر پتھر ہیں۔" ام المومنین حضرت امّ حبیبہؓ نے اسی وجہ سے اسے اپنا بھائی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اور پردہ فرمایا (ایضاً ص ۱۷۵)

گورنروں کی زیادتیاں

حضرت معاویہ نے اپنے گورنروں کو قانون سے بالاتر قرار دیا۔ اور ان کی زیادتیوں پر شرعی احکام کے مطابق کارروائی کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

(ایضاً ص ۱۷۵)

آزادی اظہارِ رائے کا خاتمہ ـــــ دو یلوکیت میں ضمیروں پر قفل چڑھا دیئے گئے اور زبانیں بند کردی گئیں اب قاعدہ یہ ہوگیا کہ منہ کھولو تو تعریف کے لئے کھولو، ورنہ چپ رہو۔ اور اگر تمہارا ضمیر ایسا زوردار ہے کہ تم حق گوئی سے باز نہیں رہ سکتے تو قید اور قتل اور کوڑوں کی مار کیلئے تیار ہو جاؤ چنانچہ جو لوگ بھی اس دور میں حق بولنے اور غلط کار روائیوں پر ٹوکنے سے باز نہ آئے ان کو بدترین سزائیں دی گئیں تاکہ پوری قوم دہشت زدہ ہو جائے۔ (ایضاً ۱۶۳)

حجر بن عدی کا قتل ـــــ اس نئی پالیسی کی ابتدا، حضرت معاویہ کے زمانہ میں حضرت حجر بن عدی کے قتل (۵۱ھ) سے ہوئی جو ایک زاہد و عابد صحابی اور صلحائے امت میں ایک اونچے مرتبے کے شخص تھے ..... جب زیاد کی گورنری میں بصرہ کے ساتھ کوفہ بھی شامل ہوگیا تو اس کے اور ان کے درمیان کشمکش برپا ہوگئی وہ خطبہ میں حضرت علیؓ کو گالیاں دیتا۔ اور یہ اٹھ کر اس کا جواب دینے لگتے تھے۔ اسی دوران میں ایک مرتبہ انہوں نے نماز جمعہ میں تاخیر پر اسے ٹوکا۔ آخر کار اس نے انہیں اور ان کے بارہ ساتھیوں کو گرفتار کرلیا..... اس طرح یہ ملزم حضرت معاویہ کے پاس بھیج دیئے گئے اور انہوں نے ان کے قتل کا حکم دے دیا۔ قتل سے پہلے جلادوں نے ان کے سامنے جو بات پیش کی وہ یہ تھی کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ اگر تم علیؓ سے برأت کا اظہار کرو اور ان پر لعنت بھیجو تو تمہیں چھوڑ دیا جائے گا ان لوگوں نے یہ بات ماننے سے انکار کردیا اور حجرؓ نے کہا میں زبان سے وہ بات نہیں نکال سکتا جو رب کو ناراض کرے۔ آخر کار وہ اور ان کے (سات) ساتھی قتل کر دیئے گئے۔ ان میں سے ایک صاحب عبدالرحمٰن بن حسان کو حضرت معاویہ نے زیاد کے پاس واپس بھیج دیا۔ اور اس کو لکھا کہ انہیں بدترین طریقے سے قتل کرو، چنانچہ اس نے انہیں زندہ دفن کرادیا (ایضاً ص ۱۶۴، ۱۶۵)

یزید کی ولی عہدی ـــــ یزید کی ولی عہدی کے لئے ابتدائی تحریک کسی صحیح جذبہ کی بنیاد پر نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ ایک بزرگ (حضرت مغیرہ بن شعبہ) نے اپنے ذاتی مفاد کے لئے دوسرے بزرگ (حضرت معاویہ) کے ذاتی مفاد سے اپیل کر کے اس تجویز

کو جنم دیا اور دونوں صاحبوں نے اس بات سے قطع نظر کرلیا کہ وہ اس طرح امت محمدیہ کو کس راہ پہ ڈال رہے ہیں (ایضاً ۱۵۰)

معاویہ کی اس سہری سنیٹ پر دیوبندی حضرات نے ٹیپی لے دے کی خصوصاً مولانا تقی عثمانی (جسٹس شریعت کورٹ) نے اپنے رسالہ "البلاغ" میں ایک ایک الزام کو رد کرنے کی کوشش کی، پھر اسکے جواب میں ملک غلام علی صاحب نے (جسٹس شریعت کورٹ) نے زبردست بحث کی۔ اور یہ سلسلہ مدتوں چلا۔ یہ پوری بحث کتابی شکل میں شائع ہو چکی ہے۔ ملک صاحب نے اپنی بحث میں معاویہ کے خلاف مولانا مودودی صاحب کے ایک ایک الزام کو درست ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور وہ یقیناً اس میں کامیاب ہوئے۔

معاویہ پہ مولانا مودودی کے الزامات کی تفصیل پڑھنے کے بعد ہر شخص یہی کہے گا کہ وہ خائن، مکار، فریبی، جھوٹے، جھوٹی گواہی قبول کرنے والے، بے غیرت، ظالم، بدعتی، قاتل، امام برحق کے خلاف تلوار کھینچنے والے، امام برحق اور رسول اللہ کے داماد اور بھائی پر مسجد میں برسر منبر تبرہ کرنے اور کروانے والے اور دین میں بگاڑ پیدا کرنے والے شخص تھے۔

اب ذرا ملاحظہ فرمایئے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی وہ عبارت (کہ جسے ہم دیر درج کر آتے ہیں) ایک مرتبہ پھر پڑھیئے کہ اس میں لکھا ہے کہ معاویہ کے محامد و مناقب اپنی جگہ ہیں ان کا شرف صحابیت بھی واجب الاحترام ــــ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا اتنی طویل چارج سنیٹ (کہ جس نے معاویہ کو انتہائے فسق کے درجہ پہ پہنچا دیا ہے) کے بعد بھی کچھ محامد و مناقب باقی رہ جاتے ہیں کہ جن کا حوالہ مولانا موصوف نے دیا ہے ۔ ویسے تو بُرے سے بُرے آدمی سے بھی کبھی کبھار کچھ ایسی باتیں ظاہر ہو جاتی ہیں لیکن اس کی ذات کے لئے محامد و مناقب جیسی باعث توقیر لفظیں تو استعمال نہیں کی جاتیں۔ اور یہ معاویہ کا "شرف صحابیت" کہ جو مودودی صاحب کے لئے واجب الاحترام ہے ۔ معلوم نہیں ہے کیا بلا کہ جس میں مولانا جیسے بڑے لوگ بھی گرفتار ہوئے ۔ "شرف صحابیت" تو اس لئے

قابلِ احترام ہے کہ وہ ایک صحابی کو ان اوصافِ حمیدہ سے نوازتا ہے کہ جو صحبتِ پیغمبر کا ثمرہ ہوتے ہیں۔ صحابی کہلانے کا مستحق تو وہی شخص ہے کہ جس میں پیغمبرؐ کے اوصافِ حسنہ کی جھلک ہو۔ اور اگر کسی صحابی میں رسولؐ کے اخلاق کی سرے سے کوئی جھلک ہی نہ ہو تو وہ سرے سے واجب الاحترام بھی نہ ہوگا اور اگر کسی شخص کی زندگی سے ایسے اعمال کا ظہور ہوتا ہے کہ جو اسے انتہائے فسق تک پہنچادے تو یقیناً یہ شرف کسی درجہ میں بھی واجب الاحترام نہ ہوگا۔ بلکہ قابلِ لعنت ہوگا۔

مولانا مودودی نے معاویہ کے شرفِ صحابیت کے علاوہ دو ناقابلِ انکار خدمات کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ ایک خدمت یہ بتائی ہے کہ انہوں نے دوبارہ عالمِ اسلام کو ایک جھنڈے تلے جمع کردیا۔ اور دوسری خدمت یہ کہ انہوں نے فتوحات کے دائرے کو وسیع کیا۔ جہاں تک پہلی خدمت کا تعلق ہے تو اس کا سہرا جنابِ امام حسن مجتبیٰؑ کے سر ہے کہ وہ جنگ سے کنارہ کش ہوگئے۔ جب امام حسنؑ رضاکارانہ طور پر دستبردار ہوگئے تو پھر باقی کیا رہ گیا کہ جس کے لئے معاویہ نے کوشش کی۔ اور اسکے نتیجے میں مسلمان ایک جھنڈے تلے جمع ہوئے۔

مولانا مودودی معاویہ کی فتوحات کے سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں کہ انہوں نے دنیا میں اسلام کے غلبہ کا دائرہ اور وسیع کردیا۔" اگر مولانا اسلام کے بجائے مسلمان لکھتے تو بات صحیح ہوتی کیونکہ اسلام کا غلبہ تو حدودِ عرب میں بھی باقی نہیں رہا تھا۔ اب تو ملوکیت کا غلبہ تھا ـــــ اور یہ بات تو مولانا موصوف نے خود ہی ثابت کی ہے۔

جہاد تو مثل دوسری عبادتوں کے ایک عبادت ہے۔ اس کے لئے بھی دوسری عبادتوں کی طرح نیت کا صحیح ہونا پہلی شرط ہے۔ معاویہ تو ملوکیت کے نمائندہ تھے۔ انہوں نے تو بیت المال کو ذاتی خزانہ سمجھ لیا تھا۔ (خود مولانا مودودی کے بقول) تو پھر فیصلہ کیجئے کہ ان کی نیت کیا تھی؟ اسلام کا غلبہ یا اپنے خزانے کا بھرنا۔

مولانا ملک غلام علی صاحب نے مودودی صاحب کی تیار کی ہوئی معاویہ کی ہسٹری شیٹ کی بھرپور تائید کی ہے جو کہ کتابی شکل میں "خلافت وملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ" کے نام سے کئی بار شائع

ہو چکی ہے۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے بھی مودودی صاحب کی طرح اپنی اس کتاب کے آخر میں معاویہ کے اعمالِ حسنہ کا کچھ ذکر کیا ہے یہ تقریباً وہی کچھ ہے کہ جو مولانا مودودی نے لکھا ہے۔ لیکن اپنی کتاب کا اختتام ملک صاحب نے خاصے دلچسپ انداز میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

بہرحال میری گذارش کا مقصد یہ ہے کہ امیر معاویہ کے بعض اعمال مثلاً آپ کا حضرت علیؓ کے خلاف جنگ کرنا، یزید کو ولی عہد بنانا، حضرت حجر کو قتل کرنا یہ ایسے کام ہیں کہ جن کے بارے میں امت کا یہ اجماعی موقف نہیں ہے کہ یہ اجتہاد کے دائرے میں داخل ہیں جس پر شارع نے دنیا و آخرت میں اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے بلکہ اسکے بجائے صحیح تر موقف یہ ہے کہ امیر معاویہ قبل از وفات اپنے ان افعال پر تائب و نادم ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا ہے۔ اس لئے انشاء اللہ آخرت میں ان سے مواخذہ نہ ہوگا اور انھیں وہی درجات و مراتب حاصل ہونگے جو ان کے دوسرے اعمالِ حسنہ کا ثمرہ ہیں۔ (خلافت و ملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ)

اس تحریر کا سب سے دلچسپ جملہ یہ ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے انھیں معاف فرما دیا ہے اسلئے انشاء اللہ ان سے مواخذہ نہ ہوگا"۔ لیکن ملک صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے معاف کر دینے کی اطلاع ان تک کیسے پہنچی۔ اگر یہ بات قیاساً کہی گئی ہوتی تو پھر ہم ملک صاحب کی خدمت میں یہ عرض کرتے کہ یہ بات تصورِ عدل کے خلاف ہے کہ قتل کئے جائیں حجرؓ اور انکے اصحاب اور قاتل کو معاف کرے اللہ تعالیٰ۔ اب ہم جناب حسن بصری کے اس قول پر اس کتاب کا خاتمہ کرتے ہیں:

حضرت معاویہ کے چار افعال ایسے ہیں کہ اگر کوئی شخص ان میں سے کسی ایک کا بھی ارتکاب کرے تو وہ اسکے حق میں مہلک ہو۔ ایک ان کا اس امت پر تلوار سونت لینا اور مشورے کے بغیر حکومت پر قبضہ کر لینا، دوسرے اپنے بیٹے کو جانشین بنانا، جو کہ شراب پیتا، ریشمی کپڑے پہنتا اور طنبورے سے دل بہلاتا۔ تیسرے، زیاد کو اپنے خاندان میں شامل کرنا، چوتھے ان کا حجرؓ اور انکے ساتھیوں کو قتل کر دینا۔ واویلا ہے حجرؓ اور اصحابِ حجرؓ کے لئے!! (ابن الاثیر ۵ھ کے واقعات)

ختم شد

میں کافر ہوں میں کافر ہوں، میں کافر ہوں تو کافر ہوں

ابوجہلوں کا دشمن ہوں

ابوطالبؑ کا ذاکر ہوں

نبیؐ سے عشق کرتا ہوں، علیؑ سے پیار کرتا ہوں

نبیؐ زادی کے دشمن سے ازل سے خار رکھتا ہوں

ابوذرؓ جیسے چلتے تھے اُسی رہ کا مُسافر ہوں

میں کافر ہوں میں کافر ہوں میں کافر ہوں تو کافر ہوں

میرا منصب غلامی ہے درِ آلِ محمدؐ کی
اسی دہلیز پر تو عمر گزری ہے ابو جد کی
کوئی پل ہو کوئی لمحہ ہو میں اس در پہ حاضر ہوں
میں کافر ہوں میں کافر ہوں میں کافر ہوں تو کافر ہوں

میں عاشق ہوں علیؑ کا یہ مرے چہرے سے جھلکتا ہے
زمانہ مجھ سے جلتا تھا زمانہ مجھ سے جلتا ہے
بہ باطن بھی وہی ہوں میں کہ میں جو کچھ بظاہر ہوں
میں کافر ہوں میں کافر ہوں میں کافر ہوں تو کافر ہوں

ہو کچھ بھی غیر کی دستک پہ میرا در نہیں کھلتا
علیؑ سے بغض جو رکھتا ہے میں اس پر نہیں کھلتا
علیؑ ہی ماننے والا ہے جو اس پر میں ظاہر ہوں
میں کافر ہوں میں کافر ہوں میں کافر ہوں تو کافر ہوں

تجھے دنیا ہے پیاری اور مجھے دنیا بدلنا ہے
مجھے معلوم ہے کس رہ سے بچنا کس پہ چلنا ہے
تو اپنی راہ لگ، میں کب تیری رہ کا مسافر ہوں
میں کافر ہوں، میں کافر ہوں، میں کافر ہوں تو کافر ہوں

نکل کر دیکھ حجرے سے، زمانہ وہ نہیں جو تھا
ہر اک لمحہ تغیّر کا فسانہ، وہ نہیں جو تھا
تو انساں کہنے کے لائق نہیں ہے میں تو کافر ہوں
میں کافر ہوں، میں کافر ہوں میں کافر ہوں تو کافر ہوں

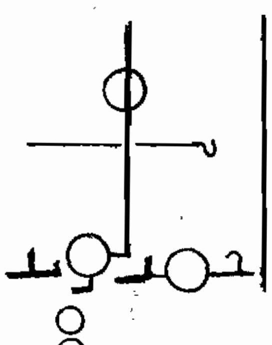

التماس سورہ فاتحہ برائے تمام مرحومین

۱] شیخ صدوقؒ
۲] علامہ مجلسیؒ
۳] علامہ سید ناظر حسین
۴] علامہ سید علی نقی
۵] بیگم و سید عابد علی رضوی
۶) بیگم و سید احمد علی رضوی
۷) بیگم و سید رضا امجد
۸) بیگم و سید علی حیدر رضوی
۹) بیگم و سید سبط حسن
۱۰) بیگم و سید مردان حسین جعفری
۱۱) بیگم و سید سجاد حسین
۱۲) بیگم و مرزا توحید علی
۱۳) سید حسین عباس فرحت
۱۴) بیگم و سید جعفر علی رضوی
۱۵) سید انعام حسین زیدی
۱۶) سیدہ دعا زہرہ
۱۷) سیدہ رضویہ خاتون
۱۸) سید نجم الحسن
۱۹) سید مبارک رضا
۲۰) سید تہنیت حیدر نقوی
۲۱) بیگم و مرزا محمد ہاشم
۲۲) سید باقر علی رضوی
۲۳) بیگم و سید باسط حسین
۲۴) سید عرفان حیدر رضوی
۲۵) بیگم و اخلاق حسین
۲۶) سید ممتاز حسین
۲۷) بیگم و سید اختر عباس
۲۸) سید محمد علی
۲۹) سیدہ رضیہ سلطان
۳۰) سید مظفر حسنین
۳۱) سید باسط حسین نقوی
۳۲) غلام محی الدین
۳۳) سید ناصر علی زیدی
۳۴) سید وزیر حیدر زیدی
۳۵) ریاض الحق
۳۶) خورشید بیگم